

احسان

Checked 1987

CHECKED - 1987

CHECKED - 1987

مصنف

جناب اعلیٰ مشید احمد صاحب شاد وکیل ہائی کورٹ ریاست  
گوالیار مصنف کار گزار و مصیلا وہ وغیرہ

بار اول

حسب فرمائش بابو یار غلال بھار گویندر سیلمانی پریس



سیلمانی پریس گلگاتہ ستر نیاس مس چھپا

CHECKED 199

1914

ایک ہزار ایک

ملنے کا یہ ہے غلال بھار گویندر سیلمانی پریس - گلگاتہ ستر نیاس



# ویدیکیشن

میں نے یہ ناول ایک نئے مضمون پر جبراً تک کسی مصنف نے قلم نہیں اٹھایا ہے اپنے ارادہ مندوں کے فرمائش سے اپنے فرمانروائے جشن صحت کی یادگار میں لکھنا شروع کیا تو اسکے ابتدا کو انہیں کی روشن اور معزز نام سے عزت دے اور اسکے ختم کو بھی انہیں کے نام نامی سے سر ملندی بخشے۔ اس وقت میرے عقیدت مندوں کی بھی آواز دہنی کہ اس حضور میں بار بار ہو کر اس ناچیز تصنیف کو اس جشن خوشی میں دکلاؤ گے اور پس کے ساتھ پیش کروں۔ مگر یہ انہوں نے متا کسی طرح ٹوہنی ہوئی۔ میں بے کس بے یار ویاور اور وہ عالی دربار۔ وہ موقع نکل گیا اور یہ اس وقت تک جو نہیں پڑا رہا اب اسکے طبع ہونے کا وقت آیا ہے تو میں اسکو اپنے اسی ارادہ مندوں کی فرمائش سے بطور غائبانہ نذر کے اپنے اسی عادل رحیم۔ مدبر۔ شجاع۔ منصف عرض موصوف بہ صفات شامانہ۔ شہر یار۔ عالی جناب معالی القاب حضور پر نور مختار الملک۔ عظیم الماقدار۔ رفیع الشان۔ والا شکوہ۔ محترم دوراں۔ عمدة الامراء۔ مہاراجہ۔ دہراج۔ حجام السلطنت کرنیل مہاراجہ مادپور اور سندھیا عالیجاہ بہادر سری ناتھ منصور زماں مددی حضرت ملک معظم الکینڈ و امیر ہند جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ ویز۔ او۔ ایل۔ ایل ڈی۔ ای۔ ڈی۔ سی۔

فرمانہوا۔ ریاست گوالیار دام ختمتہ و اقبالہ و ذوالہ کے حضور میں پیش کر کے  
 طبع ہونے کے لئے بھیجا ہوں اور خدا سے بڑ تر و توانا سے دعا کرتا ہوں  
 کہ حضور مدد و رحمت کو روز افزوں عطا و عطا مال اور فیض و نوال کے ساتھ  
 بہت عرصہ تک چلے سر پر سایہ گستر رہے اور میری اس تحریک کو  
 جو میں نے اس قصہ کے ضمن میں کی ہے قبول عام کی عزت عطا فرمائے  
 مخلوق کی توجہ اس مفید امر بمبش کی طرف مبصر و آف ہو اور ملک  
 کے اور فرمانروا بھی ادھر توجہ فرمائیں۔

فدوی عقیدت آئیں

سید احمد شاد

ویس ہائی کورٹ گوالیار سٹیٹ

۳۹ < ۲۰	داخلہ نمبر
۲۰۵۷	فرم نمبر
۱ < ۲۲	نصاب نمبر



# راحت

یعنی

راحت جان اور علی جواد کا فسانہ

## پہلا باب

آجائیں اپنی شعبہ بازی پر گر کبھی  
ہم وہ کریں کہ تجھے بھی چرخ کہیں نہ ہو

## واؤں گھات

ہم مادھو ہماراج کے ملک خوار ہیں بس انہیں کی بے ستائے ہیں اور اسی ملک کا  
یہ اثر ہے کہ ہم خلق کے فائدہ کی بات کہتے ہیں دہراہی نہیں پہنچنے یہی ہے تو بس  
کچھ ای کیوں نہ ہو۔ ہم ہیں گے۔ پھر کیس گے اور ضرور کہیں گے۔ وہ سب بھی ہیں  
ہیں۔ پھر ہیں۔ اور ضرور ہیں۔ اہ۔ تم بتاتے ہو۔ کو۔ خوب کو۔ چلاؤ۔ اور گلا بھاڑ بھاری گے  
چلاؤ۔ ہم ہو کیا چیز۔ ایک گوشہ نشین قبر۔ تمہاری ستیا کون ہے۔  
گداے گوشہ نشینی تو مانتا محض و شش

بھی ستا ہے۔ ستا سب کہ ہے پر۔ ناحق ہو اس۔ چل بکار۔ کیوں ہے  
کون ستا ہے فغان درویش  
قر درویش۔ بجان درویش

فقر کہنے پر بہت بگڑے۔ میاں فقر تو تھا ماحور وئی فخر ہے۔ مگر تم کو وہ مرتبہ کہاں  
نصیب۔ تم فقیر نہیں بینوار بے سرو سامان دنیا دار ہو۔ بس اپنی مچھوڑی میں چپ  
چاپ پڑے رہو۔ کیوں بیگانہ جلائے ہو۔ اپنے گلے اور زبان کو دکھ دیتے  
لوگوں کے کانوں اور دماغوں کو ستاتے ہو۔ بس سے حاصل طبع آزمائی ہی منظور  
ہے تو کیا اور کوئی مصنون دنیا میں نہیں ملتا۔

دہ سننے کی لڑائی لگی ہے

کون سنتا ہے کہانی میری

اور پھر وہ بھی نہ ہانی میری

کی سند نہیں۔ میاں ہم کہیں گے ضرور نہیں گے۔ صحنے والا ہی پیدا ہو ہی جائیگا۔  
مگر انہیں سنوائی کیوں نہ ہو گی۔ قیصری سرکار بڑی سرکار ہے دنیا کے ایک سرے سے  
دوسرے کنارے تک لاکھوں کوس کی سلطنت کروڑوں آدمی کی آبادی سیکڑوں  
مختلف مذاہب کی رعایا سب کی ضرورتیں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد  
بڑے بڑے شاہنشاہوں کو اوس سے رشک حسد دھڑا انہیں ہمیشہ رشک ہی  
نصیب رہا ہے۔ ہر لڑکے جوڑ نوڑ کہ نصیب دشمنان یہ بچا دیکھے اودھر سے اونکے  
جواب۔ بعض روباہ حریفوں کو ڈانٹا ڈپٹا بہت سے وحشیوں کی گونجی گئی  
سلطنتوں سے ہم سرحد جوڑنے کے سبب آئے دن کا ایک نہ ایک بلکھڑا ایک  
تھکڑا ہوتا ہے۔ وہاں ہماری کوئی نہ سُننے تو نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے۔ یونہی  
سہی۔

ہم اسکے وہ باب میں اپنی غرض پیش کرتے ہیں جو اوس بڑی سلطنت کی پشت پناہی  
کی بدولت۔ آرام چین۔ اور امن کے ساتھ لاکھوں آدمیوں پر حکومت کر رہا ہے  
جیسے لاکھوں کی جان و مال اور ہر طرح کے حقوق کی حفاظت سپرد کی گئی ہے۔  
ہم اپنی فریاد اسکے حضور میں بوجھائیں گے جو حکومت اتنا فیصلہ کے قدم بقدم چلنے کی  
لوری کو شش کرتا ہے جسکا بیدار دل مظلوموں کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہے۔  
جسکے کان بے کس عاجزوں کی فریاد سننے کو ہر وقت آبادہ چبکی آنکھیں شکستہ حال قیمت  
مصیبت زدوں پر رحم اور مہر کی نظر کرنے کے لئے ہر آن بسعد ہیں۔ جسکا روشن  
ہوا ہوس۔ لہو نمب اور عیش و طرب کے بیہودہ خیالات سے خالی۔ شاہانہ دماغ  
ہر خطہ ہماری بہتری اور فلاح کے خیالات میں غور ہے جسے ہماری پہلانی کے  
سوا کچھ فکر نہیں۔ جسکی فکرات دن ہماری بہتری کی دہن میں ہے۔ جسکی آنکھ  
ہمت مشکور سعی۔ بغیر حصول مدعا نہ پھرنے والی کوشش۔ ہماری برائیوں کے دور کرنے

یہ ناول قبل وقایع حصہ نمبر ۱ تصنیف ہو چکا تھا

ہمیں برکتیں اور نعمتیں دینے۔ ہمارے مضر اسباب کے مٹانے میں راحت پہنچانے والے وسیلوں کے مہیا کرنے کی مفید تدبیروں میں ہمیشہ معروف ہے۔ جیسے اپنی تمام فوٹوں کو جاری بہتری کے کاموں کے لئے وقف کر دیا ہے جسکی پیاری جان چہرہ ہم سب قربان ہمارے لئے کیا کیا جو کم اور ٹھانی ہے۔

جو ہم کو اپنی نیک کمائی کا خوشگوار بھل اور اپنی دولت خدمت جاہ دشمن ہی نہیں بلکہ خدا کی ودیعت اور اس کے سپرد کی ہوئی نیک امانت سمجھ کر بہت شفیق ماں باپ کی صرح انکے اکلوتے بیٹے سے زیادہ محبت کی نظروں سے دیکھتا۔ اوں سے زیادہ نیک سلوک ہم سے کرتا ہے جنہیں ہم اپنے تھوڑی عقل کی نارسائی کے سبب اکثر پورا پورا سمجھ ہی نہیں سکتے جو اپنی انہیں شایانہ صفات کی بدولت ہم کو اپنے شفیق ماں باپ دنیا کے سب کنبہ۔ عزت دولت جان مال۔ زمانہ کی سب امیدوں اور تمام خوشی سے زیادہ پیارا ہونا چاہئے۔ اور ہے جو اس منبرک یا اقبال اولوالعزم اور ولے زمین کے سب شہنشاہوں سے زیادہ زور دار سلطنت کے مالک ہونے پر بھی سب سے زیادہ عاجز و از۔ نیک دل۔ رحیم۔ تمام تاجداروں سے بزرگ اپنے فرمانرواؤں ہی کو نہیں تمام مخلوق کو پیار کرنے والے ہماری عاجز اور قاصر زبان سے انتہائی عقیدت اور اخلاص اظہار کرنے والا پیارا خطاب (حکمت ماما) پالنے والی قیصرہ کے سب باجگذار۔ فرمانرواؤں میں قابل۔ ملائق۔ بیدار مغز اپنی رعایا کے حقوق کا پورا محافظ۔ قیصرہ کی پاک گورنمنٹ کا دلی فیرائندیش۔ اور اظہار عقیدت میں سب سے آگے تسلیم ہو چکا ہے۔

یاں ہم اہل کے حضور میں اپنی عرضداشت پیش کریں گے اور وہاں سے قیصرہ کی ہرگز گورنمنٹ تک ہی پہنچ جائیگی۔ نام کیا پوچھتے ہو کون نہیں جانتا کہ ہم کہاں رہتے ہیں۔ لشکر گوالیار میں اور گوالیار کا فرمانروا کون ہے۔ بس وہی۔ یاں وہی مہاراجہ مادھو راؤ سندھیا علیجاہ بہادر بالقابہ جسکے شروع عہد سے ریاست نے ترقی کے میدان میں قدم رکھا جس نے اپنے جن جن میں جبکہ وہ لہو لعب عیش و طرب کی طرف فطرتاً زیادہ مستوہ ہو سکتا تھا۔ ہمارے فلاں کے کانٹوں کی بنیاد ڈالی۔ ہمیں کسی کام کا بنانا نہ کی کو بخشش شروع کی۔ چار۔ بے شہر یار کی بیدار مغزی جہاں کشی

اور رعایا پر شفقت کر لئے کا یہ حال ہے۔ اور ہماری عرضداشت اپنے قدمے کی غیر ہوگی نہیں۔ ہم جو بات کہیں گے ملک ملک ساری دنیا کے خاندانہ کی ہر ہمارے معروضہ کو کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کی وقت، بیہودہ بکواس۔ مخدوب کی بڑے دیوانہ کی ذہنی کے برابر ہی ہونگی۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مگر ہاں تک رسائی کے لئے کوئی ذریعہ ہی ہو۔ اور رسائی نہ ہوئی تو کہوں گے کیسے اہم پھر وہی۔ بیٹھ لیے دربار میں کوئی عرضداشت پیش کر۔ مرنے کے لئے کسی وسیلہ اور سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ جو اپنی باخبری کے سبب ہمارے ہر ایک معاملات سے آگاہ ہے جو ہماری ضروری یا نامتی مفید یا مضر مشوروں یا دیگر ارا دونوں سے بے خبر نہیں رہتا وہ ہماری ہر ایک بات جو عرض کیجائے یا کہیں بھی جاسے۔ ضرور سن سکتا ہے۔ تو یہ کہ وہ ہم کے موجد ہیں ہمارا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ ہم صفت ہر ایک ہر دلعزیز شہر یا میں ضرور پہنچ جائے۔ اور ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنی رعایا کی غلام اور غلامی کے امن کی اوسکے دل سے کچھ ایسی لگی ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اوسکی حالت کی جستجو میں رہتا ہے اور اوسکی یہ کوشش خود بخود ہر ایک حال یا واقعہ کی آگاہی کے لئے کوئی ذریعہ پیدا کر ہی دیتی ہے۔ سمجھئے تو میں ہم کہیں گے اور ضرور کہیں گے۔ تم دریا کا کنارے لگا کے سوا دریا سے متوجہ ہو کر سمجھو۔ تم سے کوئی اور نہیں گوارا دے گا۔ دہان تک ہی پہنچ جائیگی۔ مگر عجبی کیا ہے۔ کہیں گے ضرور کہیں گے۔ موقع اور قرینہ سے کہیں گے۔

ہر سخن وقتے دہر نکتہ مکافہ دار د

اور موقع۔ قرینہ بغیر تو وہی مخدوب کی بڑ ہو جائیگی۔ موقع بھی کہی آپ ہی دے گا اور قرینہ بھی ہم درست کر ہی پس گے تم اس اور چین میں نہ بڑھو اور نہ ہر کی باتوں میں جی بھلاؤ۔ عجب نہیں انہیں کوئی اپنے مطلب کی بھی نکل آئے تو میں متوجہ ہو جاؤں۔

نوجا جاتے ہیں حیرت کی خشک ہوا تمام دن زور شور سے چلتے چلتے تھک سی گئی ہے اب اوسکی وہ دم غم نہیں رہی۔ بہرہی بوجے مکانات کی کھلی کڑکھڑ میں منہ ڈال کر کچھ کہتی ہے۔ کہی اور وارونی کو کھٹکاتی ہے۔ اس طرح آرام کے طالب گہروں میں بیٹھنے والوں کی فیتھ کے سر چھو رہی ہے۔ ہلے میدانوں میں چلنے والوں کے

لباس کے نکلنے باجسم سے الگ ہر زچوں سے ملکا وہیں اپنا زور دکھاتی ہے۔ اُنکے ہر ایک آگے بڑھتے قدم کو روکتے ہیں کبھی پھیل اور برگد کے بتوں کی زبان سے شائیں شاہیں کرتی اونکے کان میں کچھ ایسا کہہ دیتی ہے کہ وہ ڈر کر ادھر ادھر دیکھتے ہیں۔ مگر اندھیاری رات کی دھری تاریکی نے سب جانداروں کی آنکھوں پر ایسی گہری اندھیری ڈالی ہے کہ کچھ ایسا نظر ہی نہیں آتا۔ دن میں بھی ہوا۔ آفتاب کی کسبدر نیز کون سے گرامر خوش آئند ہو گئی تھی اب گہرے بادل اور رات کی خنکی نے اسے برف سے بھجھا دیا ہے۔ ہر ایک مجھونکا کھیلے جسم پر پ درزہ کی سی جہر جہری کا کام کرتا ہے۔

بس اس عیوقت سارے ہر دلعزیز شہر یار کی بارونق غطت والی سلطنت شوکت آباد لشکر سے جانے ہوئے پڑاٹے ڈٹے ہوئے شہر گوالیار کی آبادی سے تھوڑے ہی دور ایک ویران تکیہ کے پھیل برگد اور فرش کے گنجان درختوں کے سخت بتوں سے عجیب بہیمانہ آوازیں نکلتی ہیں ایک ہلایت بلند غم پر سیرا لینے والے سیکڑوں کوئے کاؤں کاؤں کرتے اور کبھی تھوڑی دیر چپ رہ کر یکایک زور سے چلاتے ہیں کسی درخت پر آٹو ہو چکا ہے اس کی رعب دار آواز جنگل میں گونجتے بتوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ چوہا کے سناٹے سونے سونے یکایک چلانے والے پرندوں کی آواز اور لوٹری کے خشک قہقہوں سے ملکر اس منظر کو زیادہ خوفناک بنا دیتی ہے۔ شہر کی بہت پرانی ٹولی بیوی مٹھ کی جا بجا شوق دیواروں کے دھاروں کسی سوڈی جانوروں کی آواز آرہی ہے جو آہ کی صدا سے مشابہ ہونے کے سبب حیرت انگیز ہونے کے سوا بہت خوفناک معلوم ہوتی ہے قریب ہے ایک ٹیکرے پر گودہ بولنی ہے۔ اور سامنے ان سب غل شکار گنیوالوں کو جنھوں نے اس بہیمانہ رات کی خاموشی کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا ہے بہت زور سے ڈانٹتا ہے۔ ایسی جگہ آمد و اور بیر کے نیچے نیچے درختوں کی جھنڈ میں یکایک کچھ سرسراہٹ ہو کر زمین پر پڑے بتوں کے پامانی کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے ہی لمحہ میں ذرا دیر کے لئے اس منظر پر خاموشی پہا جاتی ہے۔ اس خاموشی کا طلسم کوؤں کی آواز توڑ دیتی ہے جو ابھی خواب میں کسی دشمن کے حملہ سے ڈر کر سوئے سوئے ہوئے چوناک پڑے

اور بیڈ مہب جلا رہے ہیں۔ وہ اپنے وہم سے آگاہ ہو کر چپ ہو جاتے ہیں کہ انہیں  
امردوں کے چنڈ سے باتوں کی آواز آتی ہے۔

ایک۔ کہو لیا ارادے ہیں۔

دوسرا۔ قول پورا کریں گے۔ اور تم۔

پہلا۔ ہم بھی۔ مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔

دوسرا۔ مگر بارے وقت کہا۔ اور عجیب ڈھنگ سے۔

پہلا۔ ہاں۔ ہاں نہ کرتے بنتی ہے نہ نہیں کرتے۔

دوسرا۔ اجی۔ ہاں۔ نا۔ کیا۔ نہیں کس سے کرتے بڑی بات تو یہ ہے اونچ نیچ  
سوچنے برائی پہلائی سمجھنے کا بھی موقع نہ ملا۔

پہلا۔ اور کیا۔ شام کو کہا گیا اور اس وقت۔۔۔ مگر۔

دوسرا۔ کیوں نہیں۔ نہ معلوم کیسی بڑے۔ اور جو اس میں کچھ اور بھید ہو۔

پہلا۔ نہیں میان۔۔۔ کچھ اور کی بھی ایک ہی ہوئی۔ وہ اور یہ  
بائیں تو یہ۔

دوسرا۔ کیوں کیا ہوا۔ ہے کون قوم۔ اف۔ کڑا کر لیا اور نیم چڑھا۔ ان سے  
اور وفا کی امید۔۔۔

پہلا۔ اہ۔ تھار اکہ ہر خیال ہے۔ اسکے فرشتہ ہی۔۔۔

دوسرا۔ کیوں۔

پہلا۔ ہمارے خوف سے۔

دوسرا۔ تمہی نہ رہے تو خوف کسکا۔ اور پانچ گمانے کی طمع تو کھلی ہوئی  
ہے۔

پہلا۔ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ کوئی وہم نہ کرو۔ اور یہ دشوار ہی کیا ہے۔  
دوسرا۔ کچھ بھی نہیں۔

پہلا۔ وہاں ہے کون۔ پھر کیا ڈر ہے۔

دوسرا۔ اور ہوتا ہی کیا ڈر ہے۔

پہلا۔ بھر۔

دوسرا۔ کچھ سوچنے یا دریافت کر نیکا وقت نہیں ملا۔ بس یہی۔  
پہلا۔ نہ سہی۔ یہ اگر مگر۔ تم نے اب سیکھے ہیں۔ پہلے کسی کام میں تم  
اتنا دہم نہ کرتے تھے۔

دوسرا۔ بیشک۔ مگر یہ کام ہی اور ہے۔

پہلا۔ بہت بڑا ہے۔

دوسرا۔ نہیں میاں۔

پہلا۔ اس سے زیادہ سہل کوئی کام مجھے کہی کیا ہی نہیں۔

دوسرا۔ بیشک۔ مگر سوچو تو۔ ہم کہاں ہیں۔ اور کہاں جاتے ہیں۔ وہ سارے  
قلعہ ہے انہیں کام دینے والا کون ہے۔ اس سے کس سے کس سے میل ہے۔  
قلعہ دار اسکا کون ہے۔

پہلا۔ میں نے یہ سب باتیں سوچ سچی ہیں۔ کچھ اندیشہ نہیں۔ میں نے  
تم سے کہا نہیں۔ اس کے پاس سے اوٹھکر میں اسی تلاش میں رہا۔ اس وقت تک  
بھید لیتا رہا جب اطمینان ہو گیا۔ تو یہاں بھارے پاس آیا۔ کوئی دوسرا اس نہ کر سیدھے  
سی بات ہے۔ اس سے کسی سے محبت ہے تو ہوا کرے۔ ہم یہی تو کوئی چیز ہیں  
ہماری محبت نہ سہی ہمارا خوف ہی آخر کچھ ہے تم نہ رہے تو ہمارے کیلئے کیا کم ہیں۔  
دوسرا۔ یہ کیوں نہیں کہتے سب دریافت کر چکے ہو۔

پہلا۔ میں جتنی آزما رہا تھا۔ کتنے ہو۔ کیا کہتے ہو۔ تم بے تامل جلدیتے تو میں  
اس وقت تم سے الگ ہو جاتا۔

دوسرا۔ کیوں۔ مجھے کچھ شبہہ کرتے۔

پہلا۔ بیشک۔

دوسرا۔ دیکھو کہی پہلے ہی میرے کسی بات سے کوئی شبہہ ہوا ہے۔

پہلا۔ نہیں۔ مگر یہ اور ہی مدفع ہے۔

دوسرا۔ جلد۔ بسم اللہ کرو۔ ہاں۔۔۔ اور تدبیر۔۔۔ میں نے تو۔۔۔

پہلا۔ رہنے ہوئے نہیں آج کیا ہو گیا ہے۔ نئی زالی بانیں کرنے ہو۔ یہاں  
تدبیر کیا جائے جیسے بنے کرو۔ اور آج ہی کرو۔ لو میں تو چلا۔ دیکھو کہ تم مجھے جانتے ہو پھر

ملوگی تو سب بتا دوں گا۔

ذرا دیر تک خشک بچی کھڑکھڑائی۔ پھر خوشی چھا گئی ہر طرف سناٹا ہو گیا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ ان دونوں کو جاتے دیکھیں مگر بے سود۔ تاریک رات نے انہیں پہلے ہی اپنی سیاہ ککاس میں چھپا لیا تھا اور ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ صرف کانوں پر اسکا بس نہ تھا جب تک وہ باتیں کرتے تھے یا ہنسون پر چلتے تھے۔ ہمارے سامعہ کے قابو میں تھے۔ پھر کیا پتا ملتا تھا۔ غیر جانے دو۔ اندھیری ویسی ہی چکی ہے۔ اور اب نہنی نہنی بھجوا رہی ہے۔ ایسی حالت میں ہم قلعہ کے قریب نورنگ میں پہنچ گئے ہیں یہاں جو دو چار مکانات ہیں ان میں بالکل سناٹا ہے۔ مگر نہیں وہ دیکھو ایک دروازہ۔۔۔ آہ دیکھو گے کیا۔ کچھ نظر آتا ہی نہیں۔ مگر ابھی ایک دروازہ کے کھلنے کی آواز ہوئی تھی اور سنو دروازہ کے پاس کوئی چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہا ہے۔ آہ ایک لفظ بھی پورا سنا ہی نہیں دیتا۔ لو وہ آواز بھی غائب ہو گئی۔ اور کسی نے دوبارہ سیٹی بجائی اس کے ساتھ ہی کئی آدمیوں کے نیچے پاؤں بہانے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مگر یہ پتہ نہ چلا کہ وہ سب کدھر گئے ذرا دیر بعد یہاں سے دور ایک دھول گولا بہت زور سے چھوٹا اور ایک ہوائی جھوٹی ہوئی ایک مکان کے چہرے پر گری اور ۲۵-۳۰ منٹ کے بعد اسی سستان تکیہ میں امرہ دوں کے جھنڈ میں چند آدمیوں کے پاؤں کی آواز سنا دی۔ آوازوں سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب پانچ آدمی ہیں مگر مرد و عورت کی تمیز نہیں ہوتی سب کی آواز بھاری ہے۔

ایک۔ کہئے اب کیا حکم ہے۔

دوسرا۔ یہ کیجئے انہی فرما لکش حاضر ہے۔

تیسرا۔ میں یہاں لیکر کیا کروں۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا۔ ہم تو اس وقت صرف خبر سننے کے مالک ہیں۔

پہلا۔ بہت اچھا۔ لیکن ابھی کیسے مل جائیگی۔ ہم چائیں گے نہیں۔ اور چائیں بھی تو۔۔۔۔

تیسرا۔ نہیں تنکا دو۔ مگر جلدی۔ ہاں یہ دونوں کون ہیں۔

پہلا۔ انکے گھر کی ما۔



تفسیر۔ (جلدی سنے بات کا ملکی انہیں۔۔۔ رہنمائی ہے) مگر نہیں، انہیں ہے  
ہم کو پہلے بہت مدد دی تھی۔ مجھے سب حال تم سے کہا تو تھا۔ جیہی تم نے انکے  
ذریعہ سے۔۔۔

پہلا۔ اور یہ ہمارے ہی راز دار ہیں۔  
دوسرا۔ انہوں نے مجھ کو بہت خوش کیا ہے۔

تیسرا۔ اس کام میں اگر۔۔۔

دوسرا۔ اگر مگر نہیں۔ کچھ وہم نہ کرو۔

پہلا۔ یاں اتنے کچھ اندیشہ نہیں۔

تیسرا۔ تو انہیں انعام دو۔

پہلا۔ یاں ضرور دیں گے۔

چوتھا۔ اور ہمیں ساتھ لے چلو۔

پہلا۔ یاں ضرور۔

تیسرا۔ اور انہیں معمولی انعام ضرور ہی دو۔ یہ یاد تو کریں۔

پہلا۔ جی ہاں۔

اور وہ تیسرا شخص اُن دو نوکشیدہ قاصت جواؤں سے دیر تک چپکے چپکے باتیں کرتا  
رہا۔ وہ دو نو بہت توجہ سے اوسکی باتیں سنتے اور ہاں ہاں کرتے رہے۔

تیسرا۔ بس اب ہم جاتے ہیں۔ ہاں ذرا جلدی ضرور لیتا۔

پہلا۔ ابھی ابھی۔

سب چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد بجلی بجی اور اس تکیہ سے بہت دور ایک پہاڑی

کے پاس چار آدمی نظر آئے یہ سر سے پاؤں تک سفید و سیاہ چادروں میں لپیٹے

ہیں ان میں دو بہت کشیدہ قاصت ہیں اور دو اون سے بہتہ قد اُن دو ٹولا بنے

آدیوں سے ایک نے اپنے بہتہ قد رفیقوں سے مخاطب ہو کر کہا لاؤ ہمیں دید

تمہارے ہاتھ تھک گئے ہوں گے۔ اُن دونوں نے دو سفید گٹھریاں او نہیں دیں

یہاں تک تو بار بار بچکنے والی بجلی کی غایت سے ہم انکے حالات معلوم کرتے رہے

پھر بجلی کی محکب بند ہو گئی۔ نہیں معلوم وہ یہیں رہے یا کہیں چلے گئے۔ اتنا تو جانو

ہیں پہلے کچھ ہلکا سا ہوا پہر ایک بیماری پھر کے لڑکھنے کی آواز کے بعد کسی بہت  
دورنی چیز کی کسی غار میں گرنے کی آواز ہوئی۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک ایسی ہی آوازیں  
آتی رہیں پھر سنا ہوا گیا۔

جبوقت جنگل میں وہ واقعات پیش آئے جو آپ نے ابھی دیکھے شہر میں کچھ اور ہی  
رنگ ڈھنگ ہے۔ گوالیار کے مشہور پردیس کسی کے بالاخانہ میں سرشام ہی سے  
پانچ چھ دیوار گیریاں روشن تھیں۔ دو بڑے فرش لیٹ سنے کے سامنے روشن رکھے  
ہے۔ تمام کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ دو نوجوان حسین و دریا باز میں بن سونر کے  
سند کے تلے اپنے ساندوں کے بہرٹ میں بیٹھی تھیں۔ ایک من عورت  
پاندان لئے ایک گوشہ میں بیٹھی بان بنار ہی تھی اور ان سب کی نگاہیں زمین کی  
طرف نہیں کسی کے آنیکا انتظار تھا کیا ایک زمین پر کسی کے چڑھنے کی آواز ہوئی۔  
اور تین نوجوان کمرہ میں آتے دکھائی دئے۔ انہیں یہاں دیکھتے ہی سب ان کی  
طرف منوجہ ہو گئے۔

ایک نازنین، واہ کب سے راہ دیکھتے ہیں اور ان کا کہیں پتا ہی نہیں۔ کچھ دن  
رہے کا وعدہ تھا اب آئے ہیں۔

دوسری۔ ہیں۔ وہ سنتے ہی نہیں۔ میر صاحب میر صاحب ادھر دیکھئے ادھر۔ یہ  
آہی سے کہتے ہیں دوسرے نوجوان کا دامن پکڑ کے کیوں صاحب تم نے  
کیوں دیر کی۔

پہلی نازنین۔ ہنڈت جی آپ ہی دوسری طرف منہ پھیر لیجئے۔ دھیرے نوجوان  
سے اٹھتی جی آپ سے ہمیں یہ امید نہ تھی۔ آپ نے بھی ہمارے سر کی قسم جھوٹی کہانی اور  
انہیں تو کیا کہوں۔ ہے۔ جی جی آج تمام دن میرے سر میں درد رہا۔  
ہنڈت جی۔ قسم جھوٹی تو نہیں کہانی ابھی جھوٹی ہو گئی۔ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے  
کیا کیا جائے اتفاق۔۔۔

دوسری من عورت۔ واہ جھوٹی کیسے ہو گئی۔ قسم کا خیال ہوتا تو کبھی جھوٹی نہ ہوتی۔  
پہلی نازنین۔ خیال کیوں ہوتا۔ آخر انہیں کسے دوست ہیں نہ۔ ان کے نزدیک  
ہمارے جان کی کوئی قیمت نہیں۔

منشی جی۔ ابکی بیماری جان۔ کچھ چیز نہیں تو ہمارے دوست میر صاحب پر قربان ہیں اور انکے ہم سب دوست ہیں۔

نازمین۔ واہ یہ سننے ہوئے ہیں۔ بیماری ہوتی تو قسم کہا کے۔ اے تو بہ جہنم قسم کیوں کہائی۔ (میر صاحب کو تہرکی نظر سے دیکھ کر کیوں جی) تم نے ہمارے سر کی قسم نہیں کھائی تھی۔

میر صاحب۔ جی ہاں۔

بندت جی۔ (سننے ہوئے) نہیں کہائی تھی (میر صاحب سے) یہی کہنے پوچھ۔  
نازمین۔ تم چپ بیٹھے رہو ام ابھی تم سے کچھ نہیں۔ (سننے (میر صاحب سے) بتاتے نہیں۔

میر صاحب۔ جی ہاں قسم کہائی تھی۔

نازمین۔ یہ دیر کیوں ہوئی۔ تمہارے یہاں کچھ دن ابھی باقی ہوگا۔  
وہی من عورت۔ عذاب جاتے ہی دو۔ کسی سبب سے دیر ہو گئی ہوگی  
نازمین۔ وہ سبب ہی معلوم ہو۔

دوسری نازمین۔ (بہت نیکی ہو کر جنون بدل کر کہیں اور چلے گئے ہونگے۔

پہلی نازمین۔ (میر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر تیور بدل کر) کیوں جی یہ بات ہے۔

میر صاحب۔ دست ظاہر کرنے والے کچھ سے) نہیں صاحب۔ یہ تو آگ پر تیل ڈالتی ہیں۔ بات یہ ہوئی میں یہاں چلنے کے لئے تیار ہوا اب جان گھر میں سے آگئے اور اس وقت گاؤں کا پڑوسی آگیا اس کے ساتھ دو تین اسامیاں تھیں اب جان نے انکے حساب میں دیکھ بلحاظ دیا میں ابھی فرصت ملی ہے۔

دوسری نازمین (بندت جی سے) اور آپ اپنی کئے۔

میر صاحب۔ یہ اور منشی جی، دو نو بجے ملانے گئے تھے اب جان نے دو تین ناگزینی چھپا انہیں زعمہ کر نیکوہ دیدیں۔

نازمین۔ ملی خوب جی ہاں۔ انہوں نے سب کو پکڑ لیا۔

منشی جی۔ ابکی قسم۔

نازمین۔ جوں جس رہتے دو ہماری قسم نہ کھاؤ۔ ہنہ۔ پہلے سے یہ صلاح ہو گئی تھی۔



اے ہے۔ (اتک کسی نے ہاں کو بھی نہیں پوچھا۔ مجھے ہاں کہاتے۔  
میر صاحب۔ کون پوچھتا (مسکرا کر) وہاں تو فٹلی تھی۔ اور اب بھی تیری پرہیز  
الہی میر سے

اک دہا سی بات پر یہ خفایاں  
وہ ہنسی جو نٹھوں پر آئی دیکھتا

نازنین۔ (مسکراتے ہوئے) منہ پھیر کر (جی ہاں) ہنسی آئی۔ ہنسنے والی بات ہی ہے۔  
دو چار۔ سر کی چھوٹی قسم کہاں آجائے۔... (ہنستے ہوئے) اور میں ہنسی آئے۔  
سین عورت۔ جلو اب مل جاؤ۔ انہیں گھوری دو۔  
نازنین۔ کون دے کسے عرض آجی کہا لیں گے  
میر صاحب۔ جی ہاں (دس عورت سے) بندگی دھتالی دڑا دور تھی او سکی طرف  
ہاتھ بڑھانے کے لئے دڑا جھک کر لائے دڑا اور بڑا دیکھئے (لمپ کے سامنے  
اک کاغذ بڑا دیکھا) یہ خط کس کا ہے۔

دوسری نازنین (جلدی سے) اوٹھا کی خط نہیں ہے۔

پہلی نازنین۔ (جلادو آنا جان نہاری ہی کیا بڑی عادت ہے۔ کاغذ ادھر ادھر  
پھینکتے جی ہو (میر صاحب سے) خط نہیں پڑا کا کاغذ ہے۔ نہ معلوم۔ ہاں ابانے  
ابھی شام کو نوٹیں تنگائی تھیں۔ (دوسری نازنین سے) اسی کے پڑا کا ہوگا۔ جلو پینک  
ہی دو لے کیا مٹھی ہو اباجان سے لاکہ بار کہا کاغذ ادھر ادھر نہ پھینکد یا کرو۔ پاؤں  
کے نیچے آتا ہے۔

میر صاحب۔ جی ہاں بات نہ بتائے۔ پڑا کا کاغذ نہیں خط ہے کسی کا۔ (دوسری  
نازنین سے) نہیں ہمارے تم ہیں دیدو۔ وہ نہیں کس کا خط ہے۔

دوسری نازنین خط نہیں ہے۔ تم تو سر ہو گئے (دس عورت سے) یہاں کیوں ڈالیا  
تھا (ملک گولی بنا کے پھینکنے کا قصد کرتے ہوئے) اب ایسے چپ ہیں کہ انہیں  
کچھ خبر ہی نہیں۔

میر صاحب۔ (چھٹکارا دیکھا وہ ہاتھ پڑا کہ جس کاغذ کی گولی تھی اور اب وہ پینکنے کے  
لئے اٹھنے کو تھا) لاؤ تھیں دیدو۔ نہیں ہمارے تم۔

دوسری نازنین، ہم ندیں گے۔ الگ ہی رہو۔ استاد جی بیٹھے ہیں۔ اور میرا تھا راستہ اور ہے۔ میں بڑی ہوں۔

مس عورت۔ کیا کاغذ۔ میں نے کون کاغذ یہاں پھینکا یا تھا۔  
 پہلی نازنین۔ وہی بڑا یا کا کاغذ ہے یہاں پھینکا یا لیکے۔  
 میر صاحب۔ جی ہاں بڑا یا کا ہے (چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے) یہ بڑا ہے۔

مس عورت۔ ابھی میں تو یاد نہیں کیا کاغذ اور کس نے پھینکا۔  
 دوسری نازنین (کاغذ کے پچانے کی کوشش کرتے ہوئے جھلک کر) کیا کاغذ۔  
 اب کیوں یاد ہوگا۔ وہی خط جو شام کو (کہتے کہتے چپ ہو گئی)  
 میر صاحب۔ پہلی نازنین سے اب بھی کو خط نہیں ہے (مٹی کہو نے کے لئے زور کرتے ہوئے) ویدو۔

دوسری نازنین (مٹی کہو لکے پنے ہے میرا تھ مڑوڑ ڈالا۔ لوچو لے میں پڑے یہ خط۔ میرا تھ کہو نہاں ہو گیا۔

مس عورت۔ اہا۔ وہ خط۔ تو ویدو اس میں چوری ہی کیا ہے اب سے خط سیکڑوں آنے ہیں۔ ہم کیا انہیں مانتے ہیں۔ یہی تو ہم میں وصفت ہے جیکے ہوئے اسکے ہوئے۔

میر صاحب۔ خط پڑھتے ہوئے یہ ہے کون۔  
 پنڈت جی۔ ذرا ہم ہی دیکھیں۔ کیا لکھا ہے۔  
 میر صاحب۔ لکھا گیا ہے خوب سبز باغ دکھائے ہیں۔ باغیچہ ہوا ری۔ مکان۔ سواری تمام گھر کا خرچ۔ اور پوشاک۔

پنڈت جی۔ یہ سب کیکے لئے۔ آپ پر عنایت ہے یا مجھ پر۔  
 میر صاحب۔ یہ صرف مجھ پر کرم ہے۔ آپ برائے دوست عنایت فرماتے ہیں۔  
 انہیں (دوسری نازنین کی طرف اشارہ) چار سو ماہوار اور پوشاک وغیرہ کا خرچ دینا قبول کرتے ہیں۔  
 پنڈت جی۔ دونوں جگت سیٹھ کے بیٹے ہیں۔

میر صاحب جی ہاں۔ کروڑوں کی دولت گھر میں بہری بڑنی ہے کسی طرح خرچ بھی کریں۔  
پنڈت جی۔ میں کون صاحب۔

مسن عورت۔ بابو صاحب ہیں۔ اسے ہے۔ پہلا سا نام ہے۔ تاجہ۔ اجرن ہنر جی۔ یہاں درار کی  
جھاؤنی میں نوکر ہیں۔ پاتال ہی نوکر کی تہہ نوکر گئے ہیں۔

میر صاحب۔ ایسے امیر ہیں بہر نوکر کی کیوں کرتے بہر تے ہیں۔

مسن عورت۔ اسی نوکر کی بدولت سب کچھ ہے۔ پہلے انکے باپ اسی جگہ پر تھے  
انہوں نے لاکھوں ہی کما لئے۔ بڑے ہوئے پنشن لے لی اور اپنے بیٹے کو اپنی  
جگہ دلا دی انہوں نے بھی دس برس میں ۲۵۔۳۰ لاکھ روپیہ پیدا کیا۔  
پنڈت جی۔ نوکر کی کیا اکیر تھی۔

میر صاحب۔ زبان اپنی ہے جو چاہا کہہ دیا۔

مسن عورت۔ ہاں صاحب۔ کسر میٹ کی نوکر کی کیا سی جوت ہے۔ انکے باپ  
کابل کی پہلی لڑائی میں گئے تھے۔ وہاں سے ۵۰ لاکھ روپیہ کمال کے لائے تھے۔ ایک  
بھی بیٹا ہے۔ انہوں نے بہت چاہا یہ نوکر نہ کرے۔ مگر اس کی ضد کے آگے  
ان کی انکیر نہ چلی آخر انہیں اپنی جگہ دیتے ہی تھی۔ یہ دوسری لڑائی میں وہیں گیا  
تھا۔ وہاں سے مال مال ہو کر آیا۔ باپ نے زبردستی پنشن دلوایا۔ گھر لے گئے۔ وہ  
چلتے وقت ہم سب کو ساتھ لئے جانا تھا۔ مگر ہم کہاں بجاتے تھے۔ اب دو مہینہ ہوئے  
جیسے برابر بھاگتے ہیں۔

پہلی نازنین۔ ہوگا۔ مارو موئے کو۔ کالا کو سیلا۔ تمباکو کا پنڈا۔ بات کرنے کا بھی  
سلیف نہیں۔ میں تو اوس سے پاخانہ میں لوٹا ہی نہ رکھا۔ فی۔ تمہارے ڈر کے مارے  
اوس سے بات بھی کر لیتی تھی اور جی جی میں۔ گھٹتی تھی۔

مسن عورت۔ واہ سے بڑی خوبصورت آپ اوس سے پاخانہ میں۔۔۔ تم انیسی  
اُسکے یہاں پانی بہرتی ہیں۔ یہاں بھی۔ چاری بہت سی ہنسی اس نمنا میں تھیں کہ وہ انیسویں  
سیدھے منہ بات ہی کرے۔

پہلی نازنین۔ اوس میں ایسے ہی لعل جڑے ہیں۔

مسن عورت۔ ہاں لعل ہی جڑے ہیں۔ ایسے آدمی لعیبوں سے ملتے ہیں۔ تمہیں

کیا قدر (میر صاحب سے) میاں آپ بڑا نہ ماننے لگا۔ ہم دو دولت کی دو نیک ہیں یہاں یہ ہوگی وہ ہیں یہاں نہیں گے۔ صورت شکل اور سلیقہ کی۔ لیکنے کیا چائیں۔ اور میں بچو نہیں آپ کا واسطہ اور اپنے گھر کی وضع آن بان کا پاس نہ ہوتا تو میں ہی اپنی بہنوں کے قدم قدم چلتے۔

میر صاحب۔ آپ میرا خیال نہ کیجئے۔ لیکن ضرور یہی ہے۔ میں یہی دیکھتا ہے وہ بہو کا بنگالی انہیں لیا دیتا ہے۔ اور یہ کیا لکھ لاتی ہیں۔

میں عورت۔ اس کا کیا جائے گے۔ ہم میں بھی غور فرمائی ہے۔ اور خدا کی ہمارا ہے ہمیں یہاں بھی سب کچھ ہے آپ ہمارے لئے اوس سے کیا کم ہیں۔

پنڈت جی۔ بڑا اپنے ابھی کیوں کہا تھا کہ۔۔۔

میں عورت۔ میں نے اس مردار کے جڑے بول کا جواب دیا تھا کیا خدا نخواستہ

میں جاتی تھی اور جب یہاں گزیر نہ ہو گا تو۔۔۔ پنڈت جی۔ آپ جانتے ہی ہیں

ہمارا کتنا ڈرا خچ ہے۔ اور آدمی جو کچھ ہے وہ بھی آپ کو مظلوم ہے۔ آپ ہی دو لوں

صاحبوں کا سہارا ہے پھر کئے گذر لیکے ہو۔ ان کی نئی عمر میں کہا نے پہنے اور

ہر طرح کے شوق کے دن۔ ذات برادری کے سیکڑوں خچ۔ یہ آپ کی محبت کے سبب

آپ کے پیٹنے کی غرض سے۔ آپ کی غیر خواہی کس اپنا جی ماریں کچ نہ کہیں۔ ہم ان کی

آئی ہوئی طبیعت کے لحاظ سے خاموش ہو رہیں۔ مگر خچ لو کرنا ہی بڑھتے ہیں اور اپنی

گھر کے نام کے موافق۔ خدا کے فضل سے آپ سب صاحبوں کی جوتیوں کے صدقے

سے ہمارے گھر کا وہ نام ہے کہ بس۔۔۔ پھر اسی مطابق سب کام ہونا چاہئے۔

برادری کی لاج بھی تو کوئی چیز ہے۔ ابھی کل ہی کا ذکر ہے۔ اور کیا وہ کل ہی

سا ہے ایک ہندو ہوا تو کیا۔۔۔ تنہے کے بھید ہی میں سات ہزار خچ ہوئے۔

گھر میں کوٹری بھی تھی جتنی آدنی اس سے ڈگنا خچ۔ ہو کہاں سے۔ سا ہو کار سے

فرصت لی خچ کیا۔ نہ کیسے کرتے۔ سب ہماری اوقات کو نہو گئے نہیں۔ اور آپ کی بات

پھر بھی حوت تھا۔ اور کیا سارے زمانہ میں تو یہی مشہور ہے میر صاحب اور پنڈت جی

کے سر ہیں۔ اب سا ہو کار کا نفاذ ہے۔

پہلی نازنین۔ اسے ہمارے چاٹ گیلن۔ کبھی یہ چرچہ۔۔۔۔۔



پہلی نازنین اور کیا۔ مجھے سواہ کیا۔ تم ہمارے بیچ میں داخل نہ دیا کرو۔ ہمارے چہرے  
جر سے تم کچھ سر کا نہ رکھو۔ جب ہو گا تو اس کے بیچ جاؤ گے۔ سننے والا ہی گہرا بانی  
آئے دن کے تقاضے روز کی فرمائشیں کوئی کہا نیک اٹھا سکتا ہے نہیں جی میں  
کچھ نہیں چاہتا۔

میں عورت میں کیا کہا ہے۔ میں تقاضا کرتی ہوں میرے صاحب میاں انصاف ہی  
کے ہوتے ہیں۔ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔

پہلی نازنین: کبھی کیا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی دیکھ لے لے بیٹھ جاتے ہو۔ آخر میں یہ  
مطلب ہی کیا ہے۔ یہ آنا چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم یہ یاد رکھو۔  
تم ہمیں بہت استاء کی تو۔۔۔

میرے صاحب: میں ہیں جی بہاری کرنے کی کیا بات ہے۔  
میں عورت: لو ہمارے لئے ایسی بات کیا کی ہے۔ میں اس کو تم سے بھاگنا  
چاہتی ہوں۔ میں آدمی کو نہیں بچا تھی۔ طبیعت کا ڈھنگ ہے۔ سمجھتی آئی ہوئی  
طبیعت ہی کہیں کرتی ہے۔ اور پھر خدا کے فضل سے آپ کے ہاں کیا کی ہے۔  
بہیں چائے کیا وال روٹی میں۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ دو ٹوٹا ہوں کہ دم  
سے سب کچھ ملتا ہے۔

پہلی نازنین: رات سو پوچھتے ہوئے پر کیوں۔  
میرے صاحب: اٹھوں نے کہا کیا۔ وہ صرف ایک بات تھی۔

پہلی نازنین: کیوں ایسی بات تھی۔ سات ہزار ہی کوئی چیز ہیں۔ ہم چاہیں تو  
آج ہی دیدیں۔ سات ہزار کا طعنہ دینے بیٹھی ہیں۔ کوئی سے نوکے انہوں نے  
کبھی کوڑیاں ہی نہیں گئی ہیں۔

میرے صاحب: آہ سات ہزار کیا چیز ہیں۔ خدا نے چاہا کہ ہی ادا ہو جائیں گے  
ملکہ ہی وقت۔

میں عورت: ہاں میاں آپ ہی کا تو سہارا ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔  
پہلی نازنین: (دمنہ بڑھانے کے طور پر) خدا آپ کو۔۔۔۔۔ تم ایک کوڑی نہ دیتا۔ یہی  
تو مطلب تھا اور کس لئے یہ دیکھ لے بیٹھی نہیں۔ تم نے کچھ ہی دیا تو ہم سے

بڑا کوئی نہیں۔ کیا ہم سے پوچھ کے خرچ کیا بچا۔ یا اس میں ہماری ناموری ہے۔ پھر ہم کیوں دیں۔

مسئلہ عورت۔ اور کسکی ہے۔ ہم کچھ کس نام انہیں دونوں کا ہوتا ہے۔ پہلی نازنین۔ ہوا کرے۔ ہم ایسا نام نہیں جانتے۔

میر صاحب۔ کیوں نہیں۔  
پہلی نازنین۔ دیکھیں تم کیسے دینے ہو۔ خدا قسم جسے ایک گھڑی نہ بنے گی ایسی ہوگی کہ تم ہی یاد کر دے۔

میر صاحب۔ جی ہاں آپسے اور کیا ہوتا ہے۔ اپنے اوس مردود کو کچھ نہیں کہنیں۔

پہلی نازنین۔ اپنے لکڑ کیوں رہ گئے وہی کہو۔ تو بلن کیوں دبا لی۔ دیکھو آئینہ دیکھتے ہوئے اب ہر ہم ہی کچھ کہیں گے۔ من عورت سے یہی سنا نا چاہتی تھیں۔ ادا کرے وہ ہوا۔۔۔ جوان۔ نامراد۔۔۔ میر صاحب سے لگا کر کہیں کیا ہے تم بتا کر لانا دو۔ تمہارے پہلے کی جو کہ وہ تمہارا دشمن ہے۔

میر صاحب۔ ہاں اوس کو کہو۔ ہم سب کا گلا کیوں دبا تی ہو۔ اوس بے ایمان نے یہ خط کیوں لکھا۔ فساد کی جڑ تو یہی خط ہے۔ اور گھر کیا بگڑتا ہے۔ گھر کہاں گیا کچھڑی میں گیا۔

پہلی نازنین۔ خط میر صاحب کے ہاتھ سے چھینکر ہوا۔ بے ایمان (خط جلاتے ہوئے) یونہی جیتا جاگتا چلا یا جاوے۔

میر صاحب۔ ہیں۔ ہیں۔ یہاں نہیں یہاں نہیں۔ فرسٹ فرسٹ۔ ارے یہ جل جائیگا (جلتا خط اس کے ہاتھ سے لیکر باہر بھینکتے ہوئے) وہاں اٹل جاوے گا۔ (منشی جی سے چپکے سے) تم (کچھوں کا ٹھکانا دیکر) میرا کس کہول کے۔۔۔ اور یہی آہستہ سے۔۔۔ بس جلدی آؤ۔

منشی جی۔ ابھی آیا۔ مگر مجرا شروع ہو۔ (وہ چلے تو ہنڈت جی نے بھی اونے کچھ کہہ دیا۔)

پہلی نازنین۔ کہاں بھیجئے ہو۔ نہیں ہم نہ ملتے ہیں گے۔ کچھ نہیں۔ منشی جی تم بیٹھے

رہوا انہیں دغیبا ہو گیا ہے۔

منشی جی۔ میں اپنے کہنے سے کہی نہ جاؤں گا۔

پہلی نازنین۔ لو بان کھاؤ۔

منشی جی۔ بندنی۔ مگر میں اپنے ایک کام کو جاتا ہوں۔

پہلی نازنین۔ پھر وہی مجھے یہ چکے۔

منشی جی۔ چکے نہیں۔ ابھی آیا۔

یہ لکھو وہ جلد مئے اور یہاں ویسے ہی باتیں ہوتی رہیں اس اثنا میں تار کی سپاہی

نے اسی دروازہ پر آواز دی۔ یہ تار لے جاؤ۔ تار کا نام سننے ہی پہلے بیچ گئی

سب عورتیں اور ان کے سازندے گہرے گئے۔

مسن عورت۔ ہیں تار کیسا۔ کہاں سے آیا۔

پہلی نازنین۔ الہی خیر۔

دوسری۔ یا اللہ تو ہی مالک ہے۔

استاد جی۔ خدا فضل کیے۔ یہ تار کس وقت دیا۔

پنڈت جی۔ (مسکراتے ہوئے) تار کیا یا کوئی شیر آیا۔ سب سہم گئے۔ الہی خیر۔

بناہ بڈا۔ بد تو اسی میں سب اپنی اپنی کہنے ہیں کوئی اس کی خبر نہیں لیتا آخر آیا کہاں سے

(خود بخود دیکھتے ہوئے) میں لانا ہوں (مسن عورت سے) گہرے کی کیا بات ہے

تار لوگوں کے پاس آیا ہی کرتے ہیں۔

مسن عورت۔ (منہ موم ہونے سے) ہاں۔ خدا کرے خیریت ہو (میر صاحب سے) کیوں

میاں تار میں خیریت ہوئی کیجی ہے خدا کرے میرے بہائی بھانجے سب کنبہ دانے

اچھے ہوں۔ ہاں میں انہیں کا تار ہو گا بیٹی سے۔

پنڈت جی۔ (دکرہ میں ہونے کی بجائے یہ شیر آگیا) دغا دے کہو لکر فرام (دار)

مسن عورت۔ کہاں سے آیا ہے سب خیریت۔

پنڈت۔ کلکتہ سے۔

مسن عورت۔ آہ تو اذ نکا نہیں ہے اور کسی نے بھیجا ہے۔

پنڈت۔ انہیں باؤ تاراجن صاحب نے بھیجا ہے۔

پہلی نازنین۔ لاؤ مجھے دوا سے بھی جانے کے حوالہ کر دیں۔  
 مسن عورت۔ چڑھ تو سہی کیا لکھا ہے۔ تار دینے کی ضرورت تو معلوم ہے۔  
 پہلی نازنین۔ نہیں تم نہ بڑھنا۔ ہم نہیں سنتے۔  
 مسن عورت۔ تجھے کون سنا ہے۔  
 پہلی نازنین۔ اور نہیں سنتے سے سروکار۔  
 مسن عورت۔ کیوں نہیں سنا تو معلوم ہے یا ایسا کیا ضروری کام ہے تار کیوں دیا ہے  
 شاید کسی جگہ نای کے لئے بلایا ہو۔  
 پہلی نازنین۔ ہوا کرے۔ ہم اس مٹج بھو کیس گے بھی نہیں جانا تو بہت  
 دور ہے۔

بند ت۔ لکھا ہے۔  
 پہلی نازنین۔ دکاؤں میں انگلی دیکھ رہی ہے نہیں مانتے۔  
 بند ت۔ ہنسنے لگی خط بھیجے کسی کا جواب نہیں۔ ترو دے۔ جواب دو ورنہ  
 ہم آدمی بھیجنے گے۔ اور وہ ہمارا سفر خرچہ اور ایک سال کی تنخواہ تمہیں دے گا۔  
 اور تم کو لے آئیگا۔

منشی جی۔ ذکرہ میں پہونچکی یہ کیا بڑھ رہے ہو۔  
 بند ت۔ انہیں حضرت کا تار ہے۔  
 منشی جی۔ آجہ۔ پھونکو نہیں اسے بھی حلیہ دو (میر صاحب سے) کیوں کیسے  
 حلیہ دی آگئے۔  
 میر صاحب۔ پہلی نازنین کی طرف اشارہ کر کے، تمہیں اس کے پر اوڑھانے  
 گئے تھے۔

منشی جی۔ واہ یہ انعام ہاں ہے۔  
 استاد جی۔ کیا لطیفہ فرما بہمنور سے۔  
 دو سر سناڑ لکھا۔ کیا کہتا ہے اس طبیعت کے قربان۔  
 پہلی نازنین۔ دس کوئی ہوئی، اسد جاتا ہے کیا بات کہی ہے۔ جی پرک گیا  
 دچکے سے، منہ چومے۔

دوسری نازنین اس کے نوید بادشاہ ہیں۔

استاد۔ بیشک۔ اور ایسی ہی محدثوں میں لوگ آدمی بن جانے ہیں۔ ہے ہے کیا لطیف کہا ہے۔ مثنوی جی کی تعریف ہی کہ ایسی جلدی آگے گویا پر رگ لگے تھے۔ اور خدمت ہی ہر انسان کے ہونے نہیں چڑائیوں کے ہونے ہیں پھر اس پہلو کو کس خوبصورتی سے بجا بلکہ خود انہیں کہتے پر رگ لگے تھے تو یہ خوبصورتی یہ لطافت پیدا نہ ہوتی۔ سبحان اللہ سبحان اللہ یہ آدمی ہیں ہر نہ انہیں ہیں۔ اور مرد ہیں پری انہیں کہ نہ کہتے تھے۔ انہیں مستعار پر دوائے مار کس ترکیب سے خوار اپنا ایک بات کہہ گئے اور اپنے عشق کی تعریف ہی کر دی تھیں گے دل بڑا دل۔

دوسرا ساز نکلیا۔ اور پروں اسکے لئے۔ اوڑھ لئے کتنا مناسب لفظ تھا۔ اور سبحان اللہ بڑا لے گئے نوید بات پیدا نہ ہوتی۔

اوستا دجی۔ اور کس مانند اس سے ان کے دونوں شانوں کی طرف دیکھ کے چپکے سے کیا ہے۔ بشکریہ تعریفی۔ تصویر۔

مثنوی جی۔ تم ہی ایک لطیف کی کہتے ہو۔ ہمارے حضور ہر وقت ایسے ہی لطیف کہتے ہیں خدا جانتا ہے حضور کی ہر ایک بات لکھ لینے کے قابل ہوتی ہے۔

میر صاحب۔ دیکھتے ہوئے اپنی تعریفوں پر فخر کرنے کو چھپانے کے لئے ہاتھوں کی طور پر اٹھ۔ وہ بات ہی کیا تھی۔ ہاں صاحب اب مجرا ہو۔

استاد جی۔ بہت اچھا۔ اگر حضور۔ آج جی ہر کے اشعار لیں گے۔ میر صاحب۔ بہت خوب۔

استاد جی نے سارنگی پیٹے سے ملانے ہی طیار ہی تھا۔ ساز چھڑ گیا ناز نہیں تھے جسے اب ہم پری رو کیں گے۔ چیز ہی اپنے ڈھب کی موقع کے مناسب چھڑی ہوئے۔ نیکی لائے صورت تھاری۔ دیس کا تپہ۔ سر دیلی پارٹ دارا آواز وقت کی راگنی۔ او سپر پری رو کا میر صاحب کو مخاطب کر کے بتانا۔ وہ سبحان بند ہے کہ واہ۔ میر صاحب اسم باس می پریو کی ہر ادھر نوٹے جاتے اور ہر تان پر چھوٹے جھکی سے تال دیتے۔ ہم پر گردن ہلاتے تھے۔

پنڈت۔ واہ بس صاحب کیا کہنا ہے (دور و پیہ دیتے ہوئے) سبحان اللہ

سبحان اللہ۔ کیا ریاض کر رہے ہو۔ واہ واہ۔  
میر صاحب۔ دبا پتھر وہ دیکھیں بڑا خوش قسمت ہوں۔  
چرمی رو۔ تو ہے نیکی لگے صورت تہاری۔ صورت (مسکراتے ہوئے)  
تہاری۔

میر صاحب۔ (پھر پانچ روپیہ دینے ہوئے) ہاں ہاں جیہی تو نہیں میری  
صورت اچھی لگے تو پھر کیا کہنا ہے۔  
استاد جی۔ (سارنگی بجانے بجاتے) اس وقت بھی حضور نہیں جو کہتے  
ہاں کی شوق طبیعت ہے۔

دوسری نازنین جسے ہم اب مرفت نازنین کہیں گے خوش نصیب نہ کہا۔  
میر صاحب۔ تھرکنا سیکھ لیتا تب کہتا۔  
استاد جی۔ (نازنین کی طرف آنکھ سے اشارہ کر کے) سب جانتے ہیں۔ اس  
بجاؤ کی غرض سے نہیں کہا وہ تو اپنے اوپر جو بانی (لکھنؤ میں خوش نصیب  
بہانڈوں کا ایک طائفہ ہے)

چرمی رو۔ (استاد سے پہلے باتیں ہی کرلو۔  
استاد۔ تم اپنا کام کئے جاؤ ہاں تو ہے نیکی لگے صورت تہاری۔  
یہ چیز ختم کر کے دوسرا شیہہ اچھی دیس کا شروع کیا گیا۔ مورے نین لگے گویاں۔ کہو  
اور سنگ کا ہے۔ اپنا ڈھنگ جی نے قوم فچھو روپیہ تین بار میں دے دیتے تھے چار  
فیاض عالی بہت میر صاحب نے اپنے آدمی صیب خانی کر دی۔ دوسری  
چیز چھڑی گئی تو پھر سبڈت جی نے اسی طرح پہل کی۔ اور میر صاحب کے فیاض ہاتھ  
اچھی بار سونا ہر سال لگے انہوں نے مرفت اس ملک چھڑ گئے میں پانچ ہی بار  
میں دس اشرفیاں دیں۔ اور غزل کی فرمائش کی پوری روٹے ہمارے نازک خیال  
جادو بیان دوست قاضی سید مقصود حسن میرت شاہ جہاں پوری کی یہ مرصع غزل اس  
دہن میں شروع کی ہے

صل میں ناز سے کہتے ہیں کن اصافوں سے  
ناک میں دم تھا ہمارے ارمانوں سے

ماہ و سن پری رو جیسی گاتے میں یکتا ہے ویسی بتانے میں تمیز ہے۔ اس کی  
 دردناک۔ میرلی۔ پاٹ دار آواز۔ گاتے۔ گاتے۔ سروں کا دلکش انداز سے  
 ہٹیک ہٹیک ادا ہونا۔ اس کا غزل کو ٹھہری سے زیادہ اچھی طرح بتاتا ہے گانا۔ اپنے  
 کمال کو خوب ظاہر کرتا ہے اس کا زاہد فریب حسن اور بلا کا نگہار یہ سب بلا میں سمجھ  
 میر صاحب کی جو طبعی دل کو تڑپانے کے لئے کیا کم نہیں کہ اس غزل کے مضامین  
 آہستہ بندش۔ زبان کی نفاس سے ادبندی کی خوبی اتنی اور قیامتیں اس بیچارے  
 پر نازل ہو گئیں۔ ہر پر دے ابھی مطلع کلیلا ہی مصرع ادا کیا تھا کہ میر صاحب نے  
 جھوم کر کہا۔ ابا بابا۔ یہ کون ظالم ہے۔

پندت۔ مولانا حیرت۔

میر صاحب۔ ا ف ا ف۔ جیہی اس کلام میں یہ اثر ہے دہرے دے ا ف  
 رے ظالم۔ کیا غزل نکالی ہے۔  
 ہر پر دے اتنی داد پا کر کئی بار اسی مطلع کو گایا اور ہر مرتبہ نئے انداز سے بتایا۔ میر صاحب  
 جھوم جھوم کے کرے لینے رہے۔

پری رو۔

نہر ہی دل میں جگہ چند ہی پیکانوں سے

یہ تو گھر بھر گیا دو چار ہی مہمانوں سے

پندت۔ ہائے ظالم۔ کیا شعر لکھا ہے۔

منشی جی۔ اور انہوں نے اسے ادا کس خوبی سے کیا ہے۔

پری رو۔

جانتے ہی نہیں وہ جنس محبت کیا ہے

وہ کیا ہے دنیا میں نہیں نقصانوں

کریا وصل کا قرار دے کرتے

مجھے کیوں اڑاتے ہو خود میں سنا کانوں

میر صاحب۔ ہے۔ ہے۔ ظالم نے کیا کیا شعر لکھے ہیں۔ دل تڑپا رہا ہے۔ ہر بار

انہیں داد دینے کے لئے جان ابوں پر آئے کا قصد کرتی ہے۔ اور سامع اور زیادہ

کرے لینے کی فوج سے وہیں روک دیتی ہے۔

پری رو۔

بہت ہیں عیار خدا لئے بجائے حیرت  
جال کر جاتے ہیں کافر یہ مسلمانوں سے  
میر صاحب۔ ہیں ایسی جلدی یہ پیاری غزل ختم ہو گئی (بربرو سے) کیا اس غزل میں  
صرف پانچ ہی شعر تھے۔

پوری ارو۔ نہیں۔ بڑی غزل ہے اور سب شعر ایسے ہی ہیں۔  
پنڈت۔ بلکہ ایک ایک بڑھ چڑھ کر۔  
پوری ارو۔ مگر ہم لوگ گانے کے لئے پانچ یا سات ہی شعر یاد کرتے ہیں۔  
میر صاحب۔ جی ہاں تڑپانے اور ترسانے کے لئے۔  
پنڈت۔ اچھا کوئی اور غزل گاؤ۔

بربرو نے سوہتی گئے دہن میں یہ غزل شروع کی کہ

وصل کی جاہ نچے آ پکو جاہست دل کی  
وعدہ کر سیکھے طے ہونی ہے محبت دل کی

میر صاحب۔ انا ہا یا۔ یہی کیا مطلع کہا ہے۔ ظالم نے۔ یہ بھی وہی ہیں۔  
پنڈت جی۔ وہ نہیں انے دوست شاگرد حکیم سید اصغر علی صاحب ہیں۔  
میر صاحب۔ خیر یہ بہت خوب۔ انکا کلام بھی بہت ہی مزیدار ہوتا ہے۔ زبان بھی  
چونچلے وہی۔ وہی بندش کیوں نہ ہو۔  
منشی جی۔ یہ سب منتر و مانع کا فیض ہے۔

پنڈت۔ مگر بی صاحب آپ ایسی علی دی سوہنی پر پوچھ لیں۔  
منشی جی۔ ایسے مجرہ دل میں وقت اور ترتیب کی پابندی نہیں ہو سکتی۔  
میر صاحب۔ ہونگا۔ یہ دشمنی تھکر شمس بہت ہی دو۔ (بربرو سے) ہاں پیاری  
تم اپنا کام سننا جاؤ انہی ایک نہ سنو۔

پوری ارو۔

وصل میں تو نے نکلتے ندی حسرت دلی  
نوٹ کر آئی۔ ہے ظالم یہ طبیعت دلی  
خوب ہی تم نے بنا ہی ہے رفاقت دلی

ہاں اسے تجو دی شوقی برا ہو تیرا  
طور بطور ہیں کچھابو خدا شیر کرے  
ساقی بے کس کا دیا خوب ہی اور بچ عالم



یہ مہینوں کی نگاہوں پر چڑھا ہے صفر  
خیریت آپ نظر آئی تھیں حضرت دل کی

میر صاحب۔ ہائے ظالم بہرہ ہی۔ یہ کیا سمجھ رہے۔ ایسے لوگوں کا کلام اور یہ  
بھینکوں کا سا احتجاج۔ ان ظالم ہشونفوں کی ہر ایک بات جلاسنے ہی کی ہوتی

ہے۔  
پینڈت۔ کیا بھی گلانی رہیں گی۔

حاشی جی۔ بس روقت کی رائی کے مردوں میں اسے لال بڑی کی باری  
(نازنین گلانی ساری بانیہ نہ ہو)

میر صاحب۔ (پینڈت جی کی خاطر سے) ہاں۔ اب (نازنین سے) آپ کی  
باری ہے۔

چمری ارو۔ میر صاحب کی بغل میں آ بیٹھی۔ اور نازنین نے پہلی ہرید شروع  
کیا۔ ہنسی وہی سوں بجالی، پہر اور چیزیں وقت اور موقع کے مناسب لگائیں  
سب کو خوب رنجھا یا میر صاحب نے دوسری سارنگی بھی انعام کی، اشرفی اور

روپیوں سے بہرہ دی۔ جواز اس مزے سے ہو رہا تھا کہ سب کے کان آٹھنیں اور دل  
اس میں غوسہ ہے اور وہ من عورت، مجھے اب ہم شعیبہ (ایک جادوگر عورت کا نام تھا)  
کہیں گے اسی طرح اسی گوشہ میں بیٹھی تھا لیا کا طہنی اور اپنے مکان کے ایک کپلی چھپت  
کی طرف دیکھتی تھی وہی حالت میں تو بچلی۔ تھوڑی دیر بعد میر صاحب آئے اور بدلی۔ پھر

کچھ روشنی نظر آئی۔ اور کوئی چیز سنائی ہوئی اور چھپت پر یا اس سے قریب  
کہیں گری۔ اس وقت شعیبہ نے چلائے کہ اے صاحبین فضیلین۔ خدا کا مکان میں روشنی  
رکھیدی۔ اور رہا۔ شے چلی گئی۔ پھر اس وقت واپس آئی شعیبہ، دوبارہ پری اور میر  
صاحب کو دیکھا رہی تھی اور سب آتے دیکھ کر میر صاحب نے اشارہ سے پس

لایا۔

شعیبہ۔ کہئے۔

میر صاحب۔ چند نوٹ دیکر انہیں رکھ لیجئے۔

شعیبہ۔ کیا کروں۔

**میر صاحب**۔ یہ سات ہزار کے نوٹ ہیں۔ اتنا آپکا فرض ادا ہو جائے گا۔  
**شعبدہ**۔ (ہائیں لیکر) خدا نہیں خوش رکھے۔

**استاد جی**۔ یہ بیل یہ جو صلہ کوئی کہا ہے پائے۔  
**میر صاحب**۔ اور ہم آج سے انہیں چار سو ماہواری بھی دیا کریں گے۔  
**استاد جی**۔ خدا سلامت رکھے ایسے قدر دان جو صلہ داتے سے۔ سبھی طرح کی امید ہے اور ہو سکتے ہی۔

**پرمی رو**۔ (تیوری جڑھا کر) تو باتیں ہی کر لو۔  
**میر صاحب**۔ نہیں صاحب۔ ہم سنتے ہیں اور دل سے کان کسی طرف ہوں تو  
 کیا ہے دل تنہا رہے۔ تنہا ہی ہی طرف ہے اور رہے گا۔  
**استاد جی**۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ کیا بات کہی ہے۔ سچ ہے حضور کی کوئی بات  
 لطیفہ سے خالی نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ ہر لفظ موتوں میں تو سننے کے قابل  
 ہوتا ہے۔

**پرمی رو**۔ پرہی۔  
**استاد جی**۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ جسے ہمارے ہاتھ اپنا کام کر رہے ہیں ایسی  
 حالت میں بارہ بج گئے پرمی رو نے خمار آلودہ صورت بنا لکے انگڑائی اور  
 جھانی لیکر چلو سو رہیں آدھی رات ہے۔ بھاگ کے دھن میں گانا شروع کیا  
 اب شعبدہ کی آنکھیں اس کے چہرہ پر نہیں۔ وہ بھی گائے گاتے کہی کہی شعبدہ  
 کی طرف دیکھتے تھی۔ کیا ایک دروازہ پر بہت زور کے آواز بندوبست کی سی  
 ہوتی۔ شاید کسی نے پیاس کا پٹا خانا اس گھر کے دروازہ پر زور سے مار کے چھڑایا۔  
 فانیمن اور پرمی رو دونوں نے زور سے چیخ ماری۔ دونوں زور سے اچھل کر فرسٹ  
 برگریں اور گریں تو بیہوش۔

**شعبدہ**۔ ہے ہے یہ کیا ہوا پرمی رو کو اٹھاتے ہوئے میر صاحب نے میرے  
 لٹاٹے (پیار کر کے) ہائے ہائے ڈالنے پوچھتے ہوئے اس جبری گہری کی کسی کو  
 خبر تھی۔ ہائے۔ اب کیا کروں۔  
**استاد جی**۔ رنا زین کو اٹھاتے ہوئے ہے ہے رنگ میں بھنگ

شعبہ ۵۔ (سب کو لگتا تھا) استاد جی۔ آپ تم بھی اپنے گھر جاؤ۔ یہ اب لپٹی ہیں۔  
 سب ساندے رخصت ہو گئے۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ پری روڈ نازنین اُن کمروں  
 کی طرف چلیں جن میں نصیب اور حشمت نے اُن کی بیہوشی کی حالت میں روشنی  
 کی تہی کر کے دروازہ تک دونوں ساتھ۔ ہاتھ میں ہاتھ رکھے۔ باتیں کرتی ہنستی لہکھلاتی  
 لگتی پیرالگ ہو گئیں ایک کمرہ میں پری روڈ دوسرے میں نازنین چلی گئی۔  
 وہاں ان کے فریڈر پہلے سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد شعبہ ایک کمرہ کے دروازہ  
 پر آئے اس کی آہٹ سن کر پری روڈ نے کہا کون آیا جان۔  
 شعبہ ۵۔ ہاں دروازہ نہیں یہاں بھیج دیجئے۔

پری روڈ۔ تمہی پہلے آؤ۔  
 شعبہ ۵۔ (دروازہ کھل کر) اچھا لکھا اندر گئی۔ اوس نے پری روڈ کو دوسرے  
 کمرہ میں بھیجا۔ وہ ایک قوی ہیکل مرد کو ساتھ لے آئی دونوں اوس کمرہ میں چلے گئے  
 جس میں شعبہ کسی مرد سے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھی اب تبے لمب کی روشنی میں  
 (ان دونوں جوانوں کو دیکھا۔ دونوں نے چھپا پھپکا کر کے لئے ڈالے باندھے تھے  
 صرف آنکھیں کھلی تھیں۔

شعبہ ۵۔ (ان دونوں مردوں سے) یہ پنڈت اور سید محب کہی آتے ہیں چلے  
 کی اینٹ ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ مطلب نہ سروکار۔  
 اب کیا جوان۔ انہوں کو منہ لگاتے ہی کیوں ہو۔

شعبہ ۵۔ کون منہ لگاتا ہے۔ وہ تو مان زمان میں تیرا مہمان خوب ہی بڑھے  
 بلکہ حفظ کئے پیٹھے ہیں شام سے آدھ تک۔ کتا ہی ٹالا کروہ کیا ملنے والے تھے۔ جرا  
 ستار ناز دیکھاؤ۔ اور خدا جانے کیا کیا دایاات خرافات بکتے رہے۔ بچے تو  
 کئی بار غصہ آیا۔ جی میں تو آیا کہ انہیں جہنم دوں۔ پھر یہ سو بچی زندگی کا مکان ہے  
 یہاں سبھی طرح کے آدمی آتے ہیں۔۔۔۔۔ اور اسے کچھ الجھو گے تو یہ نہ معلوم کیا  
 کہیں۔ پھر کیا ہو۔ وہ ہیں بد معاش تم اس وقت تک آئے نہ تھے۔ تم ہوتے تو میں  
 اس وقت لگا رہتی۔

وہی جوان۔ مجرا تو ہو رہا تھا۔

شعبہ۔ بیچے پڑ گئے تو۔۔۔

وہی جوان۔ کچھ بہانہ کر دیتیں۔

دوسرا۔ ہم نے سینی دی کسی نے سنی ہی نہیں۔ تب میں نے پٹا خا چھوڑا۔  
اور دونوں ادھر چلے آئے یہاں تم کو اپنا منتظر پایا۔ مگر تم اپنے سبب جلدی سے  
چلے گئے۔

وہی پہلا جوان۔ ایسے آدمیوں کا روز آنا اور اتنی دیر بیٹھنا ٹھیک نہیں۔  
شعبہ۔ روز نہیں آتے ہاں وہ کام ہو گیا۔

وہی پہلا جوان۔ ہاں۔

شعبہ۔ کیا میں کسی کام کو کہتی ہوں۔

وہی پہلا جوان۔ ہینٹ کو بوجھتے ہو۔

دوسرا جوان۔ نندہ دنیا بھیت جو کچھ ہو ہمارا کوئی کام ادھورا نہیں رہتا۔  
شعبہ۔ اور وہ نظ

وہی پہلا جوان۔ روانہ کر دیا آجکے میسویں دن جواب آ جائیگا۔

شعبہ۔ اب تو تم نے بہت دن سے بات کو کھینچ لیا ہے۔ ہماری کچھ خبر نہی  
ہے۔

وہی پہلا جوان۔ وہی وہی مہینہ تو ہوئے۔ اس میں جو کچھ نفع ہو گیا تھا ہم اٹکا  
حصہ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ تو۔۔۔

شعبہ۔ جی ہاں بہت دن کے لئے کافی ضرور تھا۔ مگر۔

وہی پہلا جوان۔ آخر ایسی چلبلی کیونکر خبی ہو گیا۔

شعبہ۔ دل ہزار تو۔۔۔ فتنے کے چھیدیں میں خچ ہوئے۔ کچھ ان دونوں نے  
زیور بنایا۔ باقی اتنا سچ بچ رہتا رہا۔

وہی پہلا جوان۔ اچھا دیکھا جائے گا۔

دوسرا جوان۔ زیور اپنے پاس پہلے سے جو ہے۔

شعبہ۔ ہاں پہلے کا ہی تھا۔ مگر تم جانتے ہو۔ یہی عمر کھاتے پہنے اور ہر طرح کے شوق  
میں ہوتی ہے۔ نور جہاں کو کسی محفل میں جڑاؤ زیور پہنے دیکھ آئی نہیں۔ اس دن

اوسکا جوڑا سبز تھا۔ تو زیور بھی سب زرد و کاہنے تھی۔ کسی نے اُن سے کہدیا یہ جس رنگ کا جوڑا پہنتی ہے اویسی رنگ کے جواہرات کا سب زیور بھی اوسدن پہنتی رہے انہیں بھی وہی شوق ہوا۔ میں نے کہا تمہارے کمانے والے سلامت رہیں ضرور بنوالو۔ زرد اور پہلوانج دو طرح کے سبب عدد دینگئے ہیں اور نہیں گئے۔  
پہلوانجوان۔ اچھا۔

تسعدیہ۔ ایسی ہی باتیں کر کے۔ چلی گئی۔ وہ دوسرا جوان بھی اپنے کمرہ میں جلا گیا۔ اور یہاں سناٹا ہو گیا۔

## دوسرا باب

کاشکے وہ بھی ہمارے سامنے ہی ہو چکیں  
گردشیں باقی ہیں خنجر زنگاری میں اور

### جال اور سونے کی چڑیا

واہ کیا سہانا وقت اور کیا دل کش سیان ہے۔ بچھلا رہا ہے۔ صبح بڑا ہی چاہتی ہے آفتاب قریب آجود پنجاب ہے تو اسکی گرتی خنجر کا ہوا سے مل کر گھرے گھرے سا بر کو ہکا کر دیا ہے عابجا چٹکے تاروں کی تمام بات جلی ہوئی سمجھیں جھللا رہی ہیں صبح کے لورانی چہرے کے جھلک کے سامنے اوس بڑے برقی لمپ ماہتاب کی روشنی ماند ہو گئی ہے۔ تاہم نرم دنیا ہی اور یہی دم قہم سے روشن نظر آتی ہے۔ اوسکی دیہی دیہی اور روشنی سر طریت جھیلی ہے۔ مگر یہ کب تک اور اسی دیر میں شاہ خاور کی آمد کا غنفلہ زیادہ ہو گیا۔ لکڑی صبح بڑا رنگ جاسے نہ گئے تھے بہت تیزی سے اس نرم کی طرح چپ۔ ہی اور رات کی ملکہ ماہتاب کے چہرہ پر بروائیاں ہی پھیلنے لگیں۔ اب قدرت کے فراشوں نے تاروں کی جھللائی تمھیں اکہیا اکہیا کر کے گل کرنا شروع کی ہیں اور خلقی گویوں۔ کوئل ہیسہا وغیرہ خوش آواز پرندوں نے شہنشاہ روز کی آمد آمد کا خوار دل کش سروں میں چڑیا ہے۔ صحت آور صبح کی ہوا اس مغل کے معطر کرنے کو آم کے پور وغیرہ موسمی پھولوں کی

خوشبو لئے اتر آئے جلی آئی ہے۔

اور ہم اس فساد کی پہلی ہی صبح کو اسی کے دو سرے باپ کے تھاغ سے دمانہ رواں کے خالی تار پھرنے بیٹھے ہیں آپ بھی دیکھئے سمت ۱۹۳۸ اور سال ۱۹۳۹ء میں۔  
 فصلی پھیلی مہینہ کے مقابلہ میں اپریل کا مہینہ ہے دن تاریخ کی خبر نہیں۔ وقت البتہ وہی ہے جو ہم پہلے دکھائے ہیں۔ دارالسلطنت لشکر سے اور ترجمہ کے کوٹے پر شیرو پور کے قریب رخصا قائم کئے ہماری اس ریاست کے حدود کے اندر ایک پہاڑ کے دامن میں بہت نامور اور تنگ گلیڈنڈی کا جنگل ہے جس میں سے ایک چوٹا سا قافلہ جا رہا ہے۔ اور کیا۔ قافلہ ہے۔ تین بہنوں پر جو لھا علی گستی کا سب سامان لدا ہے۔ انکی آگے چھ سات بکریاں دو گائیں ہیں اور پیچھے چھ آدمی اسباب کی گٹھریاں باندھے چل رہے ہیں۔ گٹھری والوں کے پیچھے دو ٹوٹے جنر دو عورتیں سر سے پاؤں تک سفید چادروں میں لپیٹی گود میں سوتے۔ بچے لئے بیٹھے ہیں۔ انکی پیچھے سات جوان تلوار بند دن سے مسلح۔ اور ان جوانوں کے حلقہ میں تین عورتیں ہیں۔

صبح کی ڈاک پر آفتاب کی این ڈھوری بہت تیزی سے ادھر چلی آئی ہے۔ اور ہمارے خانہ بدوش مسافر جاننے کے پیچھے جلدی جلدی اس پہاڑی کے دوسری طرف چلتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ نہیں مسٹر جو انوں سے ایک شخص جو قافلہ سالار معلوم ہوتا ہے ان سوار عورتوں سے کہتا ہے؟ اب انہیں وہ کہلا دو۔ وہ دونوں عورتیں سوتے بچوں کو جگاکے گود میں بیٹھا لیتی ہیں۔ مگر تھک کے سبب انکی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں۔ اور نہ زبان کلام دیتی ہے۔ وہ دونوں عورتیں انکے منہ میں ایک ایک گولی دیکر چکارے لگتی ہیں۔  
 بیٹی اسے نکل جاؤ۔ گولی بار سر ہلانے پیچھوٹنے اور بار بار کہنے سے وہ راکیاں آنکھیں کھولتی۔ ان گولیاں کو جلدی سے نکل جاتی اور دو چار بار جلدی جلدی ایک بار کے پہر آنکھیں بند کر کے ان عورتوں کے گود میں لپیٹ جاتی ہیں۔ قافلہ بدستور چلا جاتا ہے۔ گولی کہلاتے کے پندرہ ہی منٹ کے بعد دونوں راکیاں اڑھ بیٹھتی ہیں۔ ادھر ادھر بہت گھنا جگہ اور پچا پچا تنگ راستہ۔ پہاڑ کی چوٹی ٹری چوٹیاں جا بجا گہرے گہرے غار۔ اونچی نیچی چٹانیں قافلہ کے ساتھ چند مسلح آدمی کچھ میلی کپلی بد صورت عورتیں۔ بہاری گٹھریاں لئے چٹا آدمی ٹوٹوں کی سواری پر

غرض یہ بیان کہ ستر چراغوں نے ایک کہی نہ دیکھا تھا۔ دیکھو ڈرجا جی !  
اپنی اپنی ماسے جلی گود میں وہ پیشی ہیں چٹ جاتی ہیں۔  
ہاں نہیں چکار کے جھاتی سے لگا لیتی ہیں۔ اور اون کا خوف دور کر کے لے گئے  
شکسین اور ملائے کی باتیں کہتی ہیں۔ مگر اپنا مٹہ بڑا چادر کے گھر سے گھونٹ گھٹ  
میں چھپا ہے نہیں کہولیں۔

ہم ان دونوں لڑکیوں کی تصویر ایسی لکھو کیا دکھائیں سائیں حسن و خوبی کا یہی اعتبار  
ہو گیا۔ ماں یہ فرود کہہ سکتے ہیں۔ ان کی صورت صحت ہی پیاری ہے یہ فائدہ  
کی ائمہ دوس اور مصیبتوں سے بچکر زندہ رہیں۔ اور چھپکے فریاد صورت نگارنے  
والی عیادوں نے انکی اچھی صورت پر رحم کیا تو دونوں اپنے وقت میں ایک  
دوسرے کا جواب ہو گئی ان دونوں کے عمر کے کون لما کے چودہ سال سے زیادہ  
نہ ہونگے۔ اور کیا وہ طائر طائر بھولے بھولے پیارے پیارے نقشہ والی ہو گیا  
غیبت شوبہ پیشی ہے جسکا نقشہ اپنے مناسب ہوزوں۔ اور حسن کا کمال کمال  
نقش و نگار کی بدولت زمان خوبی کا دلکش اور مکمل مرقع ہے۔ سب سے پہلے چھ برس کی  
ہے۔ دوسری جو سرنگ ٹوڑ ہے جسکے دلاویر نقشہ اور ذیل زول میں۔ مردانہ  
خوبی کی کچھ جہاں سے معلوم ہوتی ہے ساتھ ساتھ چھ برس سے زیادہ نہیں ہے شباب  
میں اسکا پردہ یا نقشہ جسکے اعلیٰ میں مردانہ آن بان بھی کچھ جھلک دکھاتی ہے  
حسن کے قدر دان مرد عورت دونوں کی شہر کے لئے بہت چلتے چلے جوئے عمر کی  
بارود اثر خیر ہوگا۔

یہ دونوں لڑکیاں اب جیسی ہیں اور کہی جو کہی ہوں۔ ہم اس موقع پر انہیں بالکل  
اجنبی کے طور پر غائب کر گئے اور جس سال سیاہ گیت سوار کو ریا لکھنے کے  
مخبردار یا کہیں گے۔ حافظہ جتنے جتنے ایسی جگہ پہنچ گیا ہے جہاں اس نئی سی ماحول  
بگڈ ڈی پر دو طرف سے بہت جھنڈا رہے گنجان جنگلی درختوں کی  
جتنی شاخوں نے اور بھی اندھیرا کر دیا ہے۔ یہ سانبان آنا بچا ہے کہ اس کے  
سے گھر کے لئے دو دو سوار محمد میں اپنے اپنے چمچے کو سینے سے جٹا کر  
ظہر پر تپ تپ لگی ہیں سارے صبح پھیل حالت رکھ میں ہو گئے ہیں حال میں

اپنی سر بلند بند و قیں بنی کر لیں اور گھڑی والوں نے اپنے بوجھ پیشہ پر باندھ لیا ہیں  
 اس طرح بہت سی باتوں سے قدم اٹھانے جا رہے ہیں۔ تنگ پکڑنڈی کے بائیں طرف  
 ۳۰ فٹ سے زیادہ اونچا ٹیکڑا ہے جس پر بہت چھتارے لگے درخت ہیں اور ہے  
 سمیت ایک چھوٹی سی بیڑی جو سامنے دکھائی دیتی ہے بہت ناچوار اور کاٹاک  
 لگائی ہے گو اس گھائی کا شیب گھٹنڈی کے کنارہ ہی سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ  
 بڑھتا رہا اور پہنچ کر گیا ہے جس کے خاتمہ کی سطح گھٹنڈی کے کنارہ سے چھ سارے  
 فٹ اونچائی ہے مگر ان کو کار پتھروں اور حصار درختوں نے جو اس گھائی کی تمام زمین  
 کو چھپائے ہیں۔ اس جگہ کو ایسا خوفناک بنا دیا ہے کہ چلنے والے کو ہر قدم پر گھٹنڈی  
 کے نیچے لڑکھ جائے گا وہم ہوتا ہے۔ اور نیچے جانے والے کو کسی طرح گڑھے  
 تک صاف سلامت پہنچنے کا گمان ہی نہیں ہوتا۔

گنجان درختوں کی چھتاری شاخوں نے اپنے گھنے یوں کی گاڑھی پوشش  
 اس منظر پر ایسی ڈالی ہے کہ جھللا لے والے ناروں کی روشنی کو کیا اوجا لا دن  
 ہی بیاں کی زمین نہیں دیکھ سکتا۔ آفتاب کی تیز شعاع کی روشنی اس حصار کے  
 باہر ہی رہتی ہے۔ تاریکی کا یہ عالم ہے اور جنگل کے چرند پرند اور درندوں کی آوازوں  
 اور زمین پر پڑے خشک پتوں کی جرجراہٹ نے جو چلنے والوں سے اپنی پامالی  
 کی شکایت کر رہے ہیں۔ اس اندھیری گھب جگہ کو اور ہی خوفناک بنا دیا ہے۔  
 معصوم بولے بھالی لڑکیوں کے ننھے ننھے کچے دے چلے ہیں ہاتھوں نے آنکھیں  
 بند کر لیں۔ اپنی ہلکے سینے سے جھک جاوے کے آئینل سے منہ ڈانک لیا ہے۔ مگر  
 اسے بھر ہی اور کم نہیں ہوتا یہ دشوار گزار مقام ختم ہونے کو تھا کہ زبانے نقد  
 سے بچ ماری۔

زمین کی ما۔ (بھار کر) کیوں۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ ڈرو نہیں دامن نیچے درختوں سے  
 ہار نکل کر ٹوڑ جک کے بیٹھے ہوئے آؤ مجھے چٹ جاؤ۔

زمین۔ اہی جان۔ میں چھاؤ۔

زمین کی ما۔ مجھے جی ہوا تو ہو۔ ہر کیوں نہ ہو۔

زمین۔ اندھیرا کیا ہے۔



۱۔ بیٹی رات ہے۔

جلد ۱۰۔ اپنی اسے زور سے جھکرا، انا انا روئے ہوئے، اسے اسے

۵۔ روزی کیوں ہو۔

دل رہا۔ اور درخت جہاں سے دل بچے نہ۔

۶۔ ہاں ہاں دھماکا کی روٹھائیں۔ یہ سب ہڑتالی ہیں۔

دلرما۔ کیوں غمگین کیا۔

ما۔ ہم جنگل میں ملے جاتے ہیں۔ جنگجو یہاں بہت سے درخت ہیں۔

دلربا۔ ہائے اللہ۔ تم یہاں کیوں آئی ہو گھر کہاں ہے۔

ما گدست دور ملک و از کار و جگر و دین ۱۲

۷۱۔ لے جاتے ہیں۔

دور ماہ کس حکمہ۔ ایا نوکری برے آئے۔

ما۔ ہاں وہاں ہی ہمارا گھر ہے۔ وہ وہی ایسا ہی شہر ہے جیسے اپنا

گوالبیار ہے۔

دور رہا۔ تو وہاں کیوں جاتی ہو۔

6۔ تمہارے مانوس نے مٹا ہوا ہے۔

لازمیاً۔ تو اس راستے سے بازار بازار چلیں۔ یہ تو بہت پر راستہ ہے انظر

ایسا ہے کہ کچھ سوچنا ہی نہیں۔

نہ کیا۔ (اپنی دوست کو سزا دینی ماسے) تم بھی اور جگہ جانی ہو۔

Uk

کیا۔ کیوں۔

۶۔ تمہارے یہی ماموں نے بلایا ہے۔

اور یہاں سے سارے سامنے کون ہیں۔

۶۔ سب سے بڑے نوکر مالک ہیں۔

...میں۔ ...میں۔

ہاں ہمارے داکٹر ہیں سب تمہارے ماموں کے پاس تھے انہیں

انکو جس لینے بیجا ہے۔

۱۔ گریبا۔ اور یہ کون بولتا ہے۔

۲۔ بیٹی شگ کے جاتے ہیں۔ ڈرو نہیں۔ کوئی کامیگا نہیں۔

۳۔ زیبا۔ ہلکا گہری وہاں ہے۔ ہلکے ابا ہی ساتھ ہیں۔

۴۔ باں بیٹی۔

۵۔ زیبا۔ کتنی دین میں ہو نہیں گے۔

۶۔ ابھی ذرا اسی دیر میں۔

۷۔ زیبا۔ بڑا راستہ ہے۔

۸۔ باں بیٹی۔

۹۔ زیبا۔ اوی جان۔ تم اب بھی منہ چھپائے ہو۔

۱۰۔ اب۔

۱۱۔ زیبا۔ نہیں ہی ڈر لگتا ہے۔

۱۲۔ نہیں۔ میں نہیں ڈرتی۔

۱۳۔ زیبا۔ پھر نہ کیوں ڈانٹتے ہوئے تھیں اور اب بھی۔

۱۴۔ ان مردوں سے پردہ کرتی ہوں نہ کیا رنگے سلسلے ہو جاؤں۔

۱۵۔ زیبا۔ پردہ کیوں کرتی ہو۔ اگر میں ہی جیب سقا کا تھانم کو ٹہری میں چپ

جاتی تھی۔ ویسا ہی پردہ کرتی ہو۔

۱۶۔ ویسا ہی۔

۱۷۔ زیبا۔ یہ بھی ہوشی ہیں۔ گواہ کے پاس مشک نہیں ہے۔

۱۸۔ نہیں۔ یہ مرد سے ہیں نہ۔

۱۹۔ زیبا۔ فوجی ہادی مردوں کے منہ چھپاتی ہو۔

۲۰۔ ہاں سب مردوں سے اور ہوشی بھی رہی ہوتا ہے۔

۲۱۔ زیبا۔ گج دانے چاکا مردہ انہیں ہیں۔

۲۲۔ کیوں نہیں وہ اپنے ہیں۔ تمہارے چچا ہیں نہ اس سے اون سے

پردہ نہیں کرتی۔ انہوں سے پردہ نہیں کرتے۔

تر چبا۔ چائے سے۔۔۔۔

ما۔ ہاں۔

زیبا۔ فہم دہاں کیوں جاتے ہیں۔

ما۔ اب وہیں مدینہ۔

زیبا۔ اب اس گھر میں کبھی آؤ گی۔

ما۔ کبھی نہیں۔ یہ گھر فہم میں گیا۔

زیبا۔ کس نے چھین لیا۔

ما۔ اسی ہشتی نے تم سونی تھیں وہ آیا ہیں مار کے نکال دیا۔

زیبا۔ موابے ایمان۔ مرے خدا کرے۔ یا اے اللہ۔ ہمارا گھر وندا ہی لے لیا۔

ما۔ رو نہیں۔ لے لیتے دو۔

زیبا۔ (رو تے ہوئے) واہ ہمارا گھر وندا۔ ہاں سے اللہ

ما۔ رو نہیں۔ وہاں ہی ایسا ہی گھر وندا ہے۔

دلریا۔ (اپنی ماں سے) تمہیں سی۔

ما۔ ہاں اُس ہو ذی بے ایمان ہشتی نے نکال دیا۔

دلریا۔ ہماری اماں کہاں گئی۔

ما۔ وہ آگے چلی گئی ہے۔

دلریا۔ (بوسہ لپیٹ کر) ہمارا اماں۔۔۔۔

ما۔ اوکے اسی بے ایمان نے پکڑ لیا تھا مجھے چھوڑا کر بھاگ دیا۔ وہ نہیں

وہیں مل جائیگی۔

دلریا۔ (اپنی ماں سے) تمہاری آواز کیسی ہے۔

ما۔ کیسی ہے ابھی خاصی تو ہے۔

زیبا۔ (بوسہ لپیٹ کر) اسی جان تمہاری آواز بھی۔

ما۔ نہیں بیٹی۔

دلریا۔ (اپنی ماں سے) تم مردوں کی طرح بولتی ہو۔

زیبا۔ (اپنی ماں سے) تم مردوں کی طرح بولتی ہو۔

دلربا۔ تم ماں نہیں ہو۔

ما۔ بھوکون ہیں۔

دلربا۔ ہندی ماں تو مردوں کی طرح نہیں بولتی تھیں۔

ما۔ بیٹی میری آواز بیٹھ گئی ہے۔

دلربا۔ کھیسے۔

ما۔ زکام ہو گیا ہے۔

دلربا۔ زکام... کہاںسی۔ جیسے ہمیں آئی تھی۔ ماں ہماری ہی آواز

تو بیٹھ گئی تھی۔

ما۔ پھر کیوں بوجھتی ہو۔

دلربا۔ مگر تم کو کہاںسی نہیں آتا ہے۔

ما۔ بیٹی اتنی زکام ہے۔

دلربا۔ قال کیا۔...

ما۔ ناک بہتی ہے۔ ناک کے اندر کھلی سی ہوتی ہے ہی سے آواز

بیٹھ گئی ہے بس یہی کو زکام کہتے ہیں۔

زیبا۔ دیر بائیں شکل اسی جان تم کو یہی زکام ہوا ہے۔

ما۔ ہاں بیٹی۔

زیبا۔ نا کہیں کھونکر اے ہے ابھی اندھیرا ہی ہے۔ اسی جان ہیں

تو ڈر لگتا ہے۔

ما۔ نہیں بیٹی ڈر دہنیں۔

زیبا۔ توں کب آئے گا۔

ما۔ شوڑی دیر میں۔

دلربا۔ اما۔ ماہوں جان ذکر ہیں۔

ما۔ ہاں۔

دلربا۔ کھکے۔ انہیں سرکار کے ہونگے یا کسی امیر کے۔۔۔۔

- ۱۔ کہا مظلوم۔  
 ۲۔ دلربا۔ ہمارا یہ گرو بچا تھا۔  
 ۳۔ ما۔ بیٹی کیا گویں، بنو صحن کیا۔  
 ۴۔ دلربا۔ اہل جلدی جلدی جلو۔ یہ شکل چلو ہے۔  
 ۵۔ ما۔ چلے تو ہیں۔  
 ۶۔ دلربا۔ آج اسٹانی جی آئیں گی۔ کیوں آئیگی نہ۔ اُنھوں نے وہ گرو دیکھا ہونہ  
 ۷۔ ما۔ دیکھا ہے۔  
 ۸۔ دلربا۔ ہم آج ہی پڑیں گے۔  
 ۹۔ ما۔ کیوں کیا ہوا، کیا کل کا سبق یاد نہیں ہے  
 ۱۰۔ دلربا۔ یاد ہے  
 ۱۱۔ ما۔ پھر۔  
 ۱۲۔ دلربا۔ آج پچھلی نہیں لگی  
 ۱۳۔ ما۔ کیوں۔  
 ۱۴۔ دلربا۔ نئی جگہ جاتی ہیں نہ  
 ۱۵۔ ما۔ نئی جگہ جانے سے پچھلی ملتی ہے  
 ۱۶۔ دلربا۔ ہاں ہم یہاں میں گئے تھے تب کہاں بڑھا تھا۔  
 ۱۷۔ ما۔ یہاں کی اور بات ہے۔ یہ تو تم اپنے گرو جانی ہو۔  
 ۱۸۔ دلربا۔ واہ نئی جگہ نہیں ہے۔ تمہیں نے کہا تھا۔ نئی جگہ جانے ہیں تو اسٹانی  
 ۱۹۔ جی چٹھی دیدیتی تھے ہیں۔ نہیں آتیں  
 ۲۰۔ ما۔ کب کہا تھا۔  
 ۲۱۔ دلربا۔ واہ بھول گئیں تھے وہیں یہاں میں کہا تھا۔ آج اسٹانی جی آئی ہو نئی  
 ۲۲۔ ہم سبق پڑھیں گے۔ تم نے کہا تھا۔ ... کہا تھا کہ نہیں۔ یاد آیا۔  
 ۲۳۔ ما۔ کہا تھا۔  
 ۲۴۔ دلربا۔ پھر۔  
 ۲۵۔ ما۔ اچھا آج ہم چٹھی ملا دیں گے۔

دور با۔ وہیں فتح بھی آئیگی۔ ہمارے گونیاں۔

ما۔ اہی۔

دور با۔ تو ہم آج اس کے ساتھ کیلینگے۔ کل سے پڑھیں گے۔ این۔

ما۔ اچھا۔

دور با۔ (اپنی ما سے) امی جان ہم بھی آج نہ پڑھیں گے۔

ما۔ اچھا۔

دور با۔ (چپکے سے) امی جان یہ کون سی لڑکی بولتی ہے۔ جمنی کی آواز

معلوم ہوتی ہے۔

ما۔ نہیں بیٹا۔ یہ کوئی اور ہے

زیبا۔ تو یہ کون ہے۔

ما۔ کوئی ہوگی۔ اسے بھی اسکے ماموں نے بلایا ہے اور وہ تمہارے

ماموں جان کے گھر ہی میں رہتے ہیں۔ تمہارے ماموں جان کے یہاں تمہاری

ایک بھو بھئی بھی نہیں ملیں گی۔

زیبا۔ تو یہ اور ہم ایک ہی گھر میں رہیں گے۔

ما۔ اور کیا۔

زیبا۔ اور ساتھ ساتھ دباں چائیں گے۔

ما۔ ہاں۔

زیبا۔ دن نکالنے جلدی سے خدا کرے۔

ما۔ ایسی جلدی کیا ہے۔

زیبا۔ ہم انہیں دیکھیں۔ امی جان ہم نہیں اپنی گونیاں بنا دیں گے۔

ما۔ اچھا۔

زیبا۔ انکا گروندا ہی ہوگا۔ وہاں۔

ما۔ ہوگا۔

زیبا۔ الگ۔

ما۔ الگ۔

زیبا۔ اور ہم دونوں ایک ہی گھر وندے میں کھلیں گے۔  
ما۔ اچھا۔

زیبا۔ رائے باتیں کریں۔

ما۔ ابھی نہیں۔

زیبا۔ کب۔

ما۔ دن نکل آئے دو۔

زیبا۔ کیوں۔

ما۔ تم انکی صورت دیکھو وہ تمہیں دکھیں جب باتیں کرنا۔

زیبا۔ اچھا۔

یہ سب باتیں چپکے چپکے ہوئیں۔

دلریا۔ (اپنی مائے چپکے سے) اما جان یہ کون رکی ہے۔ اپنی اما جان سے

ابھی باتیں کرتی تھی۔

ما۔ تمہارے ماموں جان اسکے ہی ماموں جان ہیں۔ یہ بھی وہیں جاتی

ہے۔ تم دونوں ایک ہی گھر میں رہو گی۔ اور وہیں تمہاری بھو بھی تم کو ملے گی۔

انہیں باتوں میں یہ خوفناک مقام طے ہو گیا۔ ہمارے مسافر اوس پہاڑی کے دوسری

طرف پہنچ گئے۔ یہاں ننگل دلیا لگتا نہیں ہے راستہ بھی کچھ ہوار اور فراخ ہے

وقت بھی وہی ہے۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ بھیلتی جاتی ہے۔ دونوں لڑکیوں

نے اپنی ماں کے کہنے سے آنکھیں کھول دیں ہیں۔ انکے گود میں بیٹھی اور ہر اوہر

دیکھتی ہیں کہ یکا یک اوس گھنے اور تاریک جنگل سے جو اس قافلہ کے پیچھے فریب

ہی ہے بہت ہی خوفناک لہجہ سے بھاری آواز میں یہ صدا آتی ہے۔ ہوں ہوں۔

کہا جاؤں گا سب کو کھا جاؤں گا۔ ایک کو نہ چھوڑوں گا۔ اس آواز کے ساتھ ہی اسی

تاریکی میں بجلی کی سی چمک ہوتی ہے۔ پھر دو بڑے انگارے آگے آتے دکھائی

دیتے ہیں۔

وہ آواز سنتے ہی سبکی لگا ہیں اور ہر ہی پہنچ گئی تھیں سب میرت اور خوف کی نظر سے

اس منظر کو دیکھتے تھے۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی اپنی ماں سے محبت گئیں۔ اور کچھ

جیت کچ خوف کی نگاہ سے ادھر بھی دیکھتی نہیں۔ ابھی کسی کے منہ سے کوئی آواز نہ  
 نکلی تھی کہ ان نگاروں کو اپنی طرف دوڑنے پکڑ کر قافلہ سالار مسلح جہان نے کچ خوف  
 زدہ آواز سے کہا۔ ارے یہ تو کوئی بھوت ہے۔ اور سب قافلہ والوں نے  
 اوس کی ہم زبان ہو کر اوس ہی ہجو اور آواز سے ہی کہا۔ اب رانیاں کچہم گئیں! بھوت  
 روتا شروع کیا مگر ان کی ماتے او نہیں اتلی دی اس سے وہ خوف زدہ نہیں ہوئیں  
 اس شور و غل کے جواب میں وہی آواز سے بادل وہیں گر جا بھلی بھلی اور یہ صدائی  
 بھوت نہیں ہیں۔ سب کو کھا جاؤں گا اور دوسرے ہی لمحہ میں ایک بڑی ہیکل  
 سیاہ جسم جو کم سے کم چار گز اونچا اور ڈیڑھ گز چوڑا ہوگا۔ اوس تاریکی سے نکھر قافلہ کی طرف  
 آکا کھلا آیا۔ اسو جھلمر سے باؤں تک سیاہ سمیت گئے جوڑے ہار اور ہاتھ

جن کی عنایت سے اس کی جلد بالکل کالا کمال معلوم ہوتی ہے۔ گنبد نما گول سر کے  
 دونوں طرف ہاتھی کے ایسے کان ہیں۔ ان کے بیچ میں سونڈ لٹک رہا ہے  
 سونڈ کے دونوں طرف بڑے بڑے موٹے سفید چھدار دانت اور سر پر دونوں  
 کانوں کی جڑ میں دو سرخ سینگ ہیں۔ ان سینگوں سے اس چہرہ کو ہاتھی کے نقشہ  
 سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے مگر بے سود۔ ہم اس سینگ والا ہاتھی کہہ سکتے  
 ہیں ہاتھی کا سانسہ بہاؤ کی طرح کھلا ہے۔ دونوں مضبوط خوب موٹے ہاتھ جن میں  
 شیر کے ایسے پنجے ہیں نیچے لٹک رہے ہیں اور سونڈ کے دونوں طرف مشک کے  
 نیچے دو بڑے بڑے انگارے دھک رہے ہیں یہ آنکھیں ہیں۔ شانوں سے  
 نیچے سینہ۔ پیٹ۔ کمر۔ دونوں گلوں اور باؤں کسی عضو کا پتہ نہیں چلتا۔ اوپر سے  
 نیچے تک بالکل ایک ڈال ہے۔ چاند رستوں سا معلوم ہوتا ہے ایسی حرکت  
 نہ ہوتی تو ہم ہی کہتے ہاتھی کا چہرہ کاٹ کر کسی سیاہ ستون پر رکھ دیا کیلئے۔  
 اسے دیکھتے ہی اوس مسلح جہان قافلہ سالار نے چلنے کے خوف زدہ آواز سے کھیا بھوت  
 نہیں یہ تو کالا دیو ہے۔

کالا دیو۔ (بادل کی گرج سے مشابہ آواز سے ہنسنے ہوئے) جو ہو ہو۔ اب  
 پہچانا۔

ہنسنے میں ایک امنہ کھل گیا۔ اس سے ہنسی کی آواز کے ساتھ ہی شعلے نکلے اور بجلی بجی



یہ سانس کبڑا ہستا اور چوڑا بجا کے ناپوتا ہے اور سب مرد و عورت خوف سے  
 بہت بے ارادگی طرف دیکھتی ہیں۔ دہشت سے لڑنے اٹھنا کو استہدایک کر دیا ہے کہ  
 چلیں ہی نہیں چلتیں انہیں ہل کی ہل کی رہ لگی ہیں اور منہ سے آواز ذرا بھی نہیں  
 نکلتی ہلکی بندھا کھیا زبان بند اور بے حرکت ہو گئی ہے۔ یہی حالت ان نادانوں کو  
 کی جا رہی ہے۔ خیر۔ ان کی یہی حالت غنیمت ہے ہم بھی حیرت ہے اس دیو کو دیکھ کر  
 ان سب کے گلے کیوں نہ پھٹ گئے۔ ایک ساتھ کلب مر کیوں مر گئے سب  
 زیادہ تعجب ان بھولی بھالی لڑکیوں پر ہے۔ یہ کیسے پیچ نہیں لکھیں کیوں نہ مریں باتک  
 یہ اس کالے دیو کو کیسے چپ چاپ دیکھ رہی ہیں۔ مگر نہیں سمجھتی کی کیا بات ہے۔  
 گنوا گنوا کٹر ٹرے مضبوطا بہت جری ہوتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی ان سے کم مضبوط  
 نہیں ہوتیں۔ خاص کر۔ گوجر۔ جاٹ۔ مواتی۔ ٹھاکر وغیرہ انکا بچہ بچہ بڑا بہادر بڑا سوار ماہوتا  
 ہے۔ یہ کسی موقع پر کسی سے ڈرنا جانتی ہی نہیں۔ یہ ہیک ہے گوارن سوار عورتوں  
 اور ان لڑکیوں کی بابت ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔ یہ بھی مانتے ہیں۔  
 یہ عورتیں کسی خرم کی ہوں۔ لب و لہجہ سے شہری معلوم ہوتی ہیں اور شہر کے آدمی  
 اکثر بڑے دل کے ہوتے ہیں۔ خاص کر عورتیں جو سناں لے کرے کا نام ہی نہیں  
 لیتیں ہمیشہ اسے رسی کہتی ہیں۔ اس دہم سے کہ جس جگہ اس کا نام لیا جاتا ہے وہ  
 ضرور حیاں موجود ہوتا ہے۔ یہ درست ہے مگر یہی مانی ہوئی بات ہے۔ کسی  
 خطرناک موقع پر دو ڈرے والے ہی لکھا ہو جاتے ہیں۔ ذرا ذرا سے بچوں کے  
 سہانے جملوں سے کچھ بات کر سکیں۔ بڑے بڑے خالی مکافوں میں پہروں  
 بیٹھی رہتی اور اندھا بھاری اور جہالی میں بڑے بڑے سنان خوفناک مقامات سے  
 بخوف گزر جاتی ہیں۔ اس مجھ جن عورتوں کے ساتھ بہت سے نڈر مرد اور چند  
 بے خوف عورتیں ہیں۔ جو اس دیو کے خوف سے ذرا بھی چلائیں انکی خاموشی نے  
 ان سوار عورتوں کے خوف کو بہت کم کر دیا۔ او نہیں خوب یقین ہے کہ یہ عودی  
 جو سب سے سلوک کر لگا اوس میں ہم ہی شرمک ہیں۔ پھر ناحق شور و غل کیوں کریں  
 اور شاید پیچھے چلانے سے وہ سب سے پہلے بھی کو ستائے۔  
 دونوں لڑکیاں بالکل نادان ہیں۔ انہوں نے اب تک اپنی ماس عمر میں کبھی ایسی کوئی

چیز کھنا کسا سنی ہی نہ ہو گی، شاید کما فیقنا وہ دیو کا نام ہی نہ جانتی ہوں گی۔  
 اوس کی صورت کا خیال ہونا وہ دور ہے جب وہ اس جسم کی مہارت نہیں تھیں  
 نہ انہوں نے اپنے سکھائے دور ڈر پوک بنانے والوں سے کہی کسی۔  
 کہانی میں بھی دیو کا نام سنا اور اوس سے ڈرنے کا سبق پڑا ہے۔ پہران کا  
 اس عجیب الحلقہ جاندار سے ڈر کر مرنا تا تعجب انگیز نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی  
 حالت میں کہ اون کی ساتھ اتنے بہت سے آدمی ہیں جو بظاہر اوس سے ذرا ہی نہیں  
 ڈرے۔ اور خود ان کی ما او سکون خوف دیکھتی اور انہیں بکھڑے کھائے بیٹھی  
 ہے۔ اونہوں سے دیو کا نام نہ سنا ہوتا اوس کی صورت ان کے خیال میں نہ ہوتی  
 تاہم اگر اوسے دیکھتے ہی اون کی ما او کے ساتھی سب یکا یک چلائے بچند  
 خوف کا اظہار کرتے تو ضرور وہ اس جسم کو جسے شاید ایک دہ دو پاؤں سے کھڑا  
 تاجی سمجھتی تھیں۔ کم از کم ہوتا سے زیادہ خوفناک سمجھتیں جس سے وہ بھی ضرور  
 ڈرائی لگی ہوتی۔ چاہے اوس کی خیالی اور ڈرائی شکل انہیں نہ بتائی یا کہانی لگی  
 جو وہ اس طرح ڈرتیں تو ضرور مر جائیں۔ یا شاید وہ کہی ہوتا سے نہ ڈرائی لگی ہوں وہ  
 حندی معلوم نہیں ہوتیں اور روئے اور حندی سمجھتے ہی ایسی خیالی چیزوں سے  
 اکثر ڈرنے لگتے ہیں۔ یوں ماں باپ انہیں زیادہ ڈر پوک بنانے کی کوشش کرتے  
 مگر نہ ناسکھتے ہیں

اس کے سوا کوئی اور جہان لوگوں کے نہ ڈرنیکی ہو تو ہمیں اوس سے سروکار نہیں۔  
 ہم یہ دیکھتے ہیں وہ اسی طرح ناجتا اور چھلنا کو دتا ہے اور سب اوس کی طرف بہت  
 حرکت اور خوف سے بدستور دیکھتے ہیں۔ وہ ناپچھنے ناپچھنے تک جاتا ہے تو تک  
 پہنچتا ہے کہتا ہے۔

یوں بتاؤ سب کے پہلے کسے کہاؤں۔

تاکلید الار۔ دست گزائی تقلید کا اشارہ کہ کے زمین پر سجدہ میں کہہ چو رہا ہے  
 ہر ان ہر دیکار دیکھنا تصور کیلئے ہیں کیوں سنائی ہو۔

سب کے سب اوس کی حالت کے میں لڑکیوں کی ماہی اپنے مڑوں سے  
 ہر سب کے میں اوس کی حالت کے میں لڑکیوں کی ماہی اپنے مڑوں سے

سب ساتھیوں کی شکر وہی الفاظ اپنی پیاری زبان سے ادا کئے۔  
دیو۔ ستا کیسا۔ میں تم سب کو کھا جاؤں گا۔

قافلہ سالار۔ دوسری طرح سجدہ میں گرے ہوئے، مجھے کیا گناہ کیا ہے۔  
دیو۔ گناہ ہو جیتے ہو۔  
قافلہ سالار۔ حضور۔

دیو۔ تم میرے باغ میں کیوں آئے۔  
قافلہ سالار۔ مہراج۔ مجھے آپکا باغ دیکھا ہی نہیں۔  
دیو۔ میں دیکھا نہیں۔

قافلہ سالار۔ ہاں مہراج۔ اپنی جڑوں کے سو گندہنے آپکا باغ نہیں دیکھا۔  
دیو۔ دھکا ہو کر ہیں۔ تم میرے قدموں کی قسم جھوٹا کھاتے ہو۔ اچھا۔۔۔۔۔  
قافلہ سالار۔ نہیں مہراج تم سچے ہیں اور سو گندہی۔۔۔۔۔  
دیو۔ کبھی نہیں۔ بالکل جھوٹ۔

قافلہ سالار۔ مہراج آپ جو چاہے سمجھیں۔ ہم۔  
دیو۔ ہاں میں تم جھوٹے ہو۔ اچھا بتاؤ تم کدھر سے آئے ہو۔  
قافلہ سالار۔ دوسرا شمار گزار مقام کی طرف اشارہ کر کے) ادھر سے۔  
دیو۔ ہو ہو ہو (ہنسنا ہے) یہی تو ہمارا باغ ہے۔

قافلہ سالار۔ ہم کیا جانتے تھے۔  
دیو۔ میں جانتے نہ جاننے کو نہیں پوچھتا تم ادھر سے آئے کیوں۔  
قافلہ سالار۔ مہراج ہکو تو معلوم ہوتا تو ہم ادھر منہ ہی نہ کر سکتے۔  
دیو۔ آہ نہ کرتے اور بات ہے تم ادھر سے آئے کیوں۔  
قافلہ سالار۔ رہو کے میں۔ اور یہ تمسکے خطا ہوئی۔

دیو۔ خطا ہوئی نہ۔

قافلہ سالار۔ بیشک۔

دیو۔ یہی گناہ ہے۔ میں اب میں تم سب کو کھا جاؤں گا۔  
قافلہ سالار۔ نہیں مہراج۔ ہمہ دیگر وہ ہماری خطا بخشدو۔

دیو۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔

قافلہ سالار۔ ہرگز انجان کی خطا خطا نہیں ہوتی۔ مہر دیا کرو۔

دیو۔ تم ادھر سے چپ چاپ چلے آتے ہیں تنگ غنیمت تھا تم نے سوار غل کر کے مجھے کیوں جگایا۔ میں بہت بے آرام ہوا۔

قافلہ سالار۔ ہرگز یہ بھی قصور ہوا۔

دیو۔ بس سزا دینے کے لئے یہی قصور بہت ہیں۔ اچھا تم سب آنکھیں بند کرو۔ میں ایک ایک کو کھانا شروع کروں۔ نہیں بند کرے تو لو۔

یہ کہو اوس نے زور سے چیخ ماری۔ آواز کے ساتھ اس کے منہ سے جگا۔ یاں نکلیں۔ دونوں ہاتھ سے تالی بجائی۔ اسکی آواز تو ب سے بھی زیادہ ہوئی اور تمام خیل میں ہواں گھٹ گیا اور اندھیرا ہو گیا کہ ہاتھ کو یا تھ نہیں سو جھٹا۔ اس خوفناک تماشے سے وہ لڑکیاں بہہ ہوش ہو گئیں۔ اور سب قافلہ والے چپ ہو گئے۔ گویا سب ایسے پیغمبر ہیں جنہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ دیو کی چیخ کے ساتھ چھوٹے بڑے دیو پچاس ساٹھ چھتیس مارنے اور چھلنے کو دئے آپہنچے۔ تار کی کے سبب ان کی صورتیں نظر نہیں آتیں البتہ آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کانے دیو نے انکو حکم دیا۔ ان سب کو ہمارے باغ میں لیجلو۔ انکے کباب بناؤ۔ ہم ابھی کہا نہیں گئے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ دھواں دُور ہو گیا تو اس جگہ کوئی نظر نہ آیا۔ اوس تنگ تار ایک مقام سے ہمارے والے فریاد سوار غل کی آواز۔ ذبح ہونے والوں کے گکے کی خرخر اہٹ۔ اور ہڈیوں کے چبچاپے جانے کی صدا سنائی دئی۔ تھوڑی دیر یہی کیفیت رہی پھر اوس جگہ پر ایک درخت کے نیچے سٹگتی ہوئی آگ سے ایک لڑا بھی اوس کی دھندلی دھندلی روشنی میں یہ ہوشربا تماشا نظر آیا۔

دیو اوس جگہ الاؤ کے سامنے ایک بڑے درخت کے نیچے زمین پر بالعمدی ماری بیٹھا ہے سب قافلہ والے سامنے بندھے پڑے ہیں۔ اور کچھ الاؤ کے ادھر ادھر پڑے ہیں۔

الاؤ کے گرد پچاس ساٹھ ریچھ بندر اور لنگور کے منہ والے چھوٹے چھوٹے دیو یا دیوئی جا بجا بیٹھی ہیں۔ ایک طرف وہ دونوں لڑکیاں بہہ ہوش تو نہیں آنکھیں

بند کئے پڑی اور طبی سائنس جلدی جلدی لیتی اڑیاں رگڑتی ہیں چند دیو پنی پنی خشتک  
 لکڑیاں توڑ توڑ کے لاؤں ڈالتے ہیں۔ وہ پڑا موذی کالا دیو ذرا دیر بعد بچا ریاں  
 لیے کہتا ہے "ابا ہا ہا۔ کیا فرے کے کیا ہتے اور لاؤ جلدی لاؤ پھر لڑکیوں کی  
 طرف دیکھ کے کہتا ہے۔ انکا گوشت ابھی بہت نرم ہو گا انہیں ابھی پنکھا دس گ  
 انہیں بالوں گا۔ اور جو یہ روئیں گے جلا میں گے اپنی ماکو یاد کر ایں گی تو ابھی کہا جاؤنگا  
 جوان ہو جائیں گے تو انکے کیا ہتے ابھی بہت نرمے کے ہوں گے۔ انکا گوشت  
 انکی ما سے اچھا ہو گا۔

خوف سے ادھ موئے رولکیاں یہ شکر آنکھیں کہو لدیتی اور ادھر ادھر دیکھتی ہیں منظر سے  
 دڑ کر جلدی سے پیر آنکھیں بند کر لیتی اور چلا چلا کے روتی ہوئی کہتی ہیں۔ ابا۔ ہا۔ ہا  
 اعد۔ ہا۔ ہا۔ اعد ہمارے ابا امی جان ہائے امی جان۔ ان سخت جان معصوموں  
 کی چراغ فریاد کی آواز جنگل میں گونجتی ہے۔ مگر ہائے ایسے سینے والا اہل دل  
 بیان کون ہے۔ البتہ جنگل کے درخت اُعلیٰ اس مضیبت پر اپنے پتوں کی ہاتھ  
 ملتے ہیں۔ پرند ہوا پر چھاتی پٹنے کا عالم دکھاتے ہیں۔ یا کہیں کہیں نیل گاؤں۔  
 پیتل بنے ہی زبان میں آئیں بائیں کر کے انکی بین میں ساتھ دیتے ہیں۔ کالا  
 دیو ان لڑکیوں کی آواز سن کر ایک چھوٹے دیو سے کچھ اشارہ سے کہتا ہے  
 وہ ان لڑکیوں کے پاس جا کر ان سے کہتا ہے۔ تم روؤ چلاؤ انہیں تم ابھی حلال  
 نہ کیجاؤ گئے اور روؤ گی اپنی ماکو یاد کر و گی یا اونکا نام بھولے سے ہی لونی تو ابھی  
 حلال کر کے کہا جائیں گے۔ لڑکیاں اوسکی ایک نہیں کھنٹیں۔ بدستور چلاتی روتی  
 جیتی ہیں۔ کالا دیو بہت خفا ہو کر اس دیو کو حکم دیتا ہے ہاں انہیں ابھی حلال کر ڈالو۔  
 لڑکیاں زور زور سے روتے ہوئے زمین پر ہاتھ پاؤں خوب رگڑتی ہیں دیو  
 انہیں اوتھا کے بچلتا ہے اور وہ بیہوش ہو جاتی ہیں دیو اپنی وحشیتانہ اصول  
 کے موافق بہر حکم دیتا ہے۔ انہیں ابھی ذبح نہ کرو۔ انہیں پوتن میں لٹنے کی تدبیر کرو  
 آنکھیں کہو لدیں۔ تب جبری انکے گئے۔ پچھلے دیو بیہوشی میں ذبح ہو گئی تو انکے گوشت  
 میں مزہ نہ رہے گا۔ اس حکم کی تعمیل فوراً کی جاتی ہے۔

بہت دیر میں ان دونوں نے آنکھیں کھولیں اور پیر دی خفتاک منظر دیکھا

دیو جوان دونوں کی تیمارداری کرتا تھا۔ اپنے افسر کالے دیو سے کہا۔ اب یہ دونوں  
 ہوش میں ہیں۔ کیا حکم ہے اس موذی درندے نے چپکے سے کہا مگر اس طرح  
 کہ دونوں کیوں نے بھی سن لیا۔ چپکے سے چھری اٹھاؤ اور ایک ساتھ دونوں کے  
 گلے پر اس طرح پھیر دو کہ چھری جھننے سے پہلے انہیں خبر نہ ہو چھری کو وہ نہ دیکھیں  
 نہیں تو پھر یہ ہوش ہو جائیں گی۔ مجھے پھر دیر تک انتظار کرنا پڑے گا؟ دو دیو چھری  
 لکڑی اس حکم کی تعمیل کے لئے اڑے۔ اڑنے لگے۔ دیو نے کہا۔ کچھ لمبے نہیں چلائے دو۔ یہ ہوش  
 نہ ہونے یا نہیں۔ جلدی کرو جلدی۔ دیو چھری لئے اونکی طرف جاتے ہیں اور وہ  
 دونوں روتی ہوئی بہت پر اثر لہجہ سے اس کالے موذی کی خوشامد کرتی ہیں۔  
 ہمارے اچھے دیو بابا ہمیں ذبح نہ کرو۔ ہم تمہارے صدر تھے۔ ہم تو تمہاری لڑکی  
 ہیں۔ مگر ادنیٰ کون سنا ہے دونوں دیو چھری لئے قریب پہنچ گئے ہیں وہ  
 سمجھو چپ ہو گئی ہیں قریب ہے کہ اس خوف سے بغیر ذبح کئے مر جائیں۔  
 ایسی حالت میں کیا ایک دہ قافلہ سالار جوان جو ایک ایک درخت کے نیچے بندھا  
 بڑا ہے چلا کے کہتا ہے۔ ہے لیا پیر سوامی مدد کرو۔ اسی دن کے لئے میں تمہاری  
 سیدہ کرتا تھا مائے تم اس وقت بھی کام نہ آو گے کیا تم میں کچھ ہی سرت نہیں ہے  
 ہائے کیا تم نام ہی کے پیر ہو۔ کیا یہ کہانی ہی ہے۔ سیکڑوں ہزاروں دیو تمہارے  
 تابع ہیں تم اس جگہ میں دوسرے اندھ ہو۔ ہے ہر مدد کرو۔ تمہارا ایک لڑکوں گا۔  
 تمہیں پہنچے دوں گا۔ ابھی اس کے یہ الفاظ ختم ہی نہ ہوئے تھے کہ انہیں گنجان  
 درختوں میں ایک طرف سے آواز آئی۔ کیوں پاپی بے ایمان۔ کیا کہتا ہے۔  
 ہمارے پیر ہمارے گرد میں سرت نہیں۔ سرت نہیں ہے تو ہم کیسے آگئے۔ اس بات  
 کی ختم ہوتے ہی ایک لانا ترنگا بڈھا جسکی سفید دلاڑی ناک سے ہی بجی ہے  
 ایک طرف آنا دکھائی دیا۔ یہ تمام بدن سے تنگا صرف ٹنگوٹا باندھے ہے۔ پیشانی پر  
 ترسول بنانا لگا ہے۔ ریاضت کے سبب بہت دبے جسم پر عمر کی بدولت ہزاروں  
 جھریاں ہیں باندھوں کی کہاں گوشت سے الگ لٹک رہی ہے۔ جنہرنا ہے  
 کی چند گول گنڈیری نما تھوٹے بندھی ہیں۔ سر پر سادھوں کا سا بہت بڑا جوڑا بندھا ہے

جسکی چوٹی پر ایک بڑا سا پتیل کا نقوید بندھا ہے۔ ایک ہاتھ میں کچھ کنکریاں دوسرے میں ماس کے دانہ ہیں۔

اس نے اس مجمع میں پہنچتے ہی۔ اُن دونوں چھری بند دیو بچوں کو جو راکیوں کو ذبح کرنا چاہتے تھے ٹھہر مار کے گرا دیا۔ ماس کے دانہ بڑھ کے اوس کالے دیو کی طرف پھینکے اور قافلہ سالار سے کہا۔ پیر فقیر کو یوں نہیں کہتے۔ تو نے دیکھا ہمارے پیر ہمارے گرو میں کتنا مست ہے۔ اچھا اُٹھ بیٹھ یہ کھرا اُس نے کنکریاں بڑھ کر اور دیووں کی طرف پھینکیں۔ اور کہا تم سب بھاگ جاؤ وہ چلے گئے وہ کاٹل شخص خوف زدہ راکیوں کو گود میں اوٹھکا اور قافلہ سالار کے پاس لے آیا۔ اوسکے ہاتھ پاؤں کھول لئے اوس کالے دیو کا اب یہ حال تھا ان ماس کے دانوں کے اثر سے وہ زمین پر لوٹتا اور چلاتا تھا ہائے مرا ہائے جیلا۔ ہائے میرے ہاتھ پاؤں سب جکڑ گئے۔ قافلہ سالار نے آزاد ہوتے ہی جلدی سے اوٹھکرا اوس کاٹل فقیر کے قدموں پر سر رکھ دیا فقیر صاحب نے اوسکی بیٹھ اور سر پر دست شفقت پیرا۔ اور سر اٹھائے سینہ سے لگا کے کہا بچا ایسا نہیں کہتے۔ اُن میں سے ہوتا تو وہ تمہاری کیسی سنتے مجھے تمہاری مدد کرنے کا حکم کیسے دیتے۔ میں اسوقت گنگا کے کنارہ گیان دہیان میں تھا کہ مجھے پیر گرو جہان جی کا حکم پہنچا۔ بس میں بیان پہنچا راکیوں کو پیار کر کے اب تم نہ گھبراؤ۔ یہ سب تمہیں ہمارے ماموں کے پاس پہنچا دیں گے راکیاں اب تک خوف اور حیرت کی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھتی تھیں یہ نشانی کی باتیں سکریکا ایک بلبل کے رونے لگیں۔ ہائے امی جان۔ ہائے ابا۔ اور دیو نے لوٹے ہی لوٹے پہر بہت ہی ڈراؤنی آواز سے کہا۔ اُنہوں نے پہرا پنی ماگو یا د کیا میں انہیں ابھی کہا جاؤں گا۔ راکیاں ڈر کر چپ ہو گئیں۔

فقیر صاحب۔ خواب ہی نہیں کہا جائیگا۔ تیری یہ مجال۔

ہاں۔ کہا جاؤں گا۔

آٹھ گھنٹے نکلا جلا دوں ابھی۔

دیو۔ ہاتھ جوڑ کے دہائی ملایا پیر کی۔

**فقیر**۔ اچھا قسم کہا اب ان لڑکیوں کو کہی نہ ستائے گا۔  
**دیو**۔ ہاں کچھ نہ کہوں گا نہ انہیں ستاؤں گا۔ مگر یہ بھی اپنے باپ ما کو کہی  
 یاد نہ کریں۔ جس جگہ یہ جلتے ہیں وہاں جو مرد ملے اسی کو اپنا باپ اور جو عورت  
 ہو اپنی ما کہیں۔

**فقیر**۔ اس میں نہ کیا بچ ہے۔  
**دیو**۔ میں نے انہیں کہا لیا ہے اب میں انکا نام ستا نہیں جاتا۔  
**فقیر**۔ اچھا یہ انہیں یاد کریں گے تو بچے کیسے خبر ہوگی۔  
**دیو**۔ یہ کہیں اور کسی وقت یاد کریں گے مجھے مزور خبر ہو جائیگی۔ مجھے ایک فقیر  
 نے بدو عادی تھی او سکا یہ اثر ہے میں جسکو کہا جاتا ہوں او سے اسکا کوئی عزیز  
 یاد کرتا ہے یا او سکا نام لیتا ہے تو میرے کلیجہ میں بہت زور کا درد ہوتا ہے۔  
 کہیں مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہوں۔ پھر میں اپنا مرنا کیسے پسند کر سکتا  
 ہوں۔

**فقیر**۔ ہم تجھے ابھی جلا دیں تو۔  
**دیو**۔ نہیں اب آپ مجھے نہ جلائیں گے۔ میں نے آجے پیر کی دیانی بولی ہے  
 مجھے خوب یقین ہے آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آج کو آجے گرو کی قسم مجھے  
 چھوڑ دیجئے۔

**فقیر**۔ (سنسنے ہوئے) مکار۔  
**دیو**۔ تو یہ کہی آپ نے مان باپ کو یاد نہ کریں۔  
**فقیر**۔ اچھا نہ یاد کریں گے۔  
**دیو**۔ میں اسی لئے جس آدمی کو کھاتا ہوں اُسکے سب کنبہ کا ناس کر دیتا ہوں  
 دنیا میں اسکا نام سوا کوئی نہیں چھوڑتا ہوں۔ سب کو ایک ساتھ کہا جاتا ہوں  
 مگر آپ آگئے۔ ہائے جلا دیں گے مرا۔ (ہاتھ جوڑ کر) یہ آگ تو بجھا دو۔ اور میرے  
 ہاتھ پاؤں کہو لندو۔ دیانی ملیا پیر کی میرے ہاتھ پاؤں کہو لندو۔

**فقیر**۔ (سکراتے ہوئے) تجھے کس نے یا نہ تھا ہے۔ اور کون جلاتا ہے۔  
**دیو**۔ تم نے مان چڑھ کے عجیبہ مادی تمہی یا نہیں۔



فقیّر ہاں۔

دیو۔ پر کیا پوچھتے ہو۔ ہائے ہائے جلا۔ دہائی ملیا پیر کی منجے کہو لدو۔ میری آگ بجھا دو۔ منجے اس سے بچا لو۔

فقیّر۔ تو نے اتنے بڑے پیر کا نام لیا ہے۔ کانوں پر ہاتھ رکھیں ہم تجھے کیا سزا دے گا۔ اچھا تیری ماگ کچھ گئی۔

دیو۔ اور ہاتھ پاؤں۔

فقیّر۔ ابھی نہ کہو نہیں گئے۔ یہ سب اسی مقام پر پہنچنا چاہیے گے تو خود بخود کہیں جائے گا رٹا کیوں سے بیٹھی اب تم اپنی ماگو ابھی یاد نہ کرنا مجھے اس سے قول اقرار کیا ہے دیو سے، ہاں ان رٹا کیوں کو روز یہ نقشہ مسٹرنگ ہمارا قول یاد دلایا جائیگا اس میں انکی ماکا نام ضرور آئے گا۔ تب دیو۔ ہائے منجے وہی تکلیف ہوگی۔

فقیّر۔ یہ کیسے۔

دیو۔ ہاں میں بھول گیا۔ جب تک ادسکا کوئی عزیز ادسکا نام نہ لینگا کچھ نہ ہوگا۔ کوئی اور چاہے جو کچھ کہے یہ نام نہ لیں نہ انہیں یاد کریں۔

فقیّر۔ (قافہ سالار سے) تم ان عورتوں کا قصہ اس طرح ہی کہو کہ انکو انکے بہائی نے بلا بھیجا اسی رات اُنکے گھر کے بہشتی نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ سب مال چھین لیا تھا راہ میں دیو نے انکے ماں باپ کو کہا لیا۔ اور جو کچھ معیت میں راستہ میں۔۔۔۔ اور اس کہانی کے بعد پیر کی نیاز دلائی جائے۔

قافہ سالار۔ میں ہر وقت انکے ساتھ کہناں رہوں گا۔

فقیّر۔ نہ سہی انکے ماں سے کہہ دیتا وہ یہ قصہ سن کر چار اقول یاد دلائیگا۔ (دیو سے) اور حرم یہ اپنے دل میں اپنی ماگو یاد کریں۔

دیو۔ تو تجھے نہیں۔

فقیّر۔ جب تک یہ سیانی ہوں روز بھی دستور رہے پر یہ خود اپنے دل میں چار اقول ہر روز یاد کر لیا کریں کہ کہی بھوئے سے بھی ہونگی زبان سے ماکا نام نہ نکلے بلکہ اسے یاد بھی نہ کریں۔ یاد نہیں یاد کر لگی تو اس دیو کو تکلیف ہوگی دیا وہیں ضرور

ساتھ چہرہ ہم اپنی قسم کے سبب کچھ نہیں کر سکتے۔

قافلہ سالار بہت اچھا۔ ایسا ہی ہوگا۔

فقیر (زور سے جلا کے) اچھا ہمارے سب آدمی آجائیں۔

اسی وقت ۶۰ مسلح جوان ایک طرف آئے۔

فقیر ان سب آدمیوں کو جو دیر سے بندھے پڑے ہیں کہو دو۔

قافلہ سالار اور چارے ٹٹو۔

فقیر ٹٹو اور سب گھڑیاں سب اسباب لے آؤ۔

سب نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اور فقیر صاحب دو چار قدم جنگل میں ہٹا۔

غائب ہو گئے۔ درختوں نے انہیں چھپا لیا۔ یا اپنے کراہنے کے زور سے

ہماری آنکھوں میں خاک ڈال گئے یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ انکے جانے کے بعد قافلہ

پھر روانہ ہوا اب اس کے ساتھ پہلے سب آدمیوں کے سوا باسٹھ جوان ہیں اور

دو پہلی عورتیں وہی ان لڑکیوں کی ماں بچا چاری غائب ہیں ان لڑکیوں کو دو اور

عورتیں ٹٹو پر لیکر بیٹھی ہیں آفتاب بھی نکل آیا ہے۔ مگر ابھی اونچا نہیں ہوا ہے تاہم

اوسکی روشنی ان گنجان درختوں میں کچھ نہ کچھ پہنچتی ہی ہے۔ ویسا اندھیرا نہیں

اب روشنی کے سبب قافلہ بہت جلد اس جنگل سے نکلے گا۔

پہو بچ گیا جہاں سے دیوان سب کو پکڑ لایا تھا۔

قافلہ بدستور چلا جاتا ہے۔ سب قافلہ والے اب اس میں باتیں کرتے ہیں۔ مگر اے وہ

دونوں محنت جہاں مصیبت زدہ لڑکیاں روسے مچلنے کی تھکان۔ لڑکیاں گڑبے

کی لذت مانگے غم اور ان حیرت انگیز خفتاک واقعات کی یاد سے حیرت اور تعجب

اور خوف کے سبب جب چاہا اس گردن دکھائے سر جھکائے۔ آنکھیں

ڈنڈا پائے ان عورتیں کی گود میں بیٹھی ہیں جو ان کی ماں کے عوض انہیں لئے بیٹھی

ہیں۔ سر جھکائے جھکائے گردن دکھ جاتی ہے تو منہ اوٹھا کر ادھر ادھر دیکھتی اور

سہرے کی ٹنگا پوں سے ہر ایک کا منہ تکتی ہیں۔ انکی انا ہم ان سوار عورتوں کو اور

کیا کہیں انہیں جبار نے اور بیاہ کر لی ہیں۔ تو کبھی کبھی دو چار آنسو انکے ڈنڈا پائی

آنکھوں سے گر پڑتے ہیں مگر منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ تھوڑی دور تک یہی حال رہا۔

پھر دو نواچی اپنی اپنی انا کے گود میں لیٹ گئیں تاکہ میں بند کر لیں۔  
 ایک آتا۔ دہنی لڑکی کا جسم ٹھوکر ہیں اسے تو بہت روز کا بچہ ہے۔  
 قافلیہ سالانہ۔ کلام۔

وہ صبر ہی کیا۔ اسے یہی۔

کتابت کا کتبہ ہو۔

دونوں کو بہت زور کا پتلا ہے۔

دوسری انا۔ ڈرگئی ہیں۔

یہ مرنے لگیں بھی بہت سمجھو۔

ٹوہری اٹھا، اب یہی کچھائیں تو غنیمت سمجھو۔ ابن ہجار یوں نے۔۔۔ تو یہ

میں نے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ سنا ہے۔

بھاری غافلہ سالار۔ بخار ڈر کے سبب آگیا ہے۔ کچھ ڈر نہیں۔ میں دعا کرتا ہوں۔

یہاں وہ بوٹی ملے تو۔

قافلہ سالار۔ وہی تو دو تین آدمیوں سے) تم بھی تلاش کرو۔

چھٹی انا۔ یوں کیا اکیس ہے۔ کیسا ہی بخار ہو خلق سے اُترتے ہی سینہ آیا۔ پھر بخار کہاں۔

دوسری اٹا، اس نے یہی کئی بار کی ہے۔ مگر یہ سننے کیسے۔

قافلہ سالار۔ - ان کا منہ کہو لکھنؤ میں ڈال دینا۔

پہلی آتا تو دنا دیر گھسٹھڑ جاؤ ملک دوتین روز متعام کر دو

دوسرا آنا۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ جلنے کے سبب۔۔۔

قافلہ سالار۔ ہاں نکان سے بخار زیادہ ہوگا۔ دو اکیا اتر کرے گی۔

پہلی اٹا۔ بھی تو۔

تفاتیہ سالار - اجواء

اکسپیرامی، آگے ٹھوڑے ہی دور پر بہت گہنے درخت ہیں۔

قافلہ لار۔ ہاں۔ مگر بانی دیں نہیں ہے۔ اور بانی سہارے ساتھ کاج

شام ہی کو ختم ہو جائے گا پھر۔  
 وہی ہمارا ہی۔ وہاں سے تین کوس پر ایک کنواں ہے۔  
 قافلہ سالار۔ راتنی دور۔  
 وہی ہمارا ہی۔ دور کیا ہے۔ اور ہوا کرے سب اپنی جھاگل پر لائیں گے  
 کیا ایک آدمی جلے گا۔ آخراں بھی ہر شخص اپنے لئے خود ہی پانی لاتا ہے  
 اور ساتھ رکھتا ہے۔  
 قافلہ سالار۔ اچھا وہیں ہڑ جائیں گے۔  
 ایک اور ہمارا ہی۔ ایک بوٹی میں ہی جاتا ہوں۔  
 قافلہ سالار۔ کیسی۔  
 وہی ہمارا ہی۔ ادسی بنی ملکر بخار والے کے کان میں اسکا عرق ڈالو۔ کیسا ہی  
 بخار ہو فوراً جا رہا ہے۔  
 قافلہ سالار۔ آ زما ہی ہے۔  
 وہی ہمارا ہی۔ سیکڑوں بار۔  
 قافلہ سالار۔ تو اسے ہی تلاش کرو۔ میں ہی اپنی بوٹی ڈھونڈتا ہوں۔  
 ایک انا۔ یہ دونو گرئیں تو۔  
 دوسری انا بہت بڑی ہوگی۔  
 پہلی انا۔ نیکی برباد گنہ لازم۔  
 دوسری انا۔ اور کیا۔  
 وہی بوٹی تلاش کریو والا ہمارا ہی۔ ابا ابا۔ ذہ تو ہمیں راستہ پر مل گئیں۔ یہ روکیا  
 مرینگلی نہیں۔  
 انا۔ لاؤ۔  
 ہمارا ہی۔ ریتی ملکر دینے ہوئے، اسکا عرق کان میں ابھی طرح بہت سا ڈال دو  
 دیر تک کان میں رہے گرنے نہ پائے۔  
 انا۔ بائیں کان میں یا دایہ کان میں۔  
 دوسری۔ یا دونوں میں۔

ہمراہی۔ نہیں بس ایک کان میں جس میں جی چاہے۔

انا۔ اور جو دونوں میں ڈالیں۔

ہمراہی۔ اور بھی اچھا۔

انا۔ جلدی فائدہ ہوگا۔

ہمراہی۔ ہاں۔ مگر نہیں۔ گرنے ہی کے خیال سے ایک کان میں ڈالتے ہیں جو کان اوپر پوتا ہے اس میں۔

انا۔ اچھا ہم بھی ایک ہی میں ڈالیں گے۔ کتنی دیر تک نہ گے۔

ہمراہی۔ تھوڑی دیر میں خود سوکھ جائیگا۔

انا۔

وہی ہمراہی۔ انہیں دو ایک جھینکلیں آئینگی پھر پسینہ خوب آئے گا اور بخار اتر جائیگا۔

اس ندرت میں کامیابی ہوئی۔ کانوں میں عرف ڈالنے کی ذرا دیر بعد دونوں کو چار باغ جھینکلیں آئیں اور پسینہ آنا شروع ہو گیا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے بخار بالکل اتر گیا۔ دربا کی مائے قافلہ سالار سے کہا، بخار تو اتر گیا مگر اس نے ابھی آنکھ نہیں کھولی۔ ویسی ہی بیہوش پڑی ہے۔

دربا کی انا۔ اور یہ بھی۔

قافلہ سالار۔ بخار اتر گیا۔ بالکل۔

دونوں بالاتفاق۔ ہاں۔

قافلہ سالار۔ تو یہ بیہوشی نہیں ہیں۔ غینہ ہے۔ سوئے دو۔ جگانا نہیں۔

دربا کی انا۔ جلدی سے مقام پر پہنچ جائے تو انہیں آرام ملتا۔

قافلہ سالار۔ اب بھی ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔

دربا کی انا۔ کیوں نہیں۔

دربا کی انا۔ کم سے کم ایک رات تو انہیں بخار کے اثر جانے کا کیا اعتبار

اور جو چلنے کے سبب بہر آجائے۔

دربا کی انا۔ اور کیا۔ اور اتنی ہی دیر میں یہ جانی ہو جائیں گے۔ پھر بکھلے

چلے جانا۔

قافلہ سالار۔ اچھا۔ چلتے چلتے ایک بون بھانپا کہ اس وقت خوب مل گئی۔

راہنے ساتھی سے اسے اکھاڑ لو جتنی ملے۔ (اُن سے) تم ہی بھانپا اور استر میں

دیکھتے جانا یہاں ملے اکھاڑ لینا بہت اچھی دوا ہے۔ اس کے پینے سے ...

وہی ساتھی۔ (بون اکھاڑنے ہوئے) یہ تو گویا ہے۔

قافلہ سالار۔ تم ہی اسے پہچانے ہو۔

وہی ساتھی۔ ہاں اچھی طرح۔

قافلہ سالار۔ اور اسکا فائدہ۔

وہی ساتھی۔ خوب جانتا ہوں۔

قافلہ سالار۔ ہم ہی نہیں۔

وہی ساتھی۔ ستر روگ کھوتی ہے۔ مجھے میرے گرد یا بارام داس نے بتائی

تھی۔

قافلہ سالار۔ کون رام داس۔ ایہ۔ بابا کشن داس کے چیلے۔

وہی ساتھی۔ ہاں وہی اگر تم نے انہیں کہاں دیکھا۔

قافلہ سالار۔ بابا کشن داس ہمارے گاؤں کے قریب مڈی کے کنارے

موتوں رہے ہیں۔ پہلے وہیں دیکھا تھا۔

وہی ساتھی۔ رہے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم۔

قافلہ سالار۔ جب ہم تھوڑے سہجے۔ کوئی بارہ تیرہ برس کے ہو گئے۔ ہم گاؤں

پر آئے اور پھر جاتے۔ تھے لاکھنؤں (ان کے پاس بیٹھے تھے۔ وہیں انہوں نے رام داس

کو سوتا دیکھا۔ رام داس کا اصل نام تھوکی ہے۔ ملت کے گہوار ہیں۔ ہمارے گاؤں

سے دس کوس باہر دور ہے وہیں انکا گھر تھا۔ ان کے باپ ہاں سب لکھنؤ

ہم لوگوں کی خدمت کرتے تھے یہ ایسی ہوتی۔

وہی ساتھی یہ مجھے خدمت لینے ہیں۔ سچ۔ یہ جات بات نہ پوچھے کوئی

پر کوئی سوجھ بوجھ نہ ہوئی۔

قافلہ سالار۔ سچ ہے۔ بابا کشن داس جی ہمارے گاؤں سے چلے گئے تو ہم نے

انہیں ایک بار پیش کر دیں، دیکھا۔ بابا راجہ اس جی ساتھ ہے۔ ہم انہیں کیا پہچانتے  
ان دونوں نے پہچان لیا۔ سب بتائی۔

وہی ساتھی، ان لوگوں کا وہاں ہے تو غضب کا ہوتا ہے۔  
قافلہ سالار۔ بہرہ۔ یہ علی گڑھ کے قریب گنگا جی کے کنارہ راج گھاٹ کے  
پاس ہے۔ وہاں بہت سارے دن تک ساتھ رہا وہیں بابا کشند اس جی نے یہ بوٹی  
مجھے بتائی۔

وہی ساتھی، بوٹی کیا اکیر ہے۔ وہی غار جو بڈیوں میں پیوست ہو گیا ہو۔  
کہو دینی ہے اور بجائے کتنے روگ۔

قافلہ سالار۔ ہاں۔ اسکے پینے سے بھوک بھلتی ہے۔ کہنا نا خوب فہم ہوتا ہے۔  
خون بڑھاتی اور صاف کرتی ہے۔ بابا کشند اس جی کہتے تھے یہ ترکیب اور بہتر  
کے ساتھ پی جائے تو کوڑا بھی جاتا رہے۔ اسے تیل میں جلا کے زخم پر لگا دیکسی  
ہی نہ ہر پٹی تلوار یا رچی کا زخم ہو بہت جلد ہی اچھا ہوتا ہے۔

اتنی دیر میں جس جگہ وہ بوٹی نظر آئی۔ قافلہ سالار کے حکم سے اوکھاڑ لئے گئے۔ قافلہ  
سالار۔ نئے دووانا سے کہا۔ یہ بہت سی جمع ہو گئی ہے راستہ بہراں دونوں کو صبح  
شام دو چوں وقت گھوٹ کے پلانا۔ بخار پاس ہی ڈالے گا۔

وہی ارفیق۔ اسکے پینے سے طاقت بڑھتی ہے۔ آدمی ایسا جان رہتا ہے کہ  
کوئی غم پاس نہیں آتا۔ طاقت کا یہ حال ہوتا ہے کہ خود بخود اچھلنے کو دے نہ کو جی  
چاہتا ہے۔

ایسی ہی باتیں کرتے سب چلے جاتے تھے کہ دونوں رکیوں نے آنکھ کھولی بانی  
مانی۔

قافلہ سالار۔ خالی بانی ندو۔

ایک انا۔ بھجڑ۔  
قافلہ سالار۔ گوامی دو تین تہی بانی میں نکلے جلا دو۔

وہی انا۔ ابھی۔

قافلہ سالار۔ کیوں کیا ہوا۔ ہج کیلے ہے۔

وہی انا۔ کچھ نقصان نہ کرے۔

قافلہ سالار نہیں۔ یہ نقصان تو کرتی ہی نہیں۔

دونوں روکیاں اٹھ بیٹھیں۔ وہ جی ادھی طرح پیادی گئی۔ اور قافلہ بدستور رواں رہا۔

اب جس جگہ قافلہ چل رہا ہے وہاں راستہ کے بائیں طرف اُس سے بالکل ملا بہت

گہنا جنگل ہے جسکے کچھ شقوق درخت ایسکے واسطے طرف بھی جا بجا سپر سایہ کئے

ہیں۔ انکے بعد دور تک صاف میدان ہے جس میں کہیں کہیں دو دو چار چپار

متفرق جنگلی درخت ہیں مگر وہ اسے نیچے ہیں کہ آدنی کو چبا نہیں سکتے۔

قافلہ سالار نے چلتے چلتے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے یکا یک اس واسطے بازو پر

اُسے صاف میدان میں دو ایک شخص کو اپنی طرف آتا دیکھا۔

قافلہ سالار۔ (اپنے رفیق سے) یہ کون ہے۔

ایک رفیق۔ کوئی مسافر ہے۔

قافلہ سالار۔ اکیلے مسافر کا کیا کام۔

دوسرا رفیق۔ بیشک اکیلے آدنی کا یہ راستہ نہیں ہے۔

قافلہ سالار۔ اور مسافر ہوتا تو ہماری طرف کیوں آتا۔ اپنے راستہ راستہ جاتا۔

تیسرا رفیق۔ راستہ تو یہی ہے۔

قافلہ سالار نہیں۔ جس جگہ سے یہ ادھر خرابو گا وہی وہ سامنے کر دے۔ گے

بن کے پاس سے۔ وہاں سے اکیس پگڈنڈی سیدھی آگے کو بہت دور تک

جلی گئی ہے کوئی دو تین کوس پر اس راستہ سے ملی ہے۔ کر دے گا میں یہاں سے

دو میل سے کم نہیں ہے۔ پھر اتنی دور چلکر اس راستہ پر آتا۔

چوتھا رفیق۔ ادا یہ راستہ ذرا ابھرا ہے۔

وہی تیسرا رفیق۔ اور کیا۔

وہی پہلا رفیق۔ ابھر کوئی گھاؤں بھی نہیں ہے۔ جس میں یہ جاتا ہو۔

قافلہ سالار۔ یہ راستہ بہت خراب اور خچا پنچا ہے۔ دور تک اس کے پاس کوئی گھاؤ

نہیں ہے۔ اس پگڈنڈی پر برابر تھوڑی تھوڑی دور پڑا دی ہے کچھ نہیں ادھر

کھیت اور باغ ہیں۔



پانچواں رفیق۔ کچھ ہی انیس وہ اکیلا ہی ہے اور خجل کا سناٹا۔ بچارے کا  
جی گہرا گیا۔

چھٹا رفیق۔ بیشک اور ہکواس راستہ پر دیکھ کر ہر جلا آیا۔  
وہی پانچواں رفیق۔ انکے ساتھ میں جی بھلیگا۔ کچھ نہیں تو باتوں ہی کا سہارا ہے  
ساتواں۔ ساتواں شاید متبا کو طلب ادھر لئے آتی ہو۔

قافلہ سالار۔ ایسے اکیلے چلنے والے ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔  
آٹھواں۔ شاید کوئی۔۔۔۔۔

قافلہ سالار۔ ہی ہے تو۔

نواں۔ تو غور رائے مجھے کوئی بلا ہے۔ یہ خود بخود ہماری طرف نہیں آتا۔  
دسواں۔ پھر کیا کریں۔

وہی نواں جلدی جلدی چلو۔ کسی اچھی جگہ۔

قافلہ سالار۔ نہیں۔ اہ جب ہی ہے۔ تو ہمیں ڈٹ کے مقابلہ کریں گے۔ خوب  
ہتھیار ہو گا۔ اور کیا مجھے بھڑا کیا آسان ہے۔ دیکھو وہ ہمارے ہی طرف  
جلدی جلدی چلا آتا ہے۔

پہلا رفیق۔ ہاں جس جگہ کوئی درخت بیچ میں آ جاتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے اور  
نگاہ ہماری ہی طرف ہے۔

انہیں باتوں میں وہ آبیوالا اس قدر قریب آ گیا کہ اس کی صورت وضع اور تیور اب  
دور بین نظر اچھی طرح دیکھ سکتی ہے۔

قافلہ سالار۔ تیر تو بڑے نہیں ہیں۔

ایک رفیق۔ ہاں۔ مگر ہیں توئی رسیا جوان۔

دوسرا۔ کیسے کچھ۔

تیسرا۔ خوبصورت سبیلہ جوان ہے۔ دیکھو اس کا رنگ دھوپ میں کیا  
کندن سا چمکتا ہے۔

چوتھا۔ قد کا پورا ہے۔ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں۔

قافلہ سالار۔ ہاں اور عزم کے بیٹے میں ہوگی وضع تو دیکھو۔

پانچواں۔ بڑے شوقین جوان ہیں۔  
 چھٹا۔ داڑھی خوب چڑھی ہے۔ مونچھیں کیسی اچھی ہیں۔ اور انہیں کیا ہی  
 خوبصورتی سے بل دیا ہے سیاہ گولی سی ہو گئی ہیں۔

وہی پہلا۔ ایسے ہی مونچھوں بزرگ جاتا ہے۔  
 وہی چھٹا۔ اُہ۔ سنارور۔ یہ بھی اک بات ہے۔  
 ساتواں۔ سر پر دوپٹہ کیسا بندھا ہے۔ انگر کہا کتنا حسیت ہے اور چوڑی دار پاجا  
 تو بندلیوں میں چپکا ہوا ہے۔

قافلہ سالار۔ انگر کہہ کے گہر دار دامن ہوا میں ہزار ہر گے غم دکھا رہے ہیں۔  
 دہی ساتواں۔ یہ دلی کی وضع ہے۔ کتنا بچا اور گہر دار ہے۔  
 وہی چھٹا۔ چولی تک کیسا اوتار چڑھاؤ ہے۔ اور ایک زوال سے  
 کہ کس انداز سے باندھی ہے۔

قافلہ سالار۔ یہ اُسکے جسم کی خوبی ہے۔ آدمی بہت سمیلا ہے۔ دیکھو سینہ  
 کتنا چڑا ہے اور کس کس خوبصورتی سے کرتاک تھوڑا سموڑا کم ہوتا جلا گیا  
 ہے۔ بازو کیسے ہرے ہرے کسرتی جوانوں کے ایسے ہیں گندھے کیسے خوبصورت  
 ہیں۔

وہی چھٹا۔ ہاتھوں میں بہت سی انگوٹھیاں ہیں۔ بڑے بڑے شوقین  
 جوان ہیں گاندھے سے ایک طرف ایک بیک بھی پڑا ہے دوسری طرف  
 کوئی گلاب ہے۔

وہی ساتواں۔ اور گلابی دوپٹہ گٹا لگا بغل میں نہیں دیکھتے۔ اور بڑی بڑی  
 انگلیوں میں خوب گہلا ہوا سرمہ بھی تو دکھائی دیتا ہے۔  
 وہی چھٹا۔ یہ تم دیکھتے ہو۔ ہماری نگاہ اتنی نہیں ہے۔ تم گد ہو گد۔  
 وہی ساتواں۔ تو یہ مردار ہے۔

قافلہ سالار۔ بیشک۔  
 وہی چھٹا۔ نہیں تم کیوں دیکھتے اور وہ ہماری طرف کیوں آتا یہاں آتا ہے  
 تو مرنے سے پہلے ہی ہر کچا سمجھو۔

قافلہ سالار۔ مرہ نہیں آنکھوں میں کامل معلوم ہوتا ہے (چپے، رفیق) نہیں نظر نہیں آتا اور ناک کیسی خوبصورت ہے اس کتابی نقشہ پر یہ نوکدار سوتوں ناک نہ ناک سجھائی گئی ہو ٹھنڈی تپتے ہیں دہانہ چھوٹا ہے۔ آدمی بہت خوبصورت ہے اور ہونٹوں میں گھوری بھی دلی ہے

وہی چھٹا۔ پان کا شوق بہت ہے۔ وہ دیکھو رونا لکڑی سے اوتا رہا ہے۔ نکلوریدان بند ہونگا ہاں۔ وہ گھوریدان کیونکہ پان لکھایا۔ اب تو بہت قریب آگیا ہے اور اس اچھی طرح خوب عورت سے دیکھتا ہے۔

وہی ساتواں۔ لکھتیاں سب سوختی ہیں۔ اور گلی میں انٹرفیوں کا کھٹلا پڑا ہے۔ کھٹلا میں انٹرفیاں کتنی ہیں۔ یہ تو سو سے کم نہ ہونگے بڑا کھٹلا ہے اور دوہری لڑکی ہیں۔

قافلہ سالار۔ کوئی پاگل ہے۔ یہ۔ استہ اور یہ سامان۔ ہمیں پہلے جو شبہ ہوا تھا وہ نہیں ہے۔

وہی ساتواں۔ اکیلا آدمی یہ رفیس اور یہ ننگل۔

وہی آٹھواں۔ اور پھر نہتا۔

نواں۔ ذرا دیر نہیں ٹھہراؤ۔

قافلہ سالار۔ کیوں۔

وہی نواں۔ اُسے آجائے دو۔ دو دو باتیں ہو جائیں۔

دسواں۔ اور اسکی یہ سب رفیس پر کھائیں پھر چلیں۔ اب بیچارہ لکھتا ہے تو دہنی کیوں چلا جائے۔

قافلہ سالار۔ نہیں۔ وہ خود ہی آجائے۔ چلا تو آتا ہے۔ وہ چار قدم پر مل ہی جائے گا۔ اور دیکھو تم اُسے پہلے نہ پھیرنا۔ کیونکہ اسنے چاہئے تھا کہ وہ دوہم اس وقت اور کام پر ہیں۔

گیارہواں۔ اچھا۔ مگر۔۔۔۔۔

قافلہ سالار۔ اگر تم کہہ نہیں سکتے تو کہیں وہی۔

سب بالاتفاق۔ (بہت خوب)

اتنی دیر میں وہ حجام ان سب کے پاس پہنچ گیا۔  
وہی حجام۔ (قافلہ سالار کی وضع سے اویسہ گردہ کا سردار جانکر بٹھا کر صاحب  
بندگی۔)

قافلہ سالار۔ بندگی فاضل صاحب۔

قافلہ سالار کا ایک رفیق (چٹکے سے) ہیں۔ پہلے کی ملاقات نکل آئی۔

دوسرا۔ (چٹکے سے) ہاں سلام تو اسی ڈھنگ سے ہوا ہے۔

وہی حجام آگے آدمیوں کے پاس دیا سلائی بھی ہوگی۔

قافلہ سالار۔ ہاں ہے۔

فاضل صاحب۔ میں نے دیر سے حقہ نہیں پیلے ہے۔ دیا سلائی میرے پاس نہیں ختم  
ہو گئی۔ میں نے آج کو بہت دور سے اس راستہ پر جانے دیکھا۔ سوچا۔ بہت سے  
آدمی ہیں مزدور کسی کے پاس دیا سلائی ہوگی۔

قافلہ سالار۔ (لکیر رفیق سے) ذرا چلم بہرو۔ (فاضل صاحب سے) چلم بہری جاتی ہے  
بیچئے اور دیا سلائی بھی لے لیجئے۔

حجام۔ بندگی سچائی اس عنایت کا شکریہ۔

قافلہ سالار۔ آپ کہا منے آئے ہیں۔

حجام۔ یہاں سے قریب لکھو کھیرا ایک گاؤں ہے۔

قافلہ سالار۔ جی ہاں۔ جہاں دانا کریم شاہ باہر رہتے ہیں۔

حجام۔ وہی۔ میں انہیں کی قدم تو مٹی کے لئے گیا تھا۔ اب اہمیر شریف  
جانا ہوں۔

قافلہ سالار۔ وہاں کچھ کام ہے یا خواجہ صاحب کی زیارت۔

حجام۔ اور نہیں کی زیارت کے لئے۔

قافلہ سالار۔ آج کا مکان۔۔۔۔۔

حجام۔ مکان کہیں ہو تو بتاؤں میں فقیر تو ہوں نہیں فقروں کا غلام ہوں

انہیں کی تعلیم اختیار کی ہے۔ سیاحی بہرہ بانڈی ہے۔

قافلہ سالار۔ یہ لکھئے۔ مگر سیاحی۔ دنیا دار سی سے میر ہے۔

خان صاحب۔ بیشک۔ مگر میرے سردنیا کا کوئی کبیرا مچھڑا نہیں ہے۔ شادی کی  
 ہی نہیں بس ماں باپ مر گئے۔ اپنا اکیلا دم ہے اسے سارے جہان میں  
 لئے پھرتا ہوں۔ چلم بھر کر آئی خان صاحب نے جیب سے چھوٹا سا نایاب نکل  
 بگڑے سے پہلے چلم دینے والے سے کہا ہمیں فدا سلگاکے دو۔ اُس نے دو چار  
 دم لگاکے دوسرے اپنے ساتھی کو دیدی اور اس نے بیکر خان صاحب کو دہی غللی  
 صاحب نے چلم لیتے وقت بہت غور سے اس کی طرف دیکھ کر گردن ہلاتی رہی  
 سے کہا ہوں۔ اس چلم دینے والے نے نیچے آنکھیں کر لیں اور اسکا منہ دہواں  
 دہواں ہو گیا۔ مگر پھر بہت جلد اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔  
 خان۔ دھاکر صاحب سے آپ کہاں جائیں گے۔  
 دھاکر۔ (دو ہی قافلہ سالار) یہیں قریب ہی۔ دس کوس پر ایک گڑوں  
 وہاں برسات میں جاتے ہیں۔

خان۔ درست۔  
 دھاکر۔ جیسے جانیکا میرا راستہ آپ نے کیوں چھوڑا۔  
 خان۔ سید باخوئی راستہ ہے۔  
 دھاکر۔ ہاں میں بھول گیا صاحب راستہ کیوں چھوڑا۔ یہ راستہ بہت غراب ہی  
 بالکل خشک۔ قدم قدم پر پھاڑیاں خاں۔  
 خان۔ یہ بھی دیکھنے کی چیزیں ہیں صاف راستہ میں یہ سیر۔ یہ لطیف کہاں  
 اس راہ کی ہر چیز قدرت کا نمونہ ہے۔  
 خان۔ سارا سال۔ بیشک سگڑیں راستہ میں ڈر ہی ہے۔  
 خان۔ کیا۔ (دھاکر بیٹے اور اس شخص کو گھور رہے ہوئے) کسکا ڈر۔  
 قافلہ سالار۔ سارا خشک شیر خندو سے بہتر ہے۔ یہ کچھ سے بہتر ہے۔  
 خان۔ اے۔ یہی کوئی چیز ہیں۔ ان سے ہی لوگ ڈرتے ہیں۔ دھاکر  
 صاحب یہ بھی خدا کی مخلوق ہیں۔  
 دھاکر۔ درست مگر آپ کیلئے ہیں اور بالکل نئے۔

خان۔ اکیلا تو نہیں ہوں خدا ساتھ ہے۔ اور نہتے کی پوجھو تو میں خالی ہاتھ  
 ہی اپنے اپنے مسلح جوانوں سے اچھا ہوں۔

ٹھاکر۔ یہ کہئے۔  
 ٹھاکر کا ایک رفیق۔ اس شکل میں اکثر ڈاکو پھرتے ہیں۔  
 خان۔ پھر کریں۔ ہمارا کیا کریں گے۔

وہی رفیق۔ کیوں نہیں۔ آپ خالی ہاتھ ہیں۔ اکیلے ہیں۔  
 خان۔ ٹھیک مگر ہم سے کیا لیں گے۔

وہی رفیق۔ مال تو آپ کے پاس بہت ہے دگلی کی گٹھری کی طرف اشارہ کر کے  
 بڑی رقم تو یہی ہے اور یہی کچھ ضرور ہو گا۔

دوسرا رفیق۔ انکو ٹھہرا لیں ہیں اور کمر میں جو کچھ ہو۔

خان۔ کمر میں کچھ نہیں ہے اس بیک میں ضرور کچھ نوٹ دو چار عمدہ  
 قیمتی ٹکینے ہیں۔

وہی دوسرا رفیق۔ انہیں کوئی جہین لے تو۔۔۔

خان۔ کیسے۔ ہکو مارے بغیر بہت مشکل ہے۔  
 قافلہ سالار۔ آگیا مار ڈالنا کیا مشکل ہے۔

خان۔ قہما کی بات ہے اور سہے ویسے تو عمار امارنا بہت ہی  
 دشوار ہے۔

قافلہ سالار۔ بغیر قہما کوئی نہیں مرنے۔

خان۔ درست۔ مگر ہر ایہ مطلب یہ تہا جب تک میرے ہاتھ پاؤں میرے  
 قابو میں ہیں مجھے کوئی آدمی مار نہیں سکتا۔

قافلہ سالار۔ کیوں آپ۔ ان خالی ہاتھوں سے کیا کریں گے۔

خان۔ کیا بتاؤں۔ وقت پر سب معلوم ہو سکتا ہے (اوس جگہ دے دے  
 کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے) ٹھاکر صاحب۔ ہم ایک خیر آپ سے مانیں گے  
 وہ یہ مجھے گا۔

قافلہ سالار۔ (بے تامل جلدی سے) ضرور

خان۔ ہمارا یہ چور ہمیں دیدتے تھے۔ ہم اسے سزا دیں گے۔

قافلہ سالار۔ چور کیسا۔ ہمارا یہ آدمی اکیلا چور ہے۔

خان۔ جی ہاں۔

قافلہ سالار۔ اس نے کہا کہ کس طرح کیا چوری کی۔

خان۔ بار سال آج ہی ہم اہلس شاہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے تھے۔

میں روز اعلیٰ خدمت میں رہے لوگتے وقت یہ حکو راستہ میں ایک کہیت پر ملا۔

ہم اس وقت بہت پیاسے تھے اس سے پانی مانگا۔

قافلہ سالار۔ اور اس کے پاس پانی تھا۔

خان۔ یہ لوٹا ڈور لئے کنوئیں پر کہیت کی منہ کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے

پانی کے عوض ہم پر وار کیا تو اس کے پانی سے موت کے گھاٹ ہماری پیاس بجھانیکا

ارادہ کیا مگر بچارہ کا بس نہ چلا مجبور ہو کر ہمارا غلام ننگیا۔ ہمارے ساتھ چلا ہم ایسے

سیدھے کہ اسنے دھوکے میں آگئے۔ اسے لے لے کر اس نے دوسرے دن ہمیں

معلوم کیا پھر پانی میں ہمیں دی ہم بیہوش ہو گئے۔ اس نے ہماری بہت سی

انگوٹھیاں۔ بیک سے کچھ روپیہ لے لئے اور اپنے گمان میں بھوار کے ایک

اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔

قافلہ سالار۔ کہاں۔

خان۔ ہم شکر جاتے تھے راستہ میں۔

قافلہ سالار۔ آپ اب اسے لیکر کیا کریں گے۔

خان۔ سزا دیں گے۔ اس نے بڑی بے ایمانی کی۔ اور بہت بزدلی

سے بھوک زخمی کیا۔

قافلہ سالار۔ آپ اسکو کیا سزا دیں گے

خان۔ اور کچھ نہیں۔ ہم ان کے دونوں کان ناک ایک ہاتھ کاٹیں گے

وہ ہاتھ جس نے ہم پر تنوارا ناڑی بن سے جلایا تھی۔ اور اس کی پشانی پر اپنی

غلانی کا دایع لگا دیں گے۔

قافلہ سالار۔ کیسے۔

خان۔ اپنی لوسے کی ہر گرم کر گئے۔  
 قافلہ سالار۔ مگر یہ آپ کو مل جائیگا۔ آپ اسے گرفتار کر لیں گے۔

خان۔ ہاں۔ آپ اجازت دیدیں تو۔  
 قافلہ سالار۔ ہمارا آدمی ہے۔ ہم کیسے اجازت دیں گے۔ (درا تکی ہو کر) اجازت  
 کیسی۔ یہی غنیمت سمجھئے۔ اپنے انہی باتیں اسکو کہیں اور ہم چپ چاپ  
 سنتے رہے۔

خان۔ نہیں آپ کیا کرتے۔  
 قافلہ سالار۔ کرنے کو کیا ہے۔ ایک آدمی سے کہدیتا وہ دو تین گھوڑے  
 مار کے آپسے یہ سب چیزیں چھین لیتا اور خود آبی ناک کان کاٹ کے یہاں  
 بھگا دیتا۔

خان۔ دہشتے ہوئے) درست ددرا اثر مارا ایک آدمی تو کیا مٹا رہے  
 یہ سب آدمی تھے ہیں اور۔ بڑے تیغ بہادر تم سب بھی مبرا کہ نہیں کر سکتے۔ اے بے گناہ  
 اس ہر دوسرے رہنما میں نہتا ہوں یہ ہاتھ ہی تلوار کا کام دیتے ہیں۔ تلوار کون باندھے  
 بوجھ کون اٹھائے ہم یہ جانتے تھے تو اس نے ایسا بوجھ دے سے زیادہ  
 بوجھ دیا ہے۔

خان۔ قافلہ سالار۔ (اپنے ایک آدمی سے) دیکھتا کیا ہے۔ ایک تھپڑ کے سب  
 چھین لے۔

وہ آدمی بہت جوش کے ساتھ آگے بڑھا۔

خان۔ درو مال کمر سے کھول کر اوسکا ایک کھوڑے پر باقیات میں بڑا کر پسترا بیلنگ  
 دیکھ فانی ہاتھ ہے تلوار میان سے کھینچ رہا۔ وار کر۔ نہیں تیرے دل میں یہ  
 حسرت رہ جائیگی۔

وہی آدمی۔ دھنک میں گھوڑے ہی سے تھکے نہ ڈالوں گا۔

خان۔ تمہارے ڈر تھکے ہی ہے دیتے ہیں۔

وہ جہان گھوڑا ناک آگے بڑھا ہے کہ خالصا سے دور ہی سے تھکے کیا  
 پیچ بھلی سے ہی زیادہ تیزی کے ساتھ کیا وہ اپنی گھوڑے کے بل زمین پر دوڑ رہا اور



خانصاحب نے زور سے قبچہہ لگا کے کہا۔ اے گنوار تیرے بہادر گھوڑے باز سہاٹی  
کا پاؤں پہن گیا یہ بیمارہ گڑ بڑا۔ جسے اٹھا اٹھنی گرد جھاڑی۔

قافلہ سالار۔ وہ خود اٹھ بیٹھے گا۔

خان۔ ہاں قیامت کے دن رسکراں گنوار جو قوت اوستی تو گردن ٹوٹ  
گئی وہ دیکھ دم توڑ رہا ہے۔

حقیقت میں وہ جوان بھلیاں لے رہا تھا اب قافلہ سالار کو زیادہ غصہ آیا۔ اس نے  
سب کو حکم دیا۔ کپڑے کپڑے منہ کیا دیکھتے ہو اسکو مار کے گرا نہیں دیتے۔ سب اکیلا  
خانصاحب کی طرف نکلے۔

خان۔ ہیں یہ بودا بن۔ میں اکیلا اور تم اتنے آدمی۔ میں نہتا تم سب کے  
پاس تلوار اور۔۔۔۔۔ دیکھہ کہتے کہتے چپ ہو گیا، اکا یہاں تو دو دو میرے  
مقابلہ کے لئے آؤ۔

قافلہ سالار۔ اچھا ایک ہی آدمی جاے۔ دیکھیں یہ کیا سوراہے۔

ایک جوان تلوار سونگر لپکا خانصاحب کے پاس پہنچا ہی تھا کہ تلوار ہوا میں تہی اور  
وہ خود پہلے جوان کی طرح گردن ٹوٹا زمین پر دوڑ پڑا تھا۔ اب دو آدمیوں نے حملہ  
کرنا شروع کیا۔ جیسے ہی حملہ کرنے والوں کا ہاتھ سر پہنچا تھا کہ خانصاحب بڑی بہرہ  
سے قبچہہ پیچ کر کے پیٹھ کر دوڑ کھڑے ہو جاتے تھے۔ امن و دونوں کی تلواریں پس میں  
لٹا کر ٹوٹ جاتی تھیں خانصاحب پہر جھبک کوئی داؤ کو دیتے تھے۔ دونوں ہاتھ الجھکر زمین پر  
گر پڑتے تھے اور قبضہ اون کے ہاتھ سے نکل کر خود انکی ناک پر پڑتے تھے اس طرح  
بھی آٹھ آدمی زخمی ہوئے۔ تب اکیلا سب خانصاحب پر دوڑ پڑے قافلہ سالار  
نے بھی سبکا ساتھ دیا۔ خانصاحب نے اپنی معمولی تیزی اور بہرہ سے قافلہ  
سالار کی تلوار چھین لی انکے غول میں کہیں گئے۔

وہ سب بار بار سمٹ سمٹ کر اوپر آتے تھے اور تان تان کے چوٹیں لگاتے  
تھے۔ مگر خانصاحب کے تیور ویسے ہی تھے۔ کسی کے وار سے انکو چرکا بھی نہ آتا تھا۔  
اونکی آنکھ چوٹیں خانصاحب کے جلدی جلدی اوچلنے کودنے کے سبب خالی جاتی  
تھیں اور کچھ مناسب داؤں پیچ کی بدولت آپس ہی کے آدمیوں پر لگتی تھیں اور

خانصاحب ہر ایک محلہ میں دو ایک کوٹھارا کر کے گرا دیتے تھے۔ اسی طرح آدھ گنڈیٹ سے کچھ ہی زیادہ عرصہ میں قافلہ سالار اور اسکے سب آدمی جو کرگر پڑے۔ صرف عورتیں باقی رہیں۔ خانصاحب نے رومال جھاڑ کر کمر سے باندھ لیا۔ ایک طرف کھڑے ہو کر نمائش دیکھنے لگے۔ سب زخمی بیہوش پڑے ہیں اور وہ مسکراتے ہیں۔ انکے قریب ہی دو نوٹھو کھڑے ہیں۔ اور زمین پر دو نوٹھو کھڑے ہیں۔ ان کی انابٹھی ہیں۔ مگر وہ اسنے کچھ نہیں کہتیں۔ خوف کی نگاہوں سے انہیں دیکھتی ہیں۔ روکیاں البتہ رورہی ہیں۔

ان آدمیوں میں دنل بارہ تو مر گئی ہیں۔ باقی کی ناک کٹی ملکہ کھلی ہوئی ہے۔ جیسے صدیہ سے سب بیہوش ہیں خانصاحب نے تلوار کے پل سے بہت کم کٹا کر لیا۔ صرف قبضہ سے دشمن کی ناک کھٹکتے رہے۔ انکے ہاتھ نہیں نہیں معصوم کیا انہیں تباہ کیے ناک پر اونکی ضرب پڑتی تھی ناک بالکل کھل جاتی اور ٹکٹا زخمی دماغی صدمہ سے بیہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ خانصاحب دیر تک کھڑے رہے۔ پھر سب تلواریں جو اوپر اوپر بڑی تھیں جمع کیں۔ انہیں ایک ٹھوکر لادنے کے لئے چھلے دو نوٹھو عورتیں انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر بھاگیں۔ بچاری روکیاں اگلی رہ گئیں۔ بند و قوی طرف چلیں۔ یہ سات بند و قوی قافلہ والے اور سوقت بدحواسی میں بیاں پیندک گئے تھے جب وہ خانصاحب پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے تھے۔ مگر اب یہاں چہرہ بند و قوی ہیں۔ خانصاحب نے چپکے سے کہا یہ کم بخت موت کی دہو گئی۔ ہواؤں کی سلاخ بھی انکے پاس تھی بڑی خیریت ہوئی گھر آہٹ اور بدحواسی میں انہیں انکا وہ بیان نہیں رہا۔ اور میں نے اس وقت ان کا نام نیتے لیتے زبان دہالی میری زبان سے کس نام بھی نکالے تو ٹرا ہی غضب ہو۔

خانصاحب بند و قوی کے پاس پہنچ گئے انکے اٹھانے کے لئے چپکنے کو کہتے کہ ساتویں بند و قوی کی گولی انکے نالی۔ یہ فران روٹوں عورتوں سے ایک نے کیا تھا جو خانصاحب کے خوف سے ٹوٹوں کے پاس سے بھاگی تھیں۔ خانصاحب ٹوٹوں اور روٹوں کی طرف دیکھتے رہے۔ انہیں عورت جانکا رنگا بچا نہیں کیا۔ انکی طرف دیکھا کہ وہ کہاں جاتی ہیں۔ وہ دو نوٹھو سیدھی ان بند و قوی کی

طرف آئیں۔ ایک نے بندوق اٹھالی اور موقع کے منتظر قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی دوسری کہیں چھپ رہی۔ خالصاحب بندوقوں کے پاس جھکے تو اوس سے بہت قریب تھے اوس نے بندوق داغدی۔ وہ نشاہ باز نہ تھی بلکہ کبھی بندوق اُس نے چلائی بھی نہ ہوگی مگر خالصاحب اُس کے اتنے قریب تھے کہ نشاہ تاکے شست باندھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اُس یوں ہی اُنکل سے بندوق کی نال خالصاحب کی پیٹھ کے سامنے کر دی ماو گھوڑا چڑھا کر بلبلی دیا دی۔ گوئی خالصاحب کے پیٹھ میں لگی۔ وہ دھڑ سے گھڑی اور اس طرح یہ میدان آخر کار قافلہ والوں کے ہاتھ رہا۔

خالصاحب کے گرتے ہی وہ عورت جھپٹ کر اُنکے پاس پہنچی۔ بندوق وہیں کھڑی اور اُنکے بچس و حرکت جسم کو گھسیٹنے ایک طرف پھلتی تھوڑی دور پر ایک گڑھا تھا دشمن کا بچس و حرکت جسم فاتح دلاور عورت نے بالکل ننگا کر کے اوس میں ڈال دیا۔ اور وہیں کھڑے ہو کر اپنے ساتھ والی سب عورتوں کو بکارا جو رطالی کہے وقت جنگل میں چھپ گئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر میں اُس کے پاس جمع ہو گئیں اس نے اپنے زخمیوں کی تیمارداری سے پہلے فتح کی راگ لگاتے ہوئے مغلوب دشمن کے جسم پر خشاک مٹی وہیں سے سمیٹ لیٹ کر ڈالنا شروع کی۔

## تیسرا باب

جغائے چرخ جو رہدہرا انداز ستم تیرا  
دل مضطر ہو جاں فدا لئے ہم شکل سمجھتے ہیں

## تعمیریں

ماہرے اس فساد کے شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ جمع کا رہنا وقت ہے۔ آفتاب کے طلوع عین ابھی بیت دیو ہے۔ ٹھنڈھی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ جا بجا سبزہ پر اوس کی مٹی تھی بوندیں سی کے سبز و پتھر میں تھیں

ہل کا عالم دکھنا رہی ہیں بڑیوں کی چھپوں سے ہوا گونج اڑی ہے وہ گہو نسلوں سے  
نکل آئیں گاد کی تلاش میں اڑ چلی ہیں چو پائے پر اگا ہوں کی طرف جارہے  
ہیں انکے نیچے کلینس کرتے جلتے ہیں پہلواریاں مہک رہی ہیں دن میں کھلتے  
دنے بھول گئیں رہے ہیں۔ صبح کی نوبت جا بجا ہیر دیں کی دلکش سروں میں  
بج رہی ہے غفور شاہ صاحب کے خزار کا ڈنگا اپنی پڑھیمیت و جلال آواز سے اس  
سہانے دشت کی قدر قیمت و عظمت لوگوں کو جتا کے۔ او نہیں خدا کی عبادت  
کے لئے ہوشیار کرتا ہے۔

گودیار کے قدرتی سنگی قلعہ کا بھیانک چہرہ اب صاف نظر آتا ہے رات کی تاریکی  
کے ہاتھوں قدرت نے جو سیاہ پڑھیمیت قلعی ادھر کر دی تھی اب اُسے  
آفتاب کے وزن سے دھونا شروع کیا ہے۔ اُسکی سیاہی دیسی بھیانک نہیں ہی  
ہے جیسی رات میں نظر آتی تھی۔ اب اسکے چہرے سے۔ قدامت اور عظمت  
برستی ہے۔ اس چراغ نے مضبوط۔ اور کنگی کے ہاتھوں قدرتی سیاہی مائل  
رنگ میں ڈوبی ہوئی قلعہ کے برجوں اور فسیلوں کے سلسلے عالمگیر کی عالیشان  
جامع مسجد کے خوب سفید چمکدار سنگ سرمرے کے گنبد اور مینار چمک رہے  
ہیں۔ اس سیاہ منظر میں یہ سفیدی کیسی پہلی معلوم ہوتی ہے مسجد میں اذان ہو رہی  
ہے اور قریب ہی کسی مندر میں گھنٹا نہیں گھنٹا بج رہا ہے۔ ایسی حالت میں دور  
پر وہ دار کیکہ جن میں انسانی سوانہاں ہیں کسی طرف سے بہت تیز آواز پھڑپھا رہا ہے  
قریب ہی ایک مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس مکان کا دروازہ ابھی بند ہے۔ ایک ایک والا ازکر زور سے زنجیر جاتا ہے  
بار بار آواز دیتا ہے دروازہ کھولو۔ اگر وہ سے سواریاں آئی ہیں۔ انہیں اتار لو  
بڑی دیر میں اندر سے آواز آتی ہے کون ہے۔ کیوں اودھم مچا رہے۔ سویرے  
سویرے کیوں دروازہ توڑے ڈالتا ہے یکایک آئی ہے۔  
یکروالا۔ دروازہ تو کھولو۔

وہی کالہ۔ دروازہ کی طرف آتے ہوئے ہے کون۔ دروازہ کھولو۔ کیوں  
کیوں ہے کیا کیوں سویرے سویرے نافرمان ہیں حیران کیا ہے۔

یکہ والا۔ یہاں تک تو فرسی آپ ہی معلوم ہو جائے گا کون ہے۔

وہی آواز۔ کون کہا، بوت دہن سے کہانی کر کے آؤ ہیں۔

یکہ والا۔ دروازہ ہی کھولو گے یا وہیں بڑھ کر دو گے۔

یکہ کے اندر سے آواز۔ ہیں ہیں!! سید ہی طرح کھو دروازہ کھولو۔ اگر سے  
سواریاں آئی ہیں۔

یکہ والا۔ حضور سید ہی طرح تو کہہ رہا ہوں۔ وہ سفتی بھی ہے۔ بول کے کھولو  
پر سوار ہے۔ ماما کیا آفت ہے۔ بول سے لڑتی ہے۔ ماما جی۔ دروازہ  
کھولو۔

ماما۔ دروازہ کے قریب پہنچ کر کیوں۔

یکہ والا۔ دائی خیر۔ اب تک آپ ہی پوچھتی ہیں کیوں۔ اجی حضور۔ اگر  
سے سواریاں آئی ہیں۔

ماما۔ ہمارے یہاں اگر سے آنوالا کوئی نہیں ہے کہیں اور آئی ہو نگی  
یکہ والا۔ نہیں حضور۔ یہیں آئے ہیں۔

ماما۔ (دروازہ کھول کر) تو ہے بڑا بد ذات صبح صبح آ مر۔ دروازہ کھولو دروازہ  
کھولو۔ اے ہے آفت ہر پار کو سی۔ تمام محلہ سر پراد تھا لیا۔ کون ہے۔ کیوں  
جھٹا تھا۔

یکہ والا۔ حضور یکہ تک آئیں۔ آپ ہی سب حال معلوم ہو جائیگا۔

ماما یکہ کے پاس گئی۔ تھوڑی دیر پردہ میں منہ ڈال کر کچھ کچھ سفتی رہتی ہے گھر میں  
چلائی۔ گھر میں منہ دروازہ کے کنارہ والے در کے نیچے جوتہ پر ایک جوتی  
بچھی ہے وہ سر سیاہ سفید درزی کی جانماز ہے۔ اس پر غریب کے سانسے خوبصورت

سی درخت پر کھانا خرید رہی جڑواں میں پتلا لگا ہے۔ اس کے سامنے ایک بہت  
خوبصورت لڑکی کھڑی ہے جس کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ ہوگی۔ اس کی بڑی  
بڑی آنکھیں کھلے آلودہ آنکھیں عبادت کہہ رہی ہیں کہ یہ کھولی سماں ماہ مبین ہی

سوتے سوتے چنگر ببار رہا تھا دیکھی ہے۔ دال کے کنارہ والے در میں دھن  
کھانک جاتی ہے۔ کھانک سے جھگڑا مٹا ہوا کہہ رہا ہے۔ اور پافان سے کسی کے کہا

کی آواز آئی ہے۔

ماما۔ (چوکی کے پاس پہنچ کر رٹکی کو اونگھتا دیکھ کر) بھو۔

اسی وقت صبح کی توپ ملی دھننا نانا۔ نادان رٹکی اونگھتے اونگھتے اچھل پڑی۔

ماما۔ (چکار کے) آؤ میرے گود میں آ جاؤ۔ میں کندھے سے لگا لوں گی۔

رٹکی۔ نہیں۔

ماما۔ بھو بیگم تاحق رٹکے کو حیران کرتی ہیں ایسے ننھے ننھے بچہ تو سب جگہ پر دن چڑھے تک سوتے ہیں۔

بھو بیگم۔ رہا غنا سے آنے ہوئے کیوں۔ کون تھا۔

ماما۔ تھا نہیں۔ ہے۔ آئی تو ہیں۔

بھو بیگم۔ کون ہیں۔

ماما۔ جیسو میں گھر ہے۔ آگہے آئی ہیں۔

بھو بیگم۔ اچھے۔ ہیں کون۔ کیا نام ہے۔ کیوں آئی ہیں۔

ماما۔ بیوی آپہیلی سی بیوی ہیں۔ نام اے تو بہ۔ بیلا سا بتایا تھا۔ بھولی جاتی

ہوں ہاں مافس نہیں تو بہ اختر بیگم۔

بھو بیگم۔ اختر بیگم۔ آگرہ سے۔۔۔۔۔ کہیں اور آئی۔ ہونگی یکہ والے کو

دھوکا ہوا۔

ماما۔ نہیں بیوی جھبھار صاحب کا صاف نام لیا کہا یہ گہرا نکال ہے۔ آپ کو یاد

نہیں رہا میاں کچی بھی انکی باتیں کیا کرتے تھے۔

بھو بیگم۔ (اپنے حلقہ پر زور دیتے ہوئے) ہاں وہ ہیں۔

ماما۔ وہی ہیں۔ مجھے سب پتے بتائے۔ میں بہائی جان کیا تم بڑے سہی کو اتنی

بے آسکی نہ اس عرصہ میں کوئی خط لکھا اب آگرہ آئی تھی وہاں سے لڑکوں کی یاد

ادھر پہنچ لائی۔

بھو بیگم۔ ہاں۔ اُسے یہ بھی غنیمت ہے۔ خاص اپنے عزیز میں بھول

سے وہ غیر ہیں۔

ماما۔ تو انہیں لے آؤں۔

بہو بیگم۔ اور کیا کیا ہی پر رشتیلی رہ کر وضو کرنے لگی۔  
 ماما پر گئی۔ دونوں یکے والوں کی ہٹا دیا۔ ایک ایک سے ایک مسن خول صورت عورت  
 جیسے بصرہ سے متانت ذہانت برتی ہے۔ اور ایک خادمہ اتاری دوسرے  
 سے دو لڑکیاں۔ ان دونوں کی صورت بھی بہت پیاری ہے عمر زیادہ سے  
 زیادہ سولہ اور سترہ برس ہوگی۔ ماما انہیں گھر میں لے آئے۔ آخر بیگم گھر میں  
 پہنچیں تو انہوں نے بہت اوسے بہو بیگم کو سلام کیا۔ بہا بھی جان بندگی۔ دونوں  
 لڑائیوں سے کہا عالی کو بندگی کرو۔ لڑکیوں نے بھی اُسی انداز سے سلام کیا۔ وہ بہو بیگم  
 بھائی مصلے کی زیب و زینت رکھی بھی کھڑی ہو گئی۔ اوس نے نئی مہمان  
 بہو بیگم کو بہت ادب اور پیار سے لہجہ سے سلام کیا۔ بیوی نے تینوں مہانوں کو  
 گلے لگایا۔

آخر بیگم نے اپنے بھائی کے مرنے پر دو چار آنسو بہائے۔ کچھ بیان کئے بہت سخی  
 کو بیٹا ناخوب پیار کیا۔ دس کھدار رو بہ اس کے ہاتھ میں دئے وہ اپنی ماں کا منہ  
 دیکھنے لگے۔

بہو بیگم۔ (بنو کو چکار کر کے) لوشراؤ نہیں۔ یہ تمہاری بہو بھی جان ہیں۔ امکا دیا  
 نہیں سب بھیم ہے۔

لڑکی نے رو بہ لیکر بہو بیگم کو سلام کیا بھو بھی نے اوسکی اس ادب اور تیز سے  
 خوش ہو کر ہر ادب سے گلے لگے ناخوب پیار کیا اور بہو بیگم سے کہا۔

آخر۔ بہا بھی جان۔ تم نے دیکھا نہیں۔ تو کیا میرا نام تو ضرور کتنا ہوگا درونی کا خانہ  
 بہا بھی جان مجھے ضرور یاد کرتے ہونگے۔

بہو بیگم۔ کیوں نہیں۔ (سورج کے مطلع کی طرف دیکھ کر) نماز کا وقت چلا۔  
 آخر۔ نماز تو سمجھنے ہی ابھی نہیں پڑھی۔ اے ہے کیا بُر وقت یہاں

رہیں بہو بیگم نے صبح صبح سب کو حیران کیا۔ (اپنی مائے) تم اتنی کھڑی  
 باتیں سن رہی ہو۔ اسباب کیوں میں پڑا ہے ماما جس کا حکم مضرب ہے جی نہیں اسباب  
 کچھ آگیا کو لینے جاتی ہوں۔

بہو بیگم۔ (اپنی ماما سے) ان لڑکیوں کا آخر بیگم کو۔ وضو کے لئے باہر دو۔

داختر سے) تم وضو کرو۔ میں جب تک نماز پڑھ لوں، میں تلاوت کروں گی تم نماز پڑھنا وہ نماز پڑھ چکیں تو ان مہمانوں نے نماز پڑھی یہو بیگم نے ناعد نہ ہونے کے خیال سے کچھ تلاوت ہی کی۔ وہ تلاوت کرتی تھیں اور بنو کر زمانہ معمول کے موافق اپنا قاعدہ لئے بیٹھے ہل ہل کر چپکے چپکے کل کا پڑھا ہوا سبق الف و و زین دوزیران۔ دو پیش ان۔ پڑھتی تھی۔ اتنا وقت کر چکیں تو بیٹی نے کہہ کر بہت ادب سے جھلک کر بندگی کی۔ مانے کہا جیتی رہو۔ اپنا سبق فوتا کیٹی مئے۔ محمد شریف قل ہوا اللہ حفظ سناے۔ اوسکی پیاری خام زبان سے یہ الفاظ بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ ماسکرا مسکرا کر آرزو مند کانوں کے ذریعہ سے مزید اپنے شریف گھونٹ سے زیادہ مزے سے یہ معوی روح و دماغ عرق سیاحتی اور پیار کی نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھتی تھی۔ بیٹی دو دو صورتیں بنا چکی تو ان نے کہا اجبا ابنی یہو یہی کے پاس جاؤ۔ یہو یہی لئے اُسے گود میں بٹھالیا اور اپنی سیاہ وچ سے غیاطب ہوئی۔

داختر۔ میں یہ بیٹھتی ہوئی۔ بہائی نماز روزہ کی ویسی ہی پابند ہیں جیسے ہمارے بہائی جان تھے۔ بیچ پوچھو تو یہ انہیں کی ہدایت کا اثر ہے۔ یہو بیگم۔ بیشک۔ میں نے قرآن شریف ہی نہیں پڑھا ہے۔

داختر۔ اے مجھے اُنکا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔ بہائی جان تم منہ سے نہ کہو تو کیا ہے دل میں غمزدہ کہتی ہوگی۔ یہ شکایت ضرور ہوگی اور بیشک شکایت کی بات ہی ہے۔ میں کم بخت انکی باری میں نہ آئی تو تمہیں برسوں دینے تو انکی موتی مگر بہائی جان کے قدموں کی قسم اس پیاری بیوی کی قسم۔ ایسی بلاؤں میں بہنسی تھی کہ ان سے جہاں چہرہ ناما شکل ہو گیا تھا۔ بہائی جان کی بیماری کا حظ پوچھا تو میں انہیں میں بٹھا تھی غصہ پڑتی ہی انہیں دیکھنے کے لئے یہ عجیب دل کیسا کیسا تپا ہے کہ .... ہاے ہاے بے اختیار یہ جی پاتا ہوتا جیسے بے یہ سب ٹھکرے قصے چھوڑ چھڑکے چلی جاؤں۔ گرفت میں تو یہ لکھا تھا اُنکا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہو گیا طرح جیٹا رہا تھا۔

یہو بیگم۔ خیر تا ہوا تو کیا ہے اس میں شکایت یا برا ماننے کی کیا بات ہے۔



**اختر۔** کیوں نہیں۔ اپنے اور کس لئے ہوتے ہیں جب ایسے وقت میں۔  
**بہو بیگم۔** مگر گہنتی کے سو قفسہ بکھڑے ہیں اُسے فرصت نہ ہوئی تو شکایت  
 کی کیا بات ہے۔

**اختر۔** اور جھگڑے بھی کیسے بہا ہی جان۔ عذاب میں جان تھی۔ پہلے تمہارا  
 بڑی بیانی حعفری بیگم کے دو لہا کے کوٹوں سے ناک میں دم رہا۔

**بہو بیگم۔** کیا جھگڑا تھا۔  
**اختر۔** دہری لڑکی کی طرف اشارہ کر کے، انکے دو لہا نے ایک ہنڈی  
 گھر میں ڈال لی تھی ساسلی بدولت دونوں روز جمع ہوئی تھی۔ وہ ان سے  
 بیزار صورت دیکھ کر روادار نہیں یہ اُن سے خفائے سایہ سے ہی نفرت  
 دونوں طرف ذرا ذرا سی بات میں جھگڑا لڑا لیاں۔ پس تک غنیمت تھا ان  
 حضرت نے اُس سے نکاح کی ہڑادی۔

**بہو بیگم۔** ہیں نکاح کر لیا ہنڈی سے۔  
**اختر۔** کیا نہیں کر نیکو تھے۔ یہ بڑا گھر میرے پاس چلی آئیں۔ اب نہیں کتنی سی  
 سمجھانی ہوں تمہارا یہاں رہنا اچھا نہیں انہیں موقع ملے گا جو نہ کرنا تھا اگر گھر میں۔  
 وہ مردار میدان ظالی دیکھ کر خوب ہاتھ پاؤں پھیلائے گی گھر سے ہاتھ مارے گی  
 مگر یہ کسلی سفتی ہیں وہاں نہ تھا نہ کہیں۔ چہ بینہ ہیں یہیں۔ راستے دونوں میں  
 روز ایک نیا قفسہ نیا بکھڑا ہڈا لیا۔ آخر یہ سنا اچھے دو لہا نے سب جاندا داس  
 لکھدی رہنے کا مکان بھی دیدیا۔ نقدی اسکا زیور جو گھر میں تھا سب اسے بخش دیا کل  
 ہی برسوں میں کاغذ بر خستہ ہو چکا تھا۔ اُسے سچے پاؤں تلے سے زمین  
 نکل گئی۔ کچر کرتے بن نہ پڑتی تھی خدا بہشت نصیب کرے اسکے خالو نے بڑی  
 بڑی رزمیوں سے وہ کاغذ جلوا دیا اس مردار کو گھر سے نکالا تب ادن کا گھر بنا۔  
**بہو بیگم۔** شکر ہے اب کوئی مہرقہ تو نہیں ہے۔

**اختر۔** نہیں کوئی نہیں۔ وہ بڑی سوچ بوجھ کے آدمی تھے۔ انہوں نے  
 وہ تدبیر کی کہ مردار کہیں کی نہ رہے۔ پہلے تو گرم بخش سے ابھاد دیا۔ پوں اچھے  
 دو لہا کا دل داس سے ہٹا دیا۔ پھر ایک چوری کا لہام لگا کے دو نو کو قید۔

کرادیا۔  
 بہو بیگم۔ تدبیر خواجہ جی کی۔ مگر۔۔۔۔۔  
 اختر۔ بیشک مگر مجھے جب معلوم ہوا کہ وہ سہ برس کو قید خانہ چلی گئی  
 نہیں ہیں انہیں ضرور منع کرنی ہے اس سے بچایا جاتا کہ انکی جان کو ایک اور بلا چٹ گئی  
 انکے سسر نے ایک کہانی کہہ کر میں ڈال دی تھی اس سے ایک لڑکا تھا نہ ہے مرزا۔  
 بہو بیگم۔ ہیں۔ کیا انکے سسر سید نہ تھے۔ یہ کیا تم سیدانی ہوئے۔ پھر مغلوں سے  
 نانا کیا۔

اختر۔ سید نے۔ مگر وہاں بھی رواج ہے ایسے لڑکے مرزا صاحب ہی  
 کہلاتے ہیں۔ کہاری مرچ کی تھی۔ اس نے مرزا کو اپنے دو لہائی ہاں سے اپنے  
 بچوں کی طرح پرورش کیا تھا وہ ملک حرام ہوا بے ایمان رنگ لایا۔ کچھ دن  
 اپنے دو لہا سے کہتا رہا۔ جائداد آدھی گیری سے مجھے میرا حصہ دیدو۔ آخر  
 نالیش کر دی۔

بہو بیگم۔ ہنس لاش کر دی۔  
 اختر۔ ہاں دو چار لڑائی والے کڑے ہو گئے دونوں کو بڑا دیا۔  
 بہو بیگم۔ انجام کیا ہوا۔

اختر۔ مندر ریاست وہاں مسلمانوں میں یہی رواج ہے۔ بڑا اور ذات  
 کی بیابا بیوی کا لڑکا سب جائداد کا مالک ہوتا ہے۔ اور عورتوں کی اولاد کو تنخواہ  
 ملتی ہے۔ سو روپیہ در ماہ اسکا مقرر ہو گیا۔

بہو بیگم۔ جلو سے جھوٹے۔  
 اختر۔ ابھی کہاں۔ اب انکے دھوٹی لڑکی کی طرف اشارہ بی محمدی بیگم  
 کی کہاری آئی۔ پیار سے دو لہا۔

بہو بیگم۔ یہ کون۔ محمدی بیگم کا دو لہا۔  
 اختر۔ ہاں انہیں جو شیطان نے انگلی دکھائی۔ ابتر شامت جو سوار پہلی  
 انہوں نے ایک کاچن گھر میں ڈال لی۔ اسے ہے مدتوں رات دن اُسکے  
 جھانکے رہے اور یہ بیگم صاحبہ رو غشی ہیں۔ روتی ہیں جب دیکھو میرے

پاس موجود ہیں۔ خدا خدا کر کے وہ مردار دفع ہوئی۔

بہو بیگم۔ یہ کیسے۔

اختر۔ انہوں نے کسی بات پر پیارے دولہا سے بگڑ کر خود ہی زہر کھالیا  
جہنم کو سدھاریں۔

بہو بیگم۔ چلو اپنی جگہ پہنچ گئیں۔

اختر۔ مگر پیارے دولہا کی بربادی کے لئے۔

بہو بیگم۔ نہیں۔

اختر۔ اوسکے مرنے کے تین ہفتے بعد فحری ہوئی۔ اب آفت آئی۔

بہو بیگم۔ کیا فحری ہوئی۔

اختر۔ کسی نے جلدی پیارے دولہا سے زہر دیکر مار ڈالا۔ اور

بہو بیگم۔ کیوں کی بیوی کی صلاح سے کیا بلکہ زہر بیوی ہی نے پینکر شربت میں  
ملا یا تھا۔

بہو بیگم۔ ہے ہے غضب۔

اختر۔ سرکار مدعی تو زہری گئی تھی۔ اس کا بہانی بھی دعویٰ یہاں ہوا۔ مقدمہ چلا۔

بہو بیگم۔ اٹھی خیر۔

اختر۔ یہ اندھیر دیکھو کہ پہلے ہی دن انہیں حوالا تے ہو گئی۔ ان کی عزت

آبد کل ہی ذرا خیال نہ کیا گیا۔

بہو بیگم۔ ہے ہے۔

اختر۔ بڑی دشواریوں سے یہ اوس فضیلتی سے بچے۔ اس کے لئے جس حکم

ہو گیا تھا میں نے اسے دامن سے بگڑا دیا۔ امیر مجید اور گہریا۔ وہ تین ہفتے سے

میاں نہیں ہے اپنے چچا کے ساتھ پیارے دولہا کی اجازت سے بغداد شہر

دیارت کو گئی ہے۔ پیارے دولہا نے بھی اپنے بیان میں یہی لکھا اور اسکے

جاننے والے اور ثبوت دے لئے تیس برس کی جان بچی۔

بہو بیگم۔ اور پیارے دولہا۔

اختر۔ خدا بخشنے اسکے خالو اسکے ہی کام آئے۔ وہ بڑے جوڑ توڑ کے آدمی تھے۔

کئی ہزار روپیہ خرچ کر کے جیسے تیسے پیارے دلدہا کو اور اسے بری کرایا۔ پورے  
تین برس ان بناؤں میں بیٹے رہے اب نجات ملی ہے۔

بہو بیگم - شکر ہے اللہ نے نرسہ آبرو رکھی۔

اختر - ہزار ہزار شکر۔ بہانی مجھے (بنو کے حرف اشارہ کر کے) بسکے پیدا

ہونے کی بھی خبر نہیں تھی۔ اس کے پیدا ہونے کے کئی دن بعد بہانی مان - ...

(آنسو چھپتی ہوئی)

بہو بیگم - پورے سال ہر بعد۔

اختر - اور مجھے ان کی بیماری کی اور مرنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ میرا پور بیان

دکڑے اسنے مجھے لکھا تھا۔ ہے ہے مجھ بہت محبت ہے۔ اگر خطا رسوں

نہ لکھتے تھے۔

بہو بیگم - ان کی یہی عادت تھی۔ کہیں باہر جاتے تھے تو ہم مینوں ان کی

خبر خبر کو ترستے تھے۔

اختر - یہ عادت ہمیں سے نہی لکھنے سے بہت ہی بڑھتے تھے۔

بہو بیگم - اُنکے بچپن کی تم کیا جانو۔

اختر - میں نے سنا ہے۔ خود ہی اکثر کہتے تھے۔

بہو بیگم - وہی تو مینے کہا، تم تو اُنکے چھوٹی چوٹی ہو گی۔ ....

اختر - ہاں، اپنے ابا جان سے ڈر کر اگر چلے گئے تھے وہاں تو کہنے۔ مارے

ابا جان کسی کچری میں گھوم کر گئے تھے۔ انہیں چچا کہنے تھے۔ میرے دونوں بہائی بڑے

تھے میں اپنے ابا جان کے پاس رہتی تھی وہیں ابا جان انکے ساتھ نہی۔ ابا جان بڑے

سختی تھے جو چہ کلمے سب لڑا دیتے انہیں اور اماں ایک ساتھ بیٹھ رہا

سات بہر میں دو نو تمام ہوئے اس وقت میں بارہویں برس میں نہی۔ گھر میں سوا

سیرے کوئی نہ رہا۔ پردہ میل کا وسط میں سیاہی سر پر کئی بڑی بوڑھی نہیں۔ پاس

نوڑی نہیں بڑی ہی سیدہ تھی۔ یہی ایک تیر خداسی وقت آڑی گئے یاہان کی

مرنے کے ساتھ آٹھ دن بعد مکان وائے گھر سے نکال دیا ایک مہاجرین کی

ڈاگری پہلے سے جاری نہی گھر میں گرسنی کا سامان جو کچہا سب وہ لیکیا۔ میں بالکل



**اختر**۔ واہ بہانی جان تو کہتے تھے ہمارے گہرائے میں یہی دستور ہے۔ پیدا ہونے ہی سنگتی ہو جاتی ہے۔ کنبہ ہی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ کوئی لڑکی کنبہ میں پیدا ہوئی اور آپس ہی کے لوگوں سے جسکے لڑکا ہوا اُس نے اُسے مانگ لیا۔

**یہو**۔ بیشک یہی دستور تھا۔ مگر خود انھوں نے اپنی قوم سے اس روانہ کے خلاف کیا اسکے پیدا ہونے ہی اسکے سنگتی کی بات چیری تو انہوں نے صداقت کہہ دیا ہم ابھی نہیں کرتے سیانی ہو جائے گی۔ تب کریں گے۔

**اختر**۔ یہ بھی ٹھیک ہے میں نے ایک بات سوچی ہے تم منظور کرو تو ہے۔  
**یہو**۔ کہو تو سہی۔

**اختر**۔ میرے جیٹھ کے ایک ہی لڑکا ہے۔ آٹھواں برس ہے۔ صورت شکل ماشار اسد بہت ہی اچھی ہے۔ عقل شعور ذہن کا کیا کہنا۔ ساتویں ہی برس قرآن شریف ختم کر چکا تھا اب فارسی پڑھتا ہے۔ گہر میں اسکا دیا سب کچھ ہے۔  
**یہو**۔ اسکے ساتھ کروں۔

**اختر**۔ میری یہی آرزو ہے۔  
**یہو**۔ ابھی سے

**اختر**۔ کیوں کیا مرج ہے۔ بلکہ اسکے آٹھویں نوں برس بیاہ ہی کر دو یہ تنہی سی دہن رہو کہو بیار کے انہیں پہلی معلوم ہوگی۔

**یہو**۔ دسکرانے ہوئے اپنے نمائنے کے لئے اسکی ممت بھوڑ دوں۔

**اختر**۔ ہیں۔ یہ کیسے سن چکی ہو کہ لڑکا بڑا ہو نہ رہا ہے۔  
**یہو**۔ مگر اسکے کسی بات کا ابھی کیا اعتبار۔ سیانا ہو کر نہ جانے کیا رنگ لائے گا۔

**اختر**۔ خدا نہ کرے رنگ کیا لائے گا۔ اپنے گہرائے سے ملتا جلتا ہو گا۔ اسکے بیان کوئی بدترین نہیں ہے۔

**یہو**۔ بیگم وہ کوئی نہ سہی۔ مگر وہ بچا ہے۔ اسکی کسی حادثہ و خصلت کا ابھی کیا پڑوسا۔

**اختر**۔ کیوں نہیں۔ جو جیسا ہوتا ہے اسکی اولاد دیکھی ہوئی ہے۔ اسکے کنبہ میں

کوئی بدظن نہیں ہے تو وہ کیوں ہوگا۔

یہ نہ کہو۔ زمانہ کو بگڑنے دیر نہیں لگتی۔ خدا نہ کرے۔ میں مجھ میں اپنے بپ کا سایہ سر سے اٹھ جائے۔ چچا ہی اونسے ہاتھ اٹھالیں تو کسی ہو۔ گھر میں دھننی پتی ہو۔ دوست پہری پڑی ہے۔ پھر اُسکے گاہک سیکڑوں کوئی شہر بدعاتوں سے خالی نہیں۔ دو چار بچے شہید ہے۔ اوسے راہ پرے آئیں۔ اپنے ڈنگ پر لگالیں اور سب کچھ غارت کر ڈالیں۔

اختر۔ یہ ان ہونی کون سوچتا ہے۔ ناور سیالے ہوئے پر ہی مفلس ہو جائے تو کیا ہے۔

یہو۔ مفلسی کی کیا ہے۔ دوست کسی کی کب ہوئی ہے۔ تو ہرنی پہری چہا ہے۔ لہی اور تہی۔ لہی اور ہرنی گئی۔ مگر اُسکے میں ہرنی علم۔ اور حلیں دیکھتا بہت ضروری ہے اور اتنے سے بچہ کسی بات کا اعتبار ہی کیا۔ دولت ہو ہرنی تو ہو۔ بدولت ہے ہرنی کام کا۔ اور بدظن ہی ہوا تو کیا کہتا ہے۔  
اختر اور بیگم میں دیر تک ایسی مضمون پر بحث ہوتی رہی۔ یہو بیگم نے اختر کو قائل کر دیا۔ آخر کار اوس نے کہا۔

اختر۔ تم وہاں نہ کرو گی۔

یہو۔ وہاں کیا کہیں نہ کروں گی۔ انہوں نے وصیت کی ہے۔ یہ خود سمجھا رہا

ہو جائے تب اسکے نفیت کرنا۔

اختر۔ خیر۔ یونہی ہی مگر میرے نزدیک وہ روکا بہت اچھا ہے۔ منگنی بیاہ کا اعتبار ہے جب بھی جا ہے کرنا۔ میں اُسے ابھی روک دوں۔ کہیں اور نہ ہو جائے

یہو۔ کیوں

اختر۔ کیا وہ بالکل نا پسند ہے۔ کیوں لڑکی دور چلی جائیگی۔

یہو۔ (دھیمی آواز سے) نہیں۔

اختر۔ چاہے صاف نہ کہو۔ دل میں ہی ہے۔ اور فضول تمہارا یہاں کون

ہے۔ ایک اس لڑکی کا دم خدا رکھے۔ یہاں تم۔ ابھی سے وہاں چل رہا ہو یہاں ایللی پڑی ہو۔ کوئی بیاہی ڈکھ میں ہی خبر لینے والا نہیں۔ خدا نہ کرے کہی بیاہ ہو جا تو

کوئی بتائیں ہے جو حکیم کے بیان جائے۔

بہو۔ یہ بات نہیں کہے۔ اسکی نسبت انھوں نے ایک علی تجویز کیا ہے۔

اختر۔ کہاں میں بھی سوں۔

بہو۔ تم انہیں نہیں جانتیں۔ اور جانتے بھی ہو نہیں تو میں نکلتی انہوں نے بہت تکرار سے منع کیا ہے جب تک دو نو سیانے نہ ہو جائیں۔ بات کسی سے بھی نکلتا۔

اختر۔ یہ کہو۔ چلا اچھا ہے۔ گراس وقت تک یہاں کیوں پڑی رہو اپنے وطن چلی جاؤ۔

بہو۔ وہاں جانا ہوتا تو یہاں کیوں رہتی۔

اختر۔ نہ سہی۔ میرے ساتھ چلو۔ وہیں رہو۔ میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ میری تو

عین تمنائے میں سعادتمند بیٹوں کی طرح تمہاری خدمت کروں۔ تمہاری چوٹی نند

ہوں میلا یہ فرض ہے یہاں جان بیاں تمہارا جی نہیں گھبراتا چلے اور بات اپنی سلام

گھر پہرا تھا۔ تم اکیلی نہ تھیں۔ اب اس لائق و دق گھر میں اکیلی ہو۔ کیسے گزر

کرتی ہوگی۔

بہو۔ کیوں گزر کرنے کو کیا چاہئے۔ جو ہمیشہ اکیلی ہی رہتی ہیں او انکی

گزر کیسے ہوتی ہے۔

اختر۔ میں نہیں تنہا دیکھ کے گھبراتی ہوں۔ تمہارے سر کی قسم ہی چاہتا

ہے۔ اسی وقت تمہیں پہلے لجاؤں۔

بہو۔ تمہیں نہ یہیں کچھ دن رہو۔

اختر۔ ہاں جو دن تو ضرور رہوں گی۔ مگر ہمیشہ کیسے رہ سکتی ہوں۔ میرے

رہنے کے تم کو تکلیف ہوگی۔

بہو۔ کیا۔

اختر۔ (دوبی زبان سے) میرے ساتھ اتنے آدمی ہیں۔ اکیلی ہوتی تو۔

بہو۔ آدمی ہیں تو کیا۔

اختر۔ ان سب کا خرچ تمہارے ہی ذمہ ہوگا۔ تمہاری آمدنی ایسی کیا ہے۔



نجانے خود کیسے گزر رہی ہو۔۔۔۔۔

بہو۔ خدا کا شکر ہے وہ ننگا بھوکا نہیں رکھتا تم یہاں رہو گی تو تمہیں یہ تکلیف  
نہو گی۔

اختر۔ مجھے کیا تکلیف ہو گی اور تمہارے ساتھ تکلیف سے میرا ہوتا ہے  
میں خوش ہوں۔ مگر۔

بہو۔ مگر کیا یہی تو تکلیف ہے مجھے وہاں لئے جاتی ہو خود یہاں رہنا  
گوارا نہیں۔

اختر۔ بہا ہی جان میں اکیلی ہوتی تو کیا تھا بیس بڑی رہتی۔ مصیبت تو یہ ہے  
میرے دم کے ساتھ دنیا کے ہزاروں بکھیرے ہیں۔ تم مایوسی دور ہی آدمی ہو  
جہاں بیٹھ گنیل وہیں سہی۔ میں نے اب تک تمہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ بہانی جاں کہ اس  
بیاہ میں ہی نہیں آئی تھی۔ آئی کیسے تمہارے نند۔ ولی ان دنوں اب تیرے ہی  
تھی۔ پورے سال بہر بیکار رہے۔

بہو۔ اور پہلی شادی میں۔

اختر۔ وہ میرے سامنے ہی ہوئی تھی۔ دو برس سے پہلے میں بیس نہیں۔  
جعفری کے ابا جان بھی تیرے سب کو بہانی جان نے بہت پہلے سے بلایا تھا۔  
بہو۔ اتنے دن پہلے سے۔

اختر۔ نہیں دو مہینہ پہلے سے بلایا تھا۔ ہم یہاں پہنچ گئے تو ان کے سب  
پہ ایک آفت آ پڑی اس سے شادی مل گئی۔ دو برس کے بعد بھری بہانی جان نے  
ہم سب کو پر جانے نہ دیا۔

بہو۔ جب دو برس پہلے نہیں اب دو دن۔ بنے میں یہی قاتل ہے۔

اختر۔ نہیں مجھے دس برس رہنے میں ہی عذر نہیں۔ کیا کیسے ہو سکتی  
ہوں۔ اس وقت سارے سب زندہ تھے۔ میں خود اکیلی تھی یہ رڈ لیاں  
لباں نہیں۔

بہو۔ غرض تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔

اختر۔ اور تم بھی۔

بہو۔ وہ۔ میں کہاں جاؤں گی۔  
 اختر۔ جاؤں گی کیسے نہیں۔ میں تمہیں ضرور لیجاؤں گی۔ پھر یہاں تنہا رہ  
 کے کیا کروں گی۔ بہا بھی جان منہ راجی نہیں گھبراتا۔ مجھے ہی حیرت ہے۔

بہو۔ عادت ہو گئی ہے۔  
 اختر۔ ایسی ہی عادت کس کام کی۔

بہو۔ جو کچھ ہو۔  
 اختر۔ زیادہ نہیں۔ دو تین برسوں میں رہنا بہر۔

بہو۔ ہنستے ہوئے (واہ ہے۔)  
 اختر۔ میں یہ میں بھول ہی گئی۔ اب گذر کیسے ہوتی ہے مجھے میرے دیور  
 نے لکھا تھا تنہا رہے بہا کی جان کچھ ہی چھوڑ نہیں گئے۔

بہو۔ خدا دیتا ہے۔ وہ بہت کچھ چھوڑ گئے تھے۔ مگر۔۔۔  
 اختر۔ خدا چہر بھاڑ کے دیتا ہے۔

بہو۔ نہیں۔ خدا اس راج کو قائم رکھے پہلے سرکار سے سو روپیہ ہینہ ملتا  
 تھا اب پچاس ہو گئے تھے ہمارے ایک دیور حکیم مداح ہیں انہوں نے  
 خود سرکار میں عرضی دی نہ جانے کیا کہا ۵۰ کے ۶۰ ہو گئے۔ ہی ملتے ہیں۔

بہو۔ ہے ہے سو میں کیا زور ہوتی ہوگی۔ جو ساٹھ رہ گئے۔  
 اختر۔ اچھی طرح دبر ہوتی ہے۔ کہاتے ہیں چین کرتے ہیں خدا کا شکر کرتے ہیں

بہو۔ دینے والے کی جان مال کو دے دیتے ہیں۔ جو ہمیں اپنا قدیم ننگ خوار سمجھ کر  
 دیتے ہیں یہ بھی نہیں تو ہم کیا کریں۔

بہو۔ ابھی بڑے پہلے گند ہو ہی جاتی ہوگی روکی سبانی ہوگی۔ اسکی سنگتی بیاہ  
 سیکڑوں خرچ ہیں۔ کہاں سے آئیگا۔ کیسے کروں گی۔ یہ تو نہیں سکتا اسکا کوئی کام  
 نہ کرو۔ خدا اسے زندہ رکھے یہ سبھی کچھ لیگی۔ اپنے وقت کو دیکھ کے کرنا ہی

بہو۔ نہیں ہو سکتا  
 اختر۔ جیشک۔ وقت کو دیکھ کے کر دلی۔ نہیں پاؤں گی کہاں سے بچے

بہو۔ جو بڑے نام کی جہول شرم سے بہت نفرت ہے۔ جب سہلے پاس آتی ہیں

تو کوئی کہیں کیا اور کیوں اور کہے تو اندھا ہے۔ باگل ہے۔

اختر۔ سبھی کہتے ہیں

بہو۔ کیا کریں۔ ہم ایسی سنتے ہی نہیں۔

اختر۔ یہ دوسری بات ہے۔ اوٹھ لے بونی تو کیا کرے گا کوئی۔ نہیں تو دنیا میں

رہ کر سبھی طرح کا خیال کرنا پڑتا ہی ہے۔ تمہارے گہرائے میں کیسی کیسی شادیاں

ہونی ہیں۔ ایک شادیوں پر گیا ہے ہر ایک کام ایسا ہی ہوا۔ اوسی کے مطابق

تم کو بھی کونا بڑے گا۔ نہ کرو گی تو وہی لوگ جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے

کیا کچھ نہ کہیں گے۔ یہ کوئی نہ سنے گا پاس تھا۔ سارے جہان میں تو یہ مشہور ہے۔ کبھی

پشت کی کمائی گھر میں لاکھوں کی دولت پڑی ہے۔

بہو۔ کیا کریں۔ ایسوں کے طعنوں کا بھاتا ہی کیا۔

اختر۔ واہ جو بات کہی نہیں سنی۔ اب۔ ایک بات یاد آئی رہی تو کیا کر کے

یہ بڑی خوش قسمت ہمارے خلیا ساس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ سیکڑوں منٹوں اور

میں ایک لڑکی ہوئی اوسکا بیاہ بڑے اونچے گھر میں ہوا۔ .... تم سنو۔ تو کہیں

دن کے بازو کا لغویہ ٹوکرا، اتنا بڑا لغویہ اسکے بازو پر کیوں باندھا ہے۔

بہو۔ اور کیسے سنوں۔ یہ لغویہ شاہ دراجب کا دیا ہوا ہے۔ انہوں نے مرتے

مرتے تک یہ تاکید کی یہ لغویہ بازو سے الگ نہ ہو۔ نہیں اس پر بڑی مصیبت

آئیگی۔

اختر۔ ہاں کان لگا کے سنو اور میری بات مانو۔

بہو۔ دل کے کانوں سے سنوں گی اور ماتے کے لائق ہوگی تو میں ضرور

ملاؤں گی۔

بہو۔ ایسی ہی ہے۔ مجھے یہ بات چہی نہیں ہے نہیں سسرال کی

میں کسی کا ہی سہا نا نہیں۔

اختر۔ بیشک میکے میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک بڑا بڑا نالی نہیں وہ بھاری

خود اس آخری وقت میں اپنے بڑے داماد ساجو کے نکاحوں پر بڑی ہیں۔

وہ بھی بڑی طرح سے میں نے کئی بار انکے سامنے ہی بلایا اب بھی کئی خط بھیجے گئے ہیں

آتش بیٹی اور داماد نہیں چھوٹے جو بہیک کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ ذلت اور  
فخاری سے انہیں روٹی دیتی ہیں اور مجھے ان کی مصیبت سن کر زندگی اپنی  
دو بھر ہو گئی ہے۔ سسرال والے سب ایسے نالائق ہیں کہ ہمارے سسر نے  
اور خود انہوں نے بھی ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا۔

**اختر۔** اسی سے تو کہتی ہوں۔ اپنے اوپر رحم نہیں آتا۔ تو اس (جو کو بیار کر کے)  
بھولی نادان پر رحم کرو۔ وہ تدبیر کر و حیل سے قہاری بانی عرا بھی طرح بسر ہو جاؤ  
اور یہ عیش کے تم نے جو کچھ سوچا ہے یہ بھٹاک نہیں ہے۔ میں تم سے اس وقت  
پہلے پہل ملی ہوں۔ اور ایسی باتیں کرتی ہوں۔ تم اپنے دن میں ضرور کہتی ہوگی۔ انہیں  
آج ہی انیساقی مل گیا ہے کہ مجھے بڑی بوڑھوں کی طرح سمجھا رہی ہیں۔ میں تم سے  
چھوٹی ضرور ہوں۔ مگر تمہارے لئے نئی ملنے والی نہیں ہوں۔ مجھے تم نے اتنا نہیں  
دیکھا تھا۔ یہ دوسری بات ہے۔ مگر بھائی جان کی شفقتوں پر خیال کر دو میں ویسی ہی ہوں  
جیسے ان کی ماں جالی بہن تمہاری سگی تند ہوتی۔ چاہے تمہاری آنکھوں کے سامنے  
رہوں یا تم سے جدا۔ مجھے یہ حق ضرور ہے کہ میں تمہاری بھلائی کی تم سے کہوں سنتے  
نہ سننے کا نہیں اختیار ہے۔

**بیوہ بیگم۔** ضرور ہے۔ مگر کہو یہی کچھ۔

**اختر۔** ہاں ہماری خلیا ساس کی رٹ کی بڑے اونچے گہریا ہی گئی مگر.....  
دو دو میرے لئے چپ ہو گئی)

**بیوہ۔** ایسے سب خاموشی سے گہرا کر کر گیا۔ کہتے کہتے چپ کیوں ہو گئیں  
کچھ نہیں لکایا اور بات یاد آئی۔ پھر کسی وقت کہو گی۔

**بیوہ۔** ہاں پہلے اسے ختم کر لو۔

**اختر۔** بیاہ کے دو تین مہینہ کے بعد اوپر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

**بیوہ۔** اگہر اگر رنج ظاہر کرنے والے بھجے سے ہے کیا غضب ہو گیا۔

اوسکا.....

**اختر۔** ہاں بھاری بیوہ ہو گئی تھی یہی سبھی ہے اسکا دیا گھر میں سب کچھ ہے  
وہاں دولت جا کر گیا نہیں ہے۔ بلکہ اولاد نہیں ہے۔ بیوہ۔ سنا کہ خاندان میں کوئی روکا نہیں

اختر۔ کوئی نہیں۔ اسکا دہا خود اپنے کنبہ کے کئی آدمیوں کا وارث ہوا تھا۔ انکی  
 سب دولت ہی اوسی کو ملی  
 ہو۔ ان لوگوں کو بی اولاد ہوئی۔  
 اختر۔ بلکہ اس کے سوا کوئی وارث تھا ہی نہیں جیسی ان کی جائیداد اوسے ملی۔  
 اس کے بعد اسکا کوئی وارث نہیں۔  
 ہو۔ یہ ہی عجیب بات ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے۔  
 اختر۔ اسی قدرت۔  
 ہو۔ بیشک۔ اس تمہاری کہو۔  
 اختر۔ وہ جا رہی ہیں۔  
 ہو۔ کسی کو دلیں۔  
 اختر۔ (کچھ امید بآر خوشی ظاہر کرتے والے ہوتے ہیں)۔  
 ہو۔ اپنے کنبہ سے کوئی رکالے لیں۔  
 اختر۔ (جلدی سے) نہیں۔ وہ کہتی ہیں میں راک کی لونگی اور وہ ہی جھوٹی سی  
 عمر کی بہت خوبصورت۔  
 ہو۔ کیوں۔  
 اختر۔ معلوم نہیں۔  
 ہو۔ راک کی شادی کریں گی تو وہ اتنے جدا ہو جائیگی۔ اور راک تو وہیں بیاہ کر  
 لائے گا اور نکاح کر آیا ہوگا۔  
 اختر۔ نہیں وہ کہتی ہیں میں راک کا بیاہ ایسی جگہ ایسے راک سے کروں گی جو  
 میرے پاس رہے۔ بیٹی داماد وہ تو ہی رہنے لگے اولاد ہوگی میرا گھر ہر جا بیگا  
 اور اونکا یہ کہتا ٹھیک ہی ہے۔ اونکے گھر کیا کی ہے جو راک کی کو سسرال و بیوت  
 منظور کر لیں اوسکی دولت بعد رکھے ایسے راک بہت مل جائے۔  
 ہو۔ ضرور۔ مگر۔۔۔۔۔  
 اختر۔ مگر کیا۔  
 ہو۔ تمہاری بات غم کر تو میں یہی بتا دوں گی۔

اختر۔ دبو کو پیار کر کے انہیں ایسی اچھی لڑکی کہاں ملے گی۔ اور تم کو اس سے  
اجھا موقع نہ ملے گا۔ میری صلاح یہ ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ وہیں رہو۔ میں اونہیں اس  
لڑکی کو دکھاؤں گی وہ ضرور پسند کر لیں گی۔ اور تم سے لاکھوں منٹ آرزو سے  
مانگینگی اس وقت میں اسے یہ قبول کرالوں گی۔ بہابی جان کر اور کوئی اولاد نہیں ہے  
اکلی بیٹی ہے۔ وہ بھی اسکے ساتھ رہے گی۔

بہو بیگم۔ وہ کیسے منظور کر لینگے۔  
اختر۔ کیوں نہیں۔ اور اپنے بس منظور کریں گی۔ لڑکی بغیر تھارے رہے گی  
نہیں جو تم کہو گی منظور کرنا ہی پڑے گا۔  
بہو۔ یہ کیسے یقین کر لیا کہ وہ اسے پسند کر ہی لینگے۔  
اختر۔ ہاں مجھے خوب یقین ہے۔  
بہو۔ اونکی عمر کیلے۔

اختر۔ مجھے دو گنتی ہوگی۔ ہماری خلیا ساس کی پہلی سوت کی بیٹی ہے انکی ماں پہلی  
بیوی مر گئی تب ہماری خلیا ساس سے اونکا بیاہ ہوا۔  
بہو۔ پھر اتنی چھوٹی اسی لڑکی چاہتی ہیں جب تک وہ سیانی ہوگی وہ  
گور کا کوٹا آباد کریں گی۔

اختر۔ اور کیا۔ مگر اسے یہ آرزو ہو نہیںے سے عمر کی ہوگی تو میں اس کے بچپن  
کی بہار دیکھوں گی۔ ذرا سیانی ہوگی اسکا بیاہ کر دوں گی کوئی دسویں ہی برس۔ نہیں  
سی دواہن کی بہار دیکھوں گی۔ میرے سامنے جوان ہوگی۔ اونکی اولاد ہوئی تو تو اسی  
نواسہ کو کہلاؤں گی۔ مگر یہ سب سسر تیں گور میں لیجا لینگے۔ اور کیا انکی عمر اور روز  
کی بہار بس انکے بعد تھی تم ہو۔

بہو۔ عیب نہ ہے۔  
اختر۔ یہ بھی کہتی ہے۔ لڑکا ایسا تلاش کروں گی جو لڑکی سے کم سے کم چار پانچ  
برس بڑا ہو۔

بہو۔ یہ کیوں۔  
اختر۔ جلدی سے اولاد ہو۔

بہو۔ تو وہ اس لڑکی کی شادی اپنی خوشی کے لئے کرینگے۔

اختر۔ ہاں۔

بہو۔ چاہے لڑکی تمام عمر غذا پیس رہے۔

اختر۔ وہ غذا پیس کیلئے رہیں جو ان کے یہاں کیا گئی ہے۔

بہو۔ کیا بوی کی خوشی ہر طرف میاں کی دولت ہی پر موقوف ہے۔

اختر۔ پھر اسے کیا تکلیف ہوگی۔

بہو۔ ایسا لڑکا تلاش کریں گی تو صورت ہی صورت ہوگی سیرت کا خدا

مالک ہے۔ نیک چلن بہتر مند۔ شعور دار۔ بہلا مانس تو اس گوں کا ملنا مشکل ہے۔ غرض

جیسا ہوگا جو ہوگا۔ ان کے مطلب کا ہوگا تو اس سے شادی کر دیں گی مہر تو بھئی بنانی

بات ہے بیوی شعور دار ہے تو ایسا شوہر اس کے لئے عذاب ہوگا۔ یہ تو زمانے کی بات

تھی۔ اس میں اپنی کہتی ہوں۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں۔ نیو کے نسبت دل ہی دل میں

کچھ ہو چکی تھی ہے۔ جب تک سیانی نہ ہو جائے اور اس کو حلین نہ دیکھو جائیں۔

نہ کہیں اور ہو سکتی ہے نہ وہ۔ یہاں سے جانے کی کہو۔ تو میں اس میں بھی خجیڑ ہوں۔

اس کے باپ کی وصیت ہے کہ میں گھر سے باہر قدم نہ نکالوں چاہے کیسی ہی مصیبت

کیوں نہ آئے۔ پھر تمہی بتاؤں کیسے جاسکتی ہوں۔ تمہارا جی میرے ساتھ رہنے کو چاہتا ہے

تم میں رہو۔ جیتیک رہ سکو۔

اختر۔ (مہبت اور اس ہو کر) خیر لگا رہی سے کہے دیتی ہوں زیادہ سے زیادہ ایک

مہینہ رہ سکتی ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔

بہو۔ شرط کچھ نہیں۔ اب ہم ایسے ہی گئے گذرے نہیں ہیں۔ کہ تمہارا بیتے

دن رہنا دو بہر ہو جائے۔ میں تکلف سے نہیں کہتی بنو کی قسم تم سال بہر ہی رہو تو

مجھے کچھ تکلیف نہ ہو۔

اختر۔ خیر تو یہی ہے۔

بہو۔ (دعا کو آواز دیتی ہے) عظمت اے عظمت۔

عظمت۔ (ساتھ اہل حضور۔)

بہو۔ یہ وقت آیا۔ اور تم نے ان لڑکیوں کے ناشتہ کی کچھ فکر نہ کی۔

عظمت - کیوں ہیں کی۔

بہو - کیا فکری ہے میں بھی سنوں۔

عظمت - رات کا سالن رکھا ہے اس وقت خاکینہ بنا لیا ہے پر اسٹے تل رہی تھی۔

بہو - اور کچھ مٹھائی نہیں

عظمت - کیوں نہیں بازار سے لے آؤں گی۔

بہو - بے کب آؤ گی۔ یہی وقت ناشتہ کا ہے کیا کہانے کے وقت دو گی۔ بہر کہا تا کب کیا سچی گے۔

اختر - نہیں ناشتہ کی نہیں عادت نہیں ہے۔

بہو - واہ پھر وہی تکلف (عظمت سے) جلدی لے آؤ پر اسٹے نصیبین

کو دید وود۔۔۔

عظمت - بہت اچھا۔

عظمت جلدی سے بازار سے مٹھائی لائی جب تک نصیبین نے پر اسٹے تیار کر لئے ناشتہ سب نے کھا لیا۔ دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع ہو گئیں۔ کھانے کے بعد شہ بھادرج میں پھر وہی باتیں چہر گئیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ اختر کو بیاں پورا ایک ہفتہ ہو گیا۔ اور روز ہر وقت ویسی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ اختر نے اپنی بھادرج کو بہت سمجھا یا لانچ بھی دیا کہ کسی طرح وہ اس کے ساتھ چلتے پر ابھی ہو جلتے یا جو کو ساتھ کر دی مگر اس کی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اسکا اُسے بہت رنج ہوا تاہم وہ ابھی بیاں کچھ دن اور رہتی لیکن آٹھ میں دن آگاہ سے خط آگیا اس میں لکھا تھا تم حفظ دیکھتے ہی چلے آؤ۔ اس نے اوسے دن اسادہ کیا مگر بہو یکم نے تجا نے دیا دوسرے دن مدد ملی گاڑی میں جا نے کی ٹہری۔

مگر دوسرے دن بھی جانا نہ ہوا جب دن خط آیا تھا اس سیدن را کو بارہ بجے تک شہ بھادرج باتیں کرتی رہیں سوئے وقت بھادرج نے شہ سے گاڑی مانگی جس سے بنا گئے دی اور دونوں سو رہیں دووہی نہ بچنے پائے تھے کہ کسی نے زور زور سے ابکائیاں لیتا شروع کیں۔ اختر ان کی آواز سے جاگ اٹھی گہرا اکاٹھ بیٹھی۔



جلدی سے بچھا کون ہے یہ کون الکیا لیاں لیتا ہے۔ بہا بھی جان تم ہو کیوں یہ کیا ہوا  
ابھی تو تم سوئی تھیں۔

بہو۔ یکا یکا آنکھ کھل گئی۔ اور جی متلائے لگا۔

اختر۔ دگر بہر اسٹ ظاہر کرنے والے بوجھ سے (کوئی سبب۔ ایسی کوئی چیز  
ہی تو نہیں کہانی۔

بہو۔ کوئی نہیں۔

اختر۔ شاید باتوں ہی باتوں میں وہ ایک حوالہ زیادہ کہانی ہو غیر۔ میرے  
پاس سلیمانی نمک ڈاکٹر کشیش پرشار بہار کو کا بنایا ہوا ہے جلی ساری زمانے میں دھوم ہے  
اور جبکا بہت بڑا کا رخا نہ محلہ لگا لے کھاٹا بنا رہا ہے وہ ایسی شکایتوں  
کے لئے اکیر ہے۔ مجھے دو تین برس سے التزیدہ مضمی ہوئی تھی جسے میں یہ نمک  
کہانی ہوں ابھی تندرست ہوں۔

بہو۔ ناں کچھ ایسا ہی ہوا میں سلیمانی نمک نہ کہاؤں گی بچے کچا آثار زہر  
کے سے معلوم ہوتے ہیں۔

اختر۔ قے تو نہیں ہوئی۔

بہو۔ نہیں۔ ہو جاتی توجی ہلکا ہو جاتا۔

اختر۔ اسے ہے خدا نہ کرے۔ دشمنوں کو۔

بہو۔ مثلی بہت ہوتی ہے۔ اور پیٹ میں مڑوڑ بہت ہے۔ یہ معلوم  
ہوتا ہے کوئی آنتیں کاٹے ڈالتا ہے۔

بہر بکائیاں لیتے لگی۔

اختر۔ ریٹوں سے الائی نکال کر دیتے ہوئے) یہ لوالا بچی کہا لو بڑا جی بھلاؤ  
مشائی کا دھیان چھوڑ دو۔

بہو۔ والا بچی لیکر جی بھلائے سے کیا ہوگا کہیں مثلی یوں رکھتی ہے۔

اور وہ درد کی شدت سے زور زور سے کراہتی اور لوٹتی ہے۔

اختر۔ یا اللہ یہ کیا ہوا۔ بڑا غضب تو یہ ہے۔ اس وقت کوئی دوا مل نہیں سکتی  
نہ کوئی حکیم آ سکتا ہے۔

بہو بیگم - ہائے اسد - اختر بیگم - ہائے میں چلی - یا اسد تو یہ - ہائے ہائے اُف اُف - آہ آہ -

اختر - (روانی آواز سے) بہابی جان گہراؤ نہیں - دلکو مضبوط رکھو - خدا فضل کرے گا - خدا کرے کوئی ادب بات نہیں معمولی بد مصنی ہے -

بہو بیگم - مگر میں مری جانی ہوں - اُف - ہائے اسد سپٹ پکڑ کر تسخ جانو کی درد پھر ہوا اور کام تمام ہے - ارے کسی حکیم کو بلاؤ - ہائے میری بچی میں بچے جھوڑ چلی ہائے تیرا کوئی نہیں ہے آہ - آہ - لو پھر - ...

اور پھر وہ تڑپنے لگی - اُسکے کراہنے تڑپنے چلانے سے گہر کی سب غور میں جاگ اٹھیں - بنو ایکلی سوتی رہی جعفری اور محمدی نے اپنی ماں کی تجویز سے مانی کے دو نوٹوں بازو کسر باندھ دئے

اختر - ہائے کوئی دست ہی آجائے - یہ درد تو کم ہو - بہابی جان چلاؤ نہیں بنو یہی جاگ اٹھیں تو - ...

بہو - جاگ کیا اٹھیں گی اُسے جگا دو - میں چلتے چلاتے اوسے پیار تو کر لو ہائے میری بچی - تو ایکلی رہ گئی ہائے تیرا کوئی والی وارت نہ رہا - اختر - خدا کرے بہابی جان دلکو ذرا مضبوط کرو -

اُسی وقت دروازہ کی زنجیر کسی نے بجائی - ما اعظمت من جہلا کے کہا - اے ہے اسوقت کون زنجیر بجائے آگیا

باہر سے ایک آواز - ہم ہیں - عظمت یہ کیا ہے کون بیمار ہو گیا ہے کسکو قے ہو رہی ہے آواز تو بہابی جان کیسی تھی -

بہو - (جلدی سے) ہائے ہائے - عظمت نے جلدی سے دروازہ کھول دیا - نہیں یہاں ہیں آواز کو ابھی طرح سنا یاں - وہی ہیں - جلدی کھول دو

اختر - یہ کون ہیں -

بہو - پڑوسی ہیں - ارے ارے ارے - ہائے اسد - ہائے ہائے اُف اُف - انکی بڑے دوست ہیں - میں انکے سامنے ہوتی ہوں مجھے بہابی کہتے ہیں حکیم ہیں - عظمت جلدی سے دروازہ کھول دے -

آخر۔ میں مہٹ جاؤں تمہاری تو دھوئیں میں لگیوں سانسے آؤں (الکیریں)  
تم ہی جلوہ داران میں بیٹھیں گے۔

عظمت بڑ بڑاتی گئی دروازہ کھول دیا۔ حکیم نغمین سیال۔ اپنے بہائی کے پاس پہنچ گئے  
نغمین دیکھی سب حال سنا۔

نغمین میاں۔ گھبراؤ نہیں۔ میں مرض کو سوجھ گیا۔ ابھی آرام ہو جائیگا۔ شہر میں ابھی  
دوا گھر سے لاتا ہوں۔

بجاری پیر دوڑی گئی۔ دوا اور مہٹا لے آئی۔

حکیم صاحب۔ بویہ دوا مہٹے میں ڈال کر پی لو۔ ابھی تم ہو جاؤ گے۔ تم ہوئی اور  
ورہ اندازہ۔ مہٹا ہی اس وقت گھر نہیں میں بل گیا نہیں بہت مشکل ہوتی۔ میں  
بے خبر سو رہا تھا کیا ایک تمہاری ابکائیوں کی نواز سے چونک پڑا۔ مگر یہ سمجھ میں نہ  
آیا کہ ہر سے آواز آتی ہے تم زور سے جلاؤ تب میں تمہاری آواز پہنچی  
بڑی نیریت گزری مجھے خبر ہو گئی کہ نہیں تھوڑی دیر میں۔ .... اُف بہت سخت مرض  
تھا۔ .... مہٹا جلدی سے پی جاؤ۔

بہو۔ سب اتنا تو بیا بگاڑے گا۔ بہری مشکی ہے۔

حکیم صاحب۔ جتنا پایا جاوے۔ تم ہو جاؤ تو پھر پینا۔ صبح تک بڑھتی تھوڑے کرو۔ دھم  
میں بڑی ایک دوا گھول کر لو جلدی سے پچاؤ۔

بہو بگم نے سمجھا پایا۔ بیٹے ہی خوب کھل کے تھے ہوئی حکیم صاحب نے چراغ کی روشنی  
میں تے کو خوب غور سے دیکھ کر کہا "ہاں وہی ہے۔ مگر اب کچھ اندیشہ نہیں۔ بہائی  
جان دو تین بار تے اور کڑا لویہ سب مادہ کھجوا لے گا۔ ابھی ہو جاؤ گی۔

بہو بگم نے ان کی ہدایت کے موافق صبح تک چار بار اسی طرح تے کی حکیم صاحب  
بیٹھے رہے آخر تے کو پھر انھوں نے خوب غور سے دیکھ کر کہا بس اب تے ڈالو۔

اب دوسری دوا دوں گا۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ وہ دوا ابھی بلانی گئی۔ بیٹے ہی نیت  
آگئی حکیم صاحب یہ بکھر رخصت ہو گئے۔ انہیں سوئے دو کوئی جگہ گئے انہیں سکو دروازہ

تک جا کر لوٹ آئے۔ یہاں عورتیں پھر داران میں چلی گئیں۔ حکیم صاحب صبح کے  
و بجے تک نہیں بیٹھے رہے۔ اس مرض میں بنوا ابھی حکیم صاحب لے آئے بھلا

ٹھسلا کے پر سلا دیا ٹھیک ۹ بجے ہو بیگم سوانہیں۔  
 حکیم صاحب۔ بہانی جان۔ اب میں جانتا ہوں دوسری دوا تمہارے لئے آؤں  
 اسے شام تک آدہ آدہ گنڈھ کے بعد پیتا رہیں۔  
 وہ دوا لگے آؤ تو پھر انھوں نے تاکید سے کہا آدہ آدہ گنڈھ عیداس کو پیتا یہ نشان  
 بنا دے ہیں انکے مقدار سے زیادہ نہ پیتا۔ اور کچھ کھانا پیتا نہیں وہ یہ کھکھکے  
 اختر۔ اور دونوں رٹکیاں خدا کا شکر کرنی بہو کے پاس آگئیں۔ شام تک ہو بیگم  
 کی طبیعت بالکل جاتی ہو گئی۔ تو اختر نے بہت اصرار سے اپنے جانے کے لئے  
 کئی بار پوچھا آخر بیگم نے اجازت دیدی اور ٹھیک ۱۲ بجے وہ چلیں گاڑی  
 شاید ایک بجے کے بعد آتی ہے مل جائیگی اور وہ روانہ ہو جائیں گی۔

## جو تھا باسک

خونِ حق ہوں وہ کس طرح سے کہوئے چمکو  
 رسلِ آروں پہ قوسِ سن سے وہ دہوئے چمکو

## مقابلہ

دور سے چہنچہا کر رہے۔ ای۔ ای۔ ای۔ پچو پچو! ای۔ ای۔ ای۔ گھگھی بندھنے کے سب سے  
 رٹ پڑائی (دبا رہے) بیگم ای۔ کون۔۔۔۔۔  
 ہونے کے ڈر پر کب سپاہی نے اپنے ساتھی جہان سے یہ اس طرح کہا اور پھر اس کے  
 جھٹ لگیا۔  
 جوان۔ کہاں۔

ہووا سپاہی۔ یہ اسی دور خست کے نیچے (چپکے سے) کوئی جڑیل ہے اور ہر بخاؤ۔  
 جھوٹا سپاہی پڑھ رہا ہے۔

جہاں سے فساد کی دوسری یا تیسری تاریخ ہے رات کے آٹھ بج گئے ہوئے جاندن جب ٹھیک  
 ہو کچھ ہوا یہی تو اندھیا رہی ہے۔ مگر نہ ایسی کہ کوئی نظر آنے چاند کے سوا اور بعض بڑے

بڑے ستاروں کی جیسی اور جیسی روشنی نے، ایسی جھن کے منہ پر کچھ غلاہ سا لگا اُسے سا فولا  
بنانے کے لیے لگو شمش کی ہے یا آسمان کو اس وقت اس سنان بنگل اور وحشت  
ناگ داسن کوہ سے ان دو نو گذرے والوں پر رحم آگیا ہے۔ مفلسوں کے جبرائع  
جس میں نیل وادی ہی وادی ہوتا ہے ناگ گرد کار ہا ہے۔ دونو سپاہی غلی ہاتھیں  
ابھی آبنے سینس لکر کے تلوار ڈاس میں لگا کر بیٹھ پر بیچہ باند سے جارہے ہیں۔  
انکی پشت گوالیار کی طرف ہے شہنہ جس طرف جاتی ہوں۔ انکے جلدی جلدی گٹھنے  
وائے قدم صاف تہہ رہے ہیں۔ جس کام نے انہیں اس وقت چلنے پر مجبور  
کیا ہے وہ کہت ہی ضروری اور جلدی لگا ہے۔

دونو چلتے چلتے بھاڑی کے داسن میں ایک جھتلاہ درخت کے پاس پہنچتے ہیں  
یہاں ایک ایک چھان سیکو ہم ضرور بودا سپاہی کہیں گے اسی درخت کے نیچے  
سے آواز آتی ہے "اے میاں سپاہی کچھ اسد کے نام پر الفاظہ ضعف سے  
شیشی ہوئی آواز اور لڑائی زبان سے ادا ہوتے ہیں بودے سپاہی کا خوف  
بہت سے ہزار حصہ بڑھ جاتا ہے وہ بہر ضرور سے چیخ مارا ہے اور دھبے ہے یہ  
چڑیل لگا اے سپاہی جو ان سے چھٹ جاتا ہے۔

سپاہی۔ بالآخر کہاں چڑیل ہے تم بڑے بودے ہو۔ تو یہ سپاہی ہوا کر یہ ڈر  
میاں وہ تو کوئی عورت ہے۔

لودا سپاہی۔ (اویسی طرح جوان سے لیتے ہوئے نہیں وہ دیکھو اسکے پاؤں  
پرے پڑے ہیں آواز نہیں سنتے ناگ میں بولتی ہے۔ ابھی اس نے صاف  
صاف یہی تو کہا تھا، کہا جاؤ گے۔

جیللا سپاہی۔ (دھتے ہوئے) کہا تو یہی تھا۔ اور اب منہ پھیلائے اور ہی غلی آتی  
ہے۔ بھاگو۔ وہ یہی تو کہا لگی میں تو اس سے ڈرتا نہیں۔ دیکھو کسی جو ہے کی بل  
ڈا ہونڈ ہو۔ مل جائے تو واہ واہ۔ تمہاری جان بچ جائے۔ میاں جان ہے تو  
جہان ہے۔ جان بچے تو نوکری سیکڑوں اور غلی تو بھیجک کہیں لگی نہیں۔ ان  
بے ایمانوں کو کو سو جھنوں نے اس وقت نہیں بھیجا۔ مگر لگا کیا قصور ہے اس  
راستہ تر جو ہیں آئے۔ پہلے آدمی اس سے تو تم عورت ہی ہوتے۔ چوڑی نتھ

پتھر گھس بیٹھتے کسی کا گھر بستانہ تک دو چار رکوں کی ماں ہو جاتی۔ لاجل ولاقہ  
بڑے بوجھ سے ہو۔

درخت کے نیچے سے وہی آواز دہی لہجے سے سیاں جڑیل نہیں ہوں۔ ڈر نہیں  
آفت کی ماری۔ قسمت کی ستارے ہوں۔

جیالا سیاہی نیک بخت لوگوں ہے۔ یہاں گیوں بیٹھی ہے۔  
وہی عورت کیا تاؤں مصیبت کی ماری ہوں۔ قسمت یہاں لے آئی ہے۔  
جیالا سیاہی۔ فقر ہے۔

عورت۔ نہیں سیاں میری سات پشت میں ہی کسی نے بھیک نہیں مانگی  
خدا کا شکر ہے جس نے ہاتھ پاؤں میں طاقت دی ہے۔ ایک سخت فردوری کر کے  
اپنا بیٹا بالٹی نہیں۔ جب تک یہ چلتے رہتے یوں ہی گذر کر دوں گی۔ خدا وہ دن  
دکھائے۔ اوس سے تو موت بہتر ہے۔

جیالا سیاہی۔ مگر تو نے ابھی کہا تھا۔

عورت۔ ہاں میاں کیا کروں۔ ہاں مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ تین  
دن سے یہاں پڑی ہوں۔ رزق کے نام سے ایک دانہ نہیں ملا ہے۔ ایک  
ہند پانی نصیب ہوا ہے۔ ابھی اپنی گورائے نکل کے بیٹھی ہوں۔ بھوک بات  
لہیں کرتے دینی۔ پاؤں اٹھانا تو بہت مشکل ہے شگل میا بھیا تک ہے  
اور جان بڑی پیاری۔ ڈر میہ کہہ رہا ہے۔ سیاں پڑی رہی تو کوئی جاؤز کہا  
جا چکا۔ کیا کروں نہ مرتے مٹی ہے نہ جیتے۔ ہائے ہائے۔

اور وہ بہت دردناک لہجے سے روتی ہے سیاہی کو اس پر رحم آ جاتا ہے۔  
جیالا سیاہی۔ نیک بخت رو وہ نہیں ہمارے کرنے کے قابل جو کام ہوتا ہو۔ اور تو  
ہمارے پاس کیجی نہیں۔ اپنے کہانے کی روکھی روٹیاں ہیں۔

عورت۔ خدا تمہارا بیٹا کرے

جیالا سیاہی نے اس کے پاس جا کر تین روٹیاں اسے دیں اور وہ بودا  
سیاہی دودھی کھڑا رہا۔

عورت۔ دستا گرم اور گرد۔ میں انہیں کہاؤں تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

جیالا سپاہی۔ اچھا۔ مگر تم ہمارے ساتھ کہاں جاؤ گی۔

عورت۔ جہاں لے جاؤ۔ میں تمہاری لونڈی ہو کر رہوں گی تمہاری خدمت کروں گی روکھی سوکھی مل ہی جائیگی مجھے اور کیا چاہئے۔

جیالا سپاہی۔ نیک بخت ہم سپاہی ہیں۔ جہاں باغ و پیر کے نوکر۔ ہمیں اتنی گنجائش کہاں۔۔۔۔۔

عورت۔ میرے لئے گنجائش کیا چاہئے۔

جیالا سپاہی۔ کیوں نہیں۔ ہماری اپنی ہی گندہ شکل سے ہونی ہے ملک آدمی اور ہو جائیگا تو کیسے ہسر ہوگی۔

عورت۔ تمہارے آگے سے آخر آدمی ٹکڑا بیچ رہتی ہوگی۔ میں اسی سے بل جاؤں گی۔

جیالا سپاہی۔ لمبی نہیں بھی بچتی۔

عورت۔ کہی نہ بچی تو کیا۔ ایک وقت نہ سہی۔ بیٹا مجھے باقی دن گزارنے کے لئے اور کیا چاہئے۔ یہی روکھا سوکھا ٹکڑا اسودہ تم سے مل ہی جائیگا کسی وقت تم نہ دو گے اور کوئی دیدے گا۔ آخر وہاں اور لوگ بھی ہوں گے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں اچھی ہوتی ہے۔

عورت۔ پھر کیا ہے۔ میں اپنی ناز کے لائق وہاں سے پیدا کر ہی لوں گی۔ تمہارے گھر رہا کروں گی۔ میرے لئے یہی سہارا بہت ہے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ تمہاری ناز کے لائق تو ہمارے بیڑے ہی سے مل جائیگا۔ بہت سے سپاہی ہیں۔ اور سب کے بال بچے ساتھ ہی ہیں۔ ایک میں اکیلا ہوں۔

عورت۔ بیٹا تم اپنے ہی ہاتھ سے پکائے ہو گے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں اور کون پکائے گا۔

عورت۔ میرے رہنے سے تمہیں یہ آرام ملے گا۔ دونوں وقت کی بیکانی ملے گی۔ بھر صاف سہارا ہے گا۔

جیالا سپاہی۔ اور کہیں نوکری بھی مل جائے تو تم کر لیتا۔

عورت۔ ضرور۔ اندھا کیا جا ہے۔ دونوں کہیں۔

جیالا سیاہی۔ شاید صوبہ صاحب کے یہاں۔

عورت۔ نوکری کی کیا ہے۔ جہاں ملی۔ (روٹی ختم کر کے) بیٹا کہیں باہی بھی ملے گا۔  
سیاہی۔ کیوں نہیں۔ لوٹا دور ہمارے پاس ہے۔ یہاں سے قریب ہی  
کنواں ہے۔

عورت۔ لوٹا دور دو۔ اور کنواں تباہ میں پہلاؤں۔

جیالا سیاہی۔ تم کیا لاؤ گی میں لئے آتا ہوں۔

سیاہی باہی لایا عورت نے پیا اور سب ساتھ چلے۔ بودے سیاہی کو اب بھی  
اطمینان نہیں ہوا وہ اسی طرح ڈر رہا ہے۔ خوف سے اپنے ساتھیوں کے  
سایہ سے ہی دور ہے۔

جیالا سیاہی۔ عورت سے تم اس جنگل میں کیسے آئیں۔ اور کیسے یہاں تھیں۔

عورت۔ تین دن سے یہیں پڑی تھی۔

جیالا سیاہی۔ کہاں۔

عورت۔ اس درخت کے نیچے ایک گڑھا ہے۔

جیالا سیاہی۔ کیوں۔

عورت۔ جنگلی جانوروں کے خوف سے۔

جیالا سیاہی۔ کتنا گڑھا ہے۔

عورت۔ کبھی کنواں ہو گا۔ اب تو گڑھا بن گیا ہے۔

جیالا سیاہی تم اس میں کیسے گئیں اور نکلیں کیونکہ

عورت۔ رات ہو گئی۔ میں نے خوف کے مارے اس درخت پر چڑھنا چاہا  
مگر چڑھ نہ سکے۔ وہ گڑھا دکھائی دیا تو کود پڑی۔ خدا کی کریمی۔ چوٹ تو بہت ملی مگر  
جان بچ گئی۔

جیالا سیاہی۔ یہی غنیمت سمجھو۔ اور چوٹ کہاں لگی۔

عورت۔ منہ کے بل گری سینہ میں بہت چوٹ لگی اور سر میں کل شلغم تک۔  
اوس صدمہ سے بیہوش پڑی رہی۔



جیالا سپاہی کوئی جانور نہیں وہاں دیکھ لیا تو کیا چھوڑ دیتا۔

عورت۔ دیکھتا کیسے۔

جیالا سپاہی۔ کیوں۔

عورت۔ اس میں ایک طرف ایک بڑا سا بھڑو وار سے لگا کھڑا ہے۔ میں معلوم  
کسی نے کیوں۔ او سے وہاں کیسے کہتا ہے۔ وہاں پہونچتے ہی ہسک کر ادا کے  
نیچے لیٹ رہی۔ پھر مجھے خبر نہیں کیا ہوا۔ کل شام کو آنکھ کھلی تو درد کی تکلیف  
اور تھوڑک سے بڑا حال تھا۔ رات بہر چلے پڑی رہی صبح سے اس وقت تک  
جب کسی آدمی کی آواز آئی طاقت بہر چلائی۔ اے میاں جانے والی اپنی ہاتھ  
پاؤں کا صدقہ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ خدا کے واسطے مجھ کو اس کتوے سے  
کسی طرح نکال لو مگر کسی نے میری فریاد نہ سنی اس وقت دو تیس چرواہے اپنی  
گائیں بھینسین لئے کتوے کے پاس سے چلے۔ میں زور زور سے رونے لگی  
گنوار پڑے ڈھسٹ پھرتے ہیں میری آواز سن کر سب کتوے کے پاس ہی کھڑی  
ہو گئے۔ میں نے کچھ بائیں میں اور ایک نے کتوئیں میں جھانکا۔ میں نے اُس کے  
ہاتھ جوڑے منت خوشامد کی۔ اپنا سب حال کہا اس نے اپنے ساتھیوں سے  
کہا۔ رہنے مجھے نکال لیا۔

جیالا سپاہی۔ کیسے۔

عورت۔ اُنکے پاس رہی تھی۔

جیالا سپاہی۔ ہاں پانی بہرنے کی ڈور ہوگی۔

عورت۔ نہیں اچھی خاصی سوٹی رہی تھی مگر پانی ہی بہرنے لگی تھی۔

جیالا سپاہی۔ خیر۔

عورت۔ انہوں نے وہ رسی کتوے میں لڑائی ایک سر میں نے پکڑ لیا۔ دوسرا  
مکے ہاتھ میں تھا انھوں نے آستہا سہتہ مجھے پہنچ لیا۔

جیالا سپاہی۔ انہیں کے ساتھ چلی گئی ہوئیں۔

عورت۔ جانی کیسے۔

جیالا سپاہی۔ کیوں۔

عورت۔ وہ لے جاتے تھے جاتی۔۔

جیالا سپاہی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

عورت۔ نہیں میں نے اُسے کچھ کہا ہے کو مانگا۔ انہوں نے کہا اور کچھ تو

ہمارے پاس نہیں ہے یہ گلے بھینس ہیں۔ انکا دودھ ہو تو ہم دودھ دین

میں کہا اچھا بھاریوں نے آدھ سیر سے زیادہ تین پاؤں سے کچھ کم دودھ مجھے دیا۔

میں اُسے پیئے ہی بیہوش ہو گئی۔

جیالا سپاہی۔ یہ کیا۔

عورت۔ کئی دن کی بھوکہ تھی نہ۔ خالی پیٹ میں ایک ایک غذا ہو چکی۔ وہ

بھی دودھ ہی چلی چیز۔ اُس نے چلتے تو سے پرانی کا سا کام کیا۔

جیالا سپاہی۔ ٹھیک

عورت۔ میں بیہوش ہو گئی وہ نبھانے کیا سمجھے مجھے جھوٹ کے بھاگ گئے۔

جیالا سپاہی۔ بہت اگڑا کہاں ہے۔

عورت۔ میں پہلے ایک منشی جی کے یہاں نوکر تھی وہ لشکر سے چلو گئے۔

جیالا سپاہی۔ کیوں۔ اور کہاں۔

عورت۔ یہاں نوکر تھی اور کہیں بدل گئے مجھے ساتھ نہیں لے گئے۔ لشکر میں

معت مزدوری کرتی تھی۔

جیالا سپاہی۔ تمہیں کیوں نہ لے گئے۔

عورت۔ بیوی اپنے دس چلی گئیں۔ میں بہیں شہر میں محنت مزدوری کرتی تھی

ایک دن دو سپاہی ایک گھڑ خیر سے سر پر یہاں لے آئے۔ اور مجھے نہیں چھوڑ

گئے۔

جیالا سپاہی۔ کیسی گھڑی تھی۔

عورت۔ کچھ کپڑے تھے اور فرس تھا۔

جیالا سپاہی۔ پتھری اور فرس کوئی دسی ہوگی یا جاحم۔

عورت۔ جاجیں تھیں۔

جیالا سپاہی۔ وہ یہاں کیوں آئے تھے۔

عورت۔ نہیں معلوم۔

جیالا سیاہی۔ کہاں گئے تھے۔

عورت۔ بنائے۔

جیالا سیاہی۔ کیا یہاں غائب ہو گئی۔ آخر کہیں ٹھہری ہی ہونگی۔  
عورت۔ نہیں یہاں وہ نہیں دو فر دور مل گئے۔ وہ نہیں پر گھڑیاں لکھاکے  
چلے گئے۔

جیالا سیاہی۔ تم ان کے ساتھ کیوں اور کیسے اتنی دور چلی آئیں۔

عورت۔ انھوں نے مجھے کہا ہمارے یہ گھڑی ذرا دور پہنچا دے ہم چھ گھنٹہ  
دور آئے دیں گے۔ میں نے دوا آنے کا نام سنتے ہی گھڑی سسرور گھسی اور ساتھ چلی  
یہ بھی نہ پوچھا کہاں لجاؤ گے تھوڑی دور چلا گئیں نے پوچھا انھوں نے کہا میں ذرا  
دور اور پہلو اسی طرح گوالیاں نکالے آئے اور وہاں سے یہاں۔

جیالا سیاہی۔ اور تم چپ چاپ بے عذر چلی آئیں۔

عورت۔ نہیں۔ میں روئی چلائی۔ اونٹنی خوشامد بھی کی لگو وہ ایسی کب سنتے تھے  
جب میں کہہ کہتی تھی مجھے میرے جو ان کے ہاتھ میں تھی مارتے تھے میں یہاں بالکل  
شام کو پہنچی تھی انھوں نے گھڑی مجھ سے لیلی اور وہ دین بیدار گئے رخصت کیا خوب  
چلاؤ۔ میں روئی بیٹھتی یہاں رہ گئی۔

جیالا سیاہی۔ انھوں نے تبر بہت ظلم کیا۔

عورت۔ ہاں انے خدا سمجھے۔

جیالا سیاہی۔ اب تم ہمارے ساتھ چلنی ہو۔ ہم بھی سیاہی ہیں۔ ہم ایسا ہی کریں  
نہیں کہیں اور چھوڑ دیں۔

عورت۔ نہیں بیٹا۔ دنیا میں سب آدمی لکب سے نہیں ہوتے وہ پورے  
صدائی تھے۔ تم ایسے ہوتے تو مجھے روئی کیوں دینے پانی کیوں پلاتے۔  
جیالا سیاہی۔ ہمارے یہ یہاں صاحب تم سے خوف گئے تھے۔

عورت۔ بیٹا اب تو رات ہے۔ محل میں بھی لوگ میری آواز سنتے تھے لوگ پس نہ  
آنے تھے وہ بھی ڈرتے ہوئے۔

جیالا سیاہی راجھا ڈر ہے۔  
 عورت۔ بیٹا تم کہاں جاؤ گے۔  
 جیالا سیاہی۔ سب گلاؤ۔  
 عورت۔ میں اتنی دور۔۔۔ آج کیسے پہنچوں گے۔  
 جیالا سیاہی۔ نہیں راستہ میں دو مقام کریں گے۔  
 عورت۔ آج کہاں پھر دوں گے۔  
 جیالا سیاہی۔ یہاں سے جا کر کوس پر ایک گاؤں ہے، راکو وہاں رہیں گے صبح چلے جائیں گے۔  
 شام کو پھر ایک جگہ پھر جائیں گے پھر ۱۲ بجے چلیں گے۔  
 عورت۔ تمھاری خوشی میں اب تمھارے ساتھ ہوں۔ اہ۔ تم وہاں کس بڑے میں لوکر ہو۔

جیالا سیاہی۔ تم میں  
 عورت۔ صوبات میں لوکر دیے ہو۔  
 جیالا سیاہی۔ ہاں۔  
 عورت۔ تمھارے صوبہ صاحب کون ہیں کہاں کے ہیں۔  
 جیالا سیاہی۔ رام پور کے پنجان ہیں۔ عنایت اللہ خان صاحب۔ سرکار کے بڑے  
 خیر خواہ ہیں۔ اپنے گھر کے بہت آسودہ ہیں۔ بڑا کارخانہ ہے سب امیری ٹھاٹھ میں  
 عورت۔ میں جانتی ہوں۔ بہت مشہور آدمی ہیں وہی نہ جو کسی بڑے رئیس کے  
 سینہ پر چڑھ بیٹھے تھے۔ میں نے سنا ہے یہ اپنے گھر رام پور گئے تھے وہاں کوئی  
 پردیسی رئیس پڑے ہوئے تھے یہ بھی ان کے طاقت کو گئے انھوں نے کہیں  
 باتوں ہی باتوں میں بڑے سرکار مبارک جیاجی راؤ کی شان میں کوئی بات بے  
 ادبی کی سی کہی یہ بڑے شریف۔ سیاہی آدمی انہیں یہ بات کہاں۔ جبکہ یہ نمک  
 کہاں کوئی۔ ان کا نام بیکر منہ بھی بنا لے۔ ہاں وہی سرکار۔ ان کی بہت قدر کرتے تھے  
 اب یہی ان کی بہت عزت آبرو ہے۔ عورت۔ یہ سامنے کون آرہا ہے۔  
 جیالا سیاہی۔ کہاں۔

عورت۔ (چپکے سے) وہ کیا سامنے چلے آئے ہیں۔

جیالا سیاہی، اہ کوئی راہ گیر ہیں۔ تم ہی بہت سے ڈرتی ہو کیا۔  
عورت۔ نہیں۔ مگر۔

بہادر سیاہی، ڈرو نہیں۔ ہم ساتھ ہیں۔  
عورت۔ میں بھوت سے نہیں ڈرتی۔

بہادر سیاہی، پھر منہ کیوں مچھپا لیا۔

عورت۔ یہ وہی سیاہی ہوں۔ مجھے پھر کچھ لیجائیں۔

جیالا سیاہی، رہنے ہوئے وہ یہاں کہاں۔

عورت۔ کیا ہوا۔ یہاں وہ اکثر آتے ہی ہونگے۔

جیالا سیاہی، آیا کریں مگر اس وقت کہاں۔ اور نہیں تو تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔  
تم نے کیا خیال ہے۔

عورت۔ کہیں گے کچھ نہیں سب کچھ لیجائیں گے۔

جیالا سیاہی، اسبا بھی کیا اندھیر ہے۔ کچھ لیجانے کی کوئی وجہ بھی۔

عورت۔ نور ظلم کے لئے وجہ کیا جاسکتی ہے۔

جیالا سیاہی، اسبا زنا ہمارے سامنے نہیں چل سکتا۔ اس وقت تم اکیلی نہیں  
اب تمہاری طرف دیکھیں تو ذرا۔

عورت۔ خدا تجھے سلامت رکھے۔

جیالا سیاہی، اما، تم نے اپنا نام اتنا تک نہ بنایا۔

عورت۔ میرا نام قسمت ہے۔

انہیں باتوں میں وہ دو نو مارواٹے قریب ہو گئے۔ دونو بہت قوی ہیکل جوان

ہیں۔ صورت دکھائی ہی نہیں دیتی۔ ہم اوسکے اچھے بُرے ہونے کی بابت

کیا کہیں سہرا آدھے تھکان سے زیادہ لانا تامل کا دوپٹہ بچائی وضع سے بندھا

ہے۔ سی کے دو تین بیچ سے کان مانتا سب چھپا ہے۔ منہ چھپاے کے لئے

ڈھانچا بندھا گیا ہے جس نے تھوڑی کے نیچے سے آنکھوں تک تمام منہ کو چھپا لیا

ہے۔ ٹانگوں میں بچائی تراس کا جوڑیدار اور سب پا جا مہ اور بر میں بہت ڈھلا

بچائی کرتے ہے۔ گردنوں کی چرمی بیٹی سے کسی ہے اور دونوں کی ڈاب میں

تو اس سے۔ وہ ادھر خریب ہوتے جاتے ہیں اور حسرت کے مومن حواس اُنکے خوف کے ذریعہ سے اوپر تصدیق ہونے کے لئے ادھر ہی چلے جاتے ہیں۔  
حسرت۔ (چپکے سے) بتا دو یہی معلوم ہوتے ہیں۔  
جیالا سیاہی۔ ہونے دو۔

حسرت۔ (خوف زدہ آواز سے چپکے سے) ہماری ہی طرف چلے آتے ہیں۔  
جیالا سیاہی۔ آتے دو۔  
حسرت۔ مجھے کہیں بھیجا دو  
جیالا سیاہی۔ کیوں۔

حسرت۔ ہاں وہ مجھے بکا لیا میں گئے۔  
جیالا سیاہی۔ نہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے چپ چاپ چلی چلو۔  
ان کی سرگوشتوں کی کچھ بہننگ اُنھوں نے ہی سن لی۔ وہ دو توجہ کئے ہوئے  
ان کی طرف بہت غور سے دیکھا اور ایک نے دوسرے سے کہا۔ ”یہ کون ہیں“  
دوسرا۔ ادھر وہ۔  
پہلا۔ نہیں۔

دوسرا۔ آج ہمیں کیا ہو گیا ہے۔ اپنے سایہ سے نہ ہی بڑھ کر رہے ہو۔ میان سا فرہیں  
کہیں کسی کام کو جانے ہیں۔  
پہلا۔ مسافر اور یہ راستہ۔

دوسرا۔ تم اس راستہ سے کیسے آئے۔  
پہلا۔ ہماری اور بات ہے۔ ہمارا ہی سائنڈ آدمی ہو۔  
دوسرا۔ دنیا میں سوا سارے سب بڑے ڈر ہوگے ہی ہیں۔  
پہلا۔ یہ نہیں سہی۔ مگر یہ ہماری طرف کیوں آتے ہیں۔  
دوسرا۔ یہ بھی خوب ہے۔ وہ اپنی ماہ جانتے ہیں۔ وہ بھی ہمیں ایسا ہی  
کہیں تو۔

پہلا۔ کہتے ہیں تہ تم نے دیکھا نہیں۔  
دوسرا۔ دیکھا یا کانوں سے بھی دیکھتے ہیں۔ ہمارے حواس کہاں جرنے

گئے ہیں۔

پہلا۔ اہ سنا سہی۔

دوسرا۔ جی ہاں خوب سنا۔ کچھ باتیں کرتے تھے۔

پہلا۔ کچھ نہیں۔ ضرور کچھ بھی ہی باتیں نہیں۔ اور دیکھو ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔

دوسرا۔ ہے۔

پہلا۔ وہی عورت؟

دوسرا۔ ہاں تو گئے ہو۔ وہ کیا ہوئی۔

پہلا۔ کیوں۔ میں نے تم سے کہا نہیں تھا۔

دوسرا۔ جی ہاں۔ اور وہ اب اس مل بھی گئے۔

پہلا۔ بہانی وہی عورت ہے۔ اس نے منہ بھی چھپا لیا ہے۔

دوسرا۔ جی ہاں آکھو بھان لیا ہے نہ۔

پہلا۔ نہ بھان نا ہو۔ شبہ تو ضرور اسے ہی ہوا ہے۔ دیکھو اس کا ڈیل ڈول

سب اوی کا سا ہے۔ مگر یہ دونوں سپاہی کون ہیں۔

دوسرا۔ اہ۔ کوئی ہونگے۔ اپنے راستہ جا رہے ہیں جاتے دو۔ ہم سے

اچھینکے تو دیکھ لیں گے۔

پہلا۔ نہیں جی۔

دوسرا۔ اپنا کام کر دو۔ انہیں جانے بھی دو۔ وہ بھی تمھارے ہی ایسے راگیر

میں ہیں اور کچھ نہیں!

پہلا۔ نہ سہی۔ گوانی بیٹھو بگڑیاں بند ہی ہیں۔

دوسرا۔ ہوا کریں آپکا مال لئے جاتے ہیں کیا۔

یہ دونوں سپاہیوں سے بہت قریب ہو گئے تو وہ ہوا سپاہی اسنے ڈاکر

ایک طرف بھاگا۔ انھوں نے آپس میں کہا بیشک یہ ہمیں پیہر بچانے

ضرور ہیں نہیں تو وہ بھاگا کیوں۔

وہی پہلا۔ (دیکھ کر) کون ہماری طرف چلا آتا ہے اپنے رفیق سے جلدی سے

اب بھی کچھ شک ہے۔ دیکھو وہی عورت ہے۔  
دوسرا۔ ہوئی۔ وہ نہ جلتے کیوں پہاگ گیا اور تم کو اپنے دہم کا یقین ہو گیا  
وہی سہی۔

وہی پہلا۔ اُسکا ہونا ہمارے لئے اچھا ہے؟ نہیں اوسکو پھر کہی نہیں ہوتا  
جائے۔

دوسرا۔ بیشک۔ پھر کیا ہے۔ سچو۔

وہی پہلا۔ (پھر اسی طرح جلتے کے) کون ہماری طرف چلا آتا ہے جواب  
کیوں نہیں دیتا۔

حشمت۔ (دیکھتے سے) اب بھی چپ ہی رہو جواب نہ دو۔ ذرا کتر جاؤ اور چلے چلو۔  
جیالا سا ہی۔ نہیں (چلا کے) مسافر ہیں۔

وہی پہلا۔ خوب کوک کے ہتھارے ساتھ یہ کون عورت ہے۔  
جیالا سا ہی رہنا ہی ما ہے۔

وہی پہلا۔ ارے اُسکا تو سر ہلتا ہے ہاتھ پاؤں بھی ہلتے ہیں۔  
حشمت۔ (اویسی طرح کہو نگہٹ نکلتے ہوئے) ہاں بیشا دناک میں بولتی ہے

وہ بھی تناسکے میں اس کی ماہوں۔ وہ اُسکا چھوٹا بھائی ہے جو بہاگنا جاتا ہے  
دوسرا۔ تیار اسارا دیں کیوں کا پنتا ہے۔

حشمت۔ بیشا لغوی مار گیا ہے۔

پہلا۔ اور تم اتنا گہرا گہو نگہٹ کیوں نکالتے ہو۔

جیالا سا ہی۔ ہم غریب ہیں تو کیا۔ میں پہلے ماسن۔ بہانی ہماری حلین پہلے ماسنوں  
ہی کے ایسی ہیں۔ نگہادی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ پہلے اس پردے کے سبب سوار یوں

پر نکلتی تھیں۔ اب غریب نے سوار یاں لے لیں تو ہم اپنا پردہ کیوں چھوڑیں  
وہی پہلا۔ ٹھیک ہے۔ مگر آٹکو اور اس ٹگل میں۔ یہ گہو نگہٹ۔

جیالا سا ہی۔ ان کی عادت ہے۔ کسی وقت نہیں جائیں۔ خوب گہرا گہو نگہٹ  
نکال لیتے ہیں۔ یہ ٹگل ضرور ہے مگر آدمی یہاں بھی آنے جانے لیتے ہیں یہی  
ہی ہے۔



وہی پہلا۔ ٹھیک۔ تمہارا وہ بیانی کیون بھاگ گیا۔  
 جیالا سیاہی۔ وہ بڑا بودا ہے بھوت سے بہت ڈرتا ہے۔ ذرا پکا کھڑکا اور  
 اوسکی جان چلی۔  
 وہی پہلا۔ یہ راستہ ہی تو ایسا ہے۔ اور بھوت نہ ہی سنان خٹکے ہے  
 یہاں ہر طرح کا خوف ہے۔  
 جیالا سیاہی۔ راہ ہوا کرے۔ ڈرنے والے ہی کے لئے ہے۔

وہی پہلا۔ اور تم نہیں ڈرتے۔  
 جیالا سیاہی۔ نہیں۔  
 وہی پہلا۔ کیوں۔  
 جیالا سیاہی۔ کیوں! کیا بتاؤں۔ میں حلقہ تم نہیں ڈرتے۔  
 وہی پہلا۔ ہماری کیا ہے۔  
 جیالا سیاہی۔ کیا تمہارے چار ہاتھ ہیں۔  
 وہی پہلا۔ ہم برابر اس راستہ ہمیشہ آتے جاتے ہیں۔  
 جیالا سیاہی۔ ہم ہی۔  
 وہی پہلا۔ ہم سو رہا ہیں۔ میر ہیں۔  
 جیالا سیاہی۔ اپنے منہ سے۔ اور دوسرا ہم سے کیا کم ہوگا۔ ہم بھی سیاہی ہیں تم  
 کے بہانہ ہر روز اس راستہ آتے جاتے ہیں۔  
 اور اوس نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔  
 دوسرا۔ دیکھو! کیوں اب جیتے ہو۔  
 پہلا۔ تمہارے پاس یہ گٹھری کیسی ہے۔  
 جیالا سیاہی۔ اس میں کھلنے کی چیزیں ہیں۔ تم کیوں بوجھتی ہو کیا سرکاری محصول  
 لوگے یا کچھ اور دل میں آئی ہے۔ ان چیزوں سے تمہارا کیا پہلا ہوگا۔ اس نے  
 تلوار کا پٹر کھینچ لیا۔ اور گٹھری کھول کر دکھا دی۔  
 دوسرا۔ انہیں پہیا۔ میں تمہاری کسی چیز کے نیسے کیا سروکار ہے تو پاگل ہے

تم اسکے بابت کارہ مالوہ۔  
**حکومت**۔ داوسی طرح ہلتے ہوئے اوسی الجہ سے بیٹا نکار سے کیا حاصل ہم سفر  
 ہیں اپنے راستہ راستہ چلے جاتے ہیں۔  
 دوسرا۔ ہاں مائی۔ تم جاؤ۔ سیاہی سے یہی تم اپنا راستہ گھوٹا کر دو۔ اپنی رفیق  
 سے چپکے سے جلو یہ وہ نہیں ہیں۔  
 سب اپنی اپنی طرف چلے گئے تو دوسرے جوان نے اپنے رفیق سے  
 کہا ناخن ٹاٹس سے اچھتے تھے۔  
 پہلا۔ میرا شبہ بجا نہ تھا اس حد تک گتہ و سیاہی ہے۔  
 دوسرا۔ بیشک گروہ نہیں ہے۔ تمام بدن ٹوٹتا ہے تو لی ہے اور  
 ناک میں بولتی ہے۔  
 پہلا۔ ہاں۔  
 دوسرا۔ اور اسکا یہ بیباہت جیالا ہے۔ سیاہی ہے۔ اچھتے تو بڑی ہوتی  
 اسکے تیرے کہے دیتے تھے وہ اکیلا ہم دونوں کو بہت ہے اور کچھ جانتا ہی ہے  
 اس سے الجہ کمزور حیران ہوتے۔  
 یہ دونوں دھڑکے بائیں چپکے چپکے کرتے چلے جاتے ہیں ادھر وہ دونوں چپ چاپ  
 جا رہے ہیں یہ بہت دور نکل گئے تو وہ دونوں بھی چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔  
**حکومت**۔ میں نے اپنی آواز بدل لی۔ اور سر ہاتھ پاؤں ہلائے لگی۔  
 جیالا سیاہی۔ یہ وہی ہے۔  
**حکومت**۔ شاید۔ اور ہونے ہی تو مجھے نہ پہچانے۔  
 جیالا سیاہی۔ جلو خیر گذری۔ کوئی ہوں۔ میں بد معاش۔ ناخن اچھتے تھے میں دیا  
 نہیں اس سے وہ دب گئے۔  
**حکومت**۔ میں مدیجا را تو وہ ضرور ستا ہے۔  
 جیالا سیاہی۔ اور وہ بودا نجانے کہاں بہاگ گیا۔ گیا تو کیا ہوگا میں کسی جگہ چھپا ہوں گا۔  
 دکھائی کی آواز سکڑا اس درخت پر میں ساؤ اب اتر آؤ۔ وہ درخت سے اتر آیا تو  
 جیلے سیاہی نے اسے بہت لعنت ملاست کی۔ ایسی ہی باتیں کرتے یہ بھی چلی گئے

اور ذرا دیر میں تھوڑی دور چل کر ہماری نظر سے غائب ہو گئی۔

## پانچواں باب

کیا گردشِ فلک کا لگہ ہے کہ لے گئی  
ہو کو تیرے چشم کی گردشِ وطن سے دور

### نیرنگ تصویر

ہمارے قسار کے شروع ہونے سے بہت پہلے ہر لغزنا اقبال مند اولوالعزم مہاراجہ جھنگور ادا علیجاہ کیلاسن باشی کے عہدِ دولت سے بھی بہت برس آنے کی بات ہے۔ اس کا شکر اس وقت آباد نہیں ہوا تھا یہ سنگی قلعہ اس سینہ پلہ شاہی دولت کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس کے قدیم مورِ عالی بہت اسلاف کی یادگارِ عالیشان حمار میں بھی سینہ پلہ کا نواسہ کی شاہی فوجی تعریف میں نہیں مائی نہیں۔ یہ بجارہ، ڈونا بھو، ماشہر گوالیار روپن پر تھا۔ اس عہد کے فرمانروا کے غریب پرور اور سپاہی کے قدرداں سرکار میں ایک شخص مہابت خاں فوج جھنگور اور ملک گیری پر مسعود فوج کے ایک حصہ میں ادھے عہدہ دار تھا۔ یہ تلوار کے دہنی بڑے سوار سپاہی شیخ صاحب اور خطابی فاضل صاحب اس عہد کے قابلِ قدر فوجی دستور العمل کے موافق پہلے پہل کے ادھے اسانی پر مقرر ہوئے تھے انکی کارگزارانہ بنیاد تلوار کئی برسوں میں سرخرو ہوئے تھے اسی نے وہ نمایاں خدمات دکھانے کے انہیں اس عہدہ پر پہنچایا۔ اور خان بہادر خطاب دلایا تھا۔

انکا اصلی نام مہابت علی خان بہادر کے لقب کے ساتھ تھا۔ مگر اپنی اصلیت سے ناواقف ہونے کے سبب یا فوجی خدمات میں فخریوں کی مذہبت یہ اپنی باپ کی طرح صرف مہابت خاں مشہور تھے۔ خطابی خان نے جو ان کے نام کا جزو ہو گیا تھا ان کی قومیت کو بھی بدل دیا تھا۔ اب انہیں پٹھان جانتے تھے یہ غلط فہمی ان کے باپ کے وقت سے شروع ہوئی تھی بلکہ اس کے باعث وہی تھے وہ خان بہادر ہوئے تو انہوں نے طوالت سے نہنے کے خیال سے اسم صلابت علی کا مخبرہ و کلمہ کے

ادھر سے نام صلابت کے اغریں خطاب خان بہادر طمانے سے پر وہی دشواری پیش آئی۔ اور وہی اتھیف اس نام میں بھی خود انہوں نے لکھ کر اس سے بچ کا اتنا بڑا نام بھی کون لیتا۔ اس کے بڑھنے سے پہلے وہ ہی گھٹ گیا۔ صرف مہابت خان باقی رہا۔ اور بہادر نثار ہو گیا۔ اس کے مورث عربی نژاد تھے پھر کمانی ہو گئے وہ بھی زبے ہندوستانی ہو گئے۔ یہ کیسے ہوا یہ بھی بیان کر دیں۔

مغلیہ خاندان کے کاتب اقبال کی روشنی افغانی بغاوت کے گہرے ابر نے چھپالی ستو ہالیوں بادشاہ ملک اور سلطنت کو خیر باد کہہ کر ایران چلے۔ شہنشاہی شان شکوہ سوار کی کا جلوس ترک اعتنا سب سلطنت کے ساتھ ہی تھا۔ اس سے یہیں جھوڑا۔ معمولی مسافروں کی طرح روانہ ہو گئے۔ راہ میں کسی جگہ پر سلطنت ایران کے حدود میں شیخ علی حمید کرمانی انہیں مل گئے۔ شیخ صاحب اس زمانہ میں اپنے بہادر قبیلہ اور ایک مسلح جنگجو جھوٹی سی جاہت کے افسر اور سلطنت ایران کی طرف سے اوس محد ضلع کے مالک تھے جو ایران جاتے ہوئے ہالیوں کی راہ میں تھا۔ انھوں نے اس مجبور بادشاہ کی مہانداری اور خدمت کی۔ اور انہیں معلوم کس امید پر معاف اپنے بہادر جواؤں کے رفاقت اختیار کی۔ ہالیوں بادشاہ پر ہندوستان آنے تو ایرانی فوج کے علاوہ شیخ علی حمید کے مسلح سورا جاعت ہی ساتھ تھی۔ ہرنج بھی وہی کام جو ایرانی فوج نے کوئی سلطنت، واپس لینے کے لیے افغانی نئے بادشاہ شیر شاہ کی ہر کمیت نصیب سپاہ کے مقابلہ میں کیا۔

شیخ علی حمید کا دستہ فوج ان معرکوں میں ایسا ہی کار آمد ثابت ہوا جیسا وہ اپنے ملک میں اُن ہالیوں میں کامیاب ہونے کے سبب مشہور تھے۔ ان میں اُس کے ایسے سورا مژدہ ہر فاتح کی ضرورت سمجھ کر سلطنت اوس سے مدد لیتی تھی۔ شیخ صاحب عربی نژاد تھے ان کے مورث یمنی اور کسی زمانہ میں شاید عباسی خلفاء کے آخر دور میں صوبہ یمن کی ہمار فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ زمانہ کے انقلاب نے اوس فوجی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے الگ کر دیے تو ان کی مورث علی اسد کو بھی وہاں سے نکالا۔ اوہوں نے ایران میں پناہ لی۔ اور چند ہی روز میں سلطنت کی ضرورتوں پر کام آنے کے سبب اوسکی فوجی قوت شاخہ جسم کا سبب مضبوط اور چلتا ہوا بارو

بن گئی۔ اپنے آخر عہد میں انہوں نے کہاں کی بغاوت فرد کو کرنے میں سلطنت کو بہت مدد دی۔ اسی کے صلہ میں اس عرصہ ضلع کے قلعہ دار یار میں جو کچھ تسلیم کرتے تھے جو سرحد ایران پر افغانستان کا حد فاصل ہے۔

شیخ علی حمید تک شیخ علی اسد کی چار پشتیں یا زاد کامیابی اور ناموری کے ساتھ کہلا ہی میں گزریں۔ ان کی گذشتہ خدمات اور ذاتی شجاعت کے سبب وہ بار بار ایران میں ان کی بہت قدر تھی شیخ علی حمید ہندوستان میں آئے تو یہاں بھی اُن کے ذاتی جوہر نے انہیں موردِ فخر و اعزاز قرار دیا ہے۔ ہمایوں شاہ نے اُن خدمات کے صلہ میں جو انہوں نے جنگجو افواؤں کی بیخ کنی کے لئے تلوار اور مقصدیہ بیروں سے انجام دیں انہیں بڑی جاگیر اور محال علیگڑھ کی حکومت دی۔ علیگڑھ کی امارت انہوں نے دو تین ہی برس میں چھوڑ دی جاگیر پر اُن کے بعد بھی وارث مدت تک کم و بیش قابض رہے۔

انقلاب پسند زمانہ کے ہاتھوں بڑی بڑی سلطنتیں ایک حالت پر نہیں رہیں تو ان کی جاگیر کیا چیز بنی۔ ہر نئے بادشاہ کے وقت میں اُس پر بھی کچھ نہ چہرہ زوال ہی آیا۔ اور کچھ اس خاندان کے ہاتھوں کم ہوئے۔ یہاں تک کہ صلاحیت خاں کے باپ کی زندگی ہی میں ایک سووہ زمین اُن کے قبضہ میں نہ رہی۔ جس گاؤں میں یہ رہتے تھے وہ بھی ملک حیدر کو نہیں معلوم کیونکر مل گیا۔ اس افتاد کے وقت صلاحیت خاں بچہ ہی تھے گویا اُنہیں لیکر پیدل ہوئے ایک اور مصیبت پانچ بڑی وہ قین ہی مہینہ کے پہلے کہ باپ مر گئے۔ ان کی ماں کا خالہ زاد بہائی جو خود بہت غریب تھا اپنے بہن کو کچھ سہارا نہ دیا اور وہ بیکار خود محنت فردوری نہ کرتی تو ان کا پرورش ہونا دشوار ہو جاتا ان کی پرورش ہو گئی مگر اس طرح جیسے بہت کم مایہ غریب فردوری پیشہ لوگوں کے بچوں کی ہوتی ہے۔

انہوں نے جو سن سنبھالا تو ایک ڈلیا اور مٹھانے والے فردور ماحول کے پہاڑی خاندان کے بیٹے والے ماں کے بیٹے تھے۔ شیخ علی حمید کے دوسرے ہی پشت میں علم ان کے خاندان سے رخصت ہو چکا تھا صرف نوار بازی کے جوہر باقی تھے۔ وہ بھی چند ہی پشت میں کاہلی کا نام طلبی عشق پسندی کی بدولت اُن کے بزرگ کو چھوٹے تھے جین منتر سے اُن کے موروثی نے یہ دولت نادر و جاگیر حاصل کی تھی وہ نہ رہا اور آج کی راہ بند ہو چکی ہے

ادھر عیش پسندی نے پچھلے بزرگوں کو بید فضول خرچ بنا دیا تھا۔ پھر کیا تھا چند ہی روز میں سب دولت خاک میں مل گئی اور بزرگوں کی عزت آبرو بھی اس کے ساتھ گئی۔ کوئی ان کا نام ہی نہ جانتا تھا۔ سوس گھاؤں میں صلاحیت خاں مزدوری پریشہ عورت کا ایک کام ہونے کے سبب صرف ملتا رہ گئے تھے۔ یہ میاں صلاحیت خاں سات برس کے ہوئے تو اپنے ماموں زاد بہائی نبی داد کے ساتھ کپیلے اور کبھی کوئی موقع ملتا تو اپنے سباط بہر پیسہ و پیسہ کما لینے کا کوئی ایسا کام بھی کر لیتے تھے۔

گھاؤں کا زمیندار ایک قدیم نیک خور چار تھا۔ اس کے باپ دادا صلاحیت کے مورخوں کی سرکاری میں ملازمین ہوا ہے سبھی۔ کوٹھادی وغیرہ رہے یوں اسی خاندان سے کچھ لیکر بڑھے تھے۔ زمیندار کنبہ اور ہتھوم کے سوا اس گھاؤں میں اکثر وہ شریعت قوم ہندو مسلمان بھی رہتے تھے۔ جنکی کئی بستی ہیں گزرجلی تھیں بہن میں دوکاندا قوموں کے سوا کچھ نہیں۔ شاہرچند بیٹھان۔ نصی منل۔ شیخ۔ اور کچھ شیخ نوزبات یاموں بہائی نبی۔ یہ سب میاں صلاحیت کے مورخوں کے قدیم نیک خور تھے۔ ان کے باپ دادا اسی گھر کے ٹکروں سے ملے تھے۔ ان کے گھر میں جو کچھ تھا اسی گھر کے فیصل تھا۔ جنوقت اس خاندان کے سردار اپنی جماعت کے افسر اس جاگیر کے مالک اور حاکم تھے یہ سب ان کے سپاہیوں یا سواروں میں بہتی تھے ان لوگوں میں بعض آسودہ حال تھے۔ اس گھاؤں میں نہ سہی غریب کے اور گھاؤں میں کچھ بیویاں کرتے تھے۔ بعض اچھے خوش حال کا شکار تھے۔

گھاؤں کے ان آسودہ حال باشندوں میں بعض کے یہاں چند گھوڑے بھی تھے۔ صلاحیت میاں اس کے ماموں زاد بہائی۔ دنیا میاں۔ دو لوگ ان گھوڑوں کو گھاس ڈالنے کا کام بہت مشوق سے کرتے تھے۔ ہلا کو فطاطا گھوڑے اور ہتھمیا سے کچھ عشق ساتھ ان کے سب کاموں میں اس کا جی بہت لگتا تھا وہ بہت خوشی سے ساتھ نہیں کرتا تھا۔ گھاس میں گھوڑوں کو گھاس ڈالنے میں ہتھمیا صاف رکھتے ہتھمیا میں گھاس کے لڑکوں کے ساتھ شکار میں ان کی ہندو عورتیں جہاں بارود وغیرہ لے جلتے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ جوان ہوا تو اس نے اسی مشوق کی وہ سے گھاؤں کے کئی شکاروں کے گھوڑوں کے لئے گھاس ملانا انہیں ملنا پانی پلاتا اور زمیندار کے

دو گھوڑوں کی تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ کہاں خود کھودتا سب جانوروں کو برابر دیتا  
 سب کو روز ملتا پانی پلاتا اور زمیندار کے دونوں گھوڑوں کو پہرتا تھا۔ اسی سے  
 اس کی ہوسر ہوئی تھی بنیادی ان کاموں میں اسکا مددگار رہتا تھا طبیعت کی فطرتی خاصیت  
 بچپن سے گھوڑوں کے گرد رہنے کے سبب اور اپنے پڑوسی شہسوار سالو تری  
 خالصا صاحب کی خدمت میں ملکر حاضر رہنے کی بدولت وہ جوان ہوا تو اچھے فحشی ہو گئے  
 علاوہ ہوشیار چابک سوار اور سالو تری ہی تھا اسے اس فن کی تعلیم کیسے مہسور علی  
 یہ بھی بتا دیں وہی شہسوار خالصا صاحب جن کے حورث اسکے بزرگوں کے یہاں سوار  
 سالو تری تھے۔ گھوڑوں کی تجارت اور اوں کا علاج کرتے تھے یہ ان کی خدمت  
 کرتا اور اپنی ذہانت کی مدد سے باتوں ہی باتوں میں اس فن کی تعلیم پاتا تھا۔ کبھی کبھی  
 اوں کی غصایت سے علاوہ ذہانی تعلیم کے جسمانی باتوں کے ذریعے سے ہوتی  
 تھی۔ او سے عملی طور سے کچھ حاصل کر کے کامو قح ہی ملتا تھا۔ شہسوار صاحب اکثر  
 بیچارہ گھوڑوں کی دوائیں اسی سے کھواتے پسوانے۔ کبھی کسی گھوڑے کے غیب  
 دہراس سے دریافت کرتے تھے۔ یہ ذہن اور خوبصورت قوی ہیکل قوی روپ  
 جوان ہونے کے علاوہ بہت فحشی ہی تھا صبح سے رات کے ۱۱-۱۲ بجے تک  
 انہیں کاموں میں وقت صرف کرتا تھا۔

صفا کی ماں نے ایک دین لڑکوں کی نسبت کے بارہ میں خالصا صاحب کی بیوی سے کہا۔  
 خالصا صاحبیاں دوسری جار پانی پر بیٹھی کچھ سیتی تھیں۔ شہسوار خاں صاحب باور چچا نہ  
 میں بیٹھی صلا اور غیبا سے گھوڑے کے لئے کوئی مصالحہ پسوانے تھے۔ مریم  
 اور پاجیرہ اپنے دل کے تعلق سے عبور ہو کر شرمائی نگاہوں سے کبھی کبھی ان کی طرف  
 دیکھتی تھیں اور وہ دونوں ہی کبھی محبت اور پیار کی نظروں سے جو خدمت خود کرنے کے دیدہ  
 دل کی فزائش سے اس رنگ میں جاتی تھیں انہیں دیکھتے تھے سبقت ان  
 چاروں کی نگاہیں اعلیٰ تھیں تو باہمی محبت کے معلوم اثر سے خود بخود لڑکیوں کے  
 دل میں لگدیسی ہوتی تھی وہ بے اختیار دمسکادیتی تھیں اور بہرہ سودا کے ہم گیلی  
 بے سبب مسکاتے تھے جس میں جو جہیں ہو جاتیں شرم سے انکھیں نیچے کر لیتی۔  
 نہیں وہ کیا یہ چاروں مابین یہ نہ سمجھتے تھے کہ فطرت کے خلقی جذبات نے ہم سب کو

ایک دوسرے کا مال بنا دیا ہے۔ ہمارا دل باہم محب و محبوب ہیں ہائے نادانی، مگر یہی نادانی ہی غنیمت تھی، اور نہیں اپنی محبت کا کمال معلوم ہو جاتا تو ضرور اپنے دل کی تسکین کے لئے اپنے سمجھ کے موافق کوئی تدبیر کرتے پھر خدا جانے کیا ہوتا۔ صلا کی ماں نے بچکے سے اپنے اور اپنے بہائی کی تمنا ان لڑکیوں کے بابت ظاہر کی ان کی ماں نے اسے فکر کی ٹکڑے سے دیکھا۔ ساتھ ہی دونوں لڑکیوں نے اوسکی شکرت فرمائی کے عوض اپنی دلکی فرمائش سے مجبور ہو کر پہلے تو کسی قدر مسکراتے ہوئے صلا کی ماں کی طرف دیکھا پھر اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگیں کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔ اور ان کے دل ہی دل میں کچھ دعا بھی شروع ہو گئی۔ اپنی ان بے اختیارانہ حرکات کا سبب یہی وہ سمجھیں مگر انھوں نے بھولے اور صاف دل میں نہ جانے کیوں یہ آرزو ضرور کی۔ اتنا اس بات کا جواب دہی دیں جو ہمارا دل چاہتا ہے، اون کا دل کیا چاہتا ہے خود انہیں کا یہ سوال نہیں ملا جواب کر دیتا اگر فطرت کی خواہش اور نہیں نہ سمجھاتی۔ کہ ان کی اماخذ اگرے منظور کر لیں۔ ہم انہیں کے ساتھ رہ کر شکھ پائیں گے۔ اس جواب نے جو فطرت نے انکے جذبات کے ذریعہ سے انہیں سوچھایا۔ انہیں محبت کے راز سے آگاہ کر دیا۔ اُسی وقت دونوں کی آنکھیں ڈبڈبایا آئیں۔ اور یہ زیادہ حیرت انگیز ہے کہ دونوں نوجوانوں نے اسی وقت میٹھی لگا ہوئی سے ان کی طرف دیکھا، انکے اترے ہوئے چہروں نے نہیں معلوم انکی لگا ہوئی سے کیا کہہ دیا کہ انہوں نے نوجوانوں کے دلوں کو کچھ شکھ پڑ پائے کے انکے دلی حالت اچتر ظاہر کر دی۔ اس طرح وہ دونوں ہی اسی وقت اپنے باہمی محبت سے آگاہ ہو گئے۔

صلا کی ماں کی بات سنکر مریم کی ماں نے اپنے میاں کی طرف دیکھا۔ وہ اتفاق سے اسی طرف توجہ دیکھتے تھے۔ بیوی نے انہیں آنکھ کے اشارہ سے بلایا وہ چلے آئے۔ انکے اس طرف روانہ ہونے کے سبب دونوں نوجوان بھی ادھر ہی دیکھنے لگے۔

میاں۔ (پاس پہنچ کر بیوی سے) کیوں کلیہ۔

بیوی۔ بیٹھ جاؤ۔ کہتی ہوں۔

میاں۔ (چار پائی پر بیوی کے پاس بیٹھ کے) کہو کیا ہے۔



بیوی۔ میں کیا کہوں (صلّا کی ماں کی طرف اشارہ کر کے طنز سے) یہ خان  
 زادی بگیم صاحب کچہ کہتے ہیں  
 میاں۔ (صلّا کی ماں سے) کیوں نہیں کیا کہتی ہو۔  
 صلا کی ماں۔ میں۔ میں۔ میں کچہ نہیں کہتی۔  
 بیوی۔ (جھلاک) کیوں نہیں۔ آخر مجھے کہتی ہی تھیں۔  
 شہسوار خاں۔ بات کیا ہے۔  
 صلا کی ماں۔ بھیا کچہ ہی نہیں میں نے بہابی سے امک بات کہی تھی۔  
 شہسوار۔ وہی بات میں بھی سننا چاہتا ہوں۔  
 بیوی۔ بات کہی تھی چھوٹا منہ بڑی بات۔ اپنی حیثیت دیکھو۔ ہنہ دہشت لال  
 بیلے ہو کر اب کہی تم نے ایسی بات کہی تو بڑی ہلکی۔ تمہیں شرم نہیں آتی ہمارے  
 بلکروں سے ملنی ہو۔ اور یہی سے ایسی باتیں۔  
 شہسوار۔ آخر انہوں نے کیا کہا۔  
 بیوی۔ کیا بتاؤں۔  
 شہسوار۔ کچہ کہو تو سہی۔ پھر مجھے کیوں بلایا تھا۔  
 بیوی۔ (صلّا کی ماں کی طرف دیکھ کر) اس مردار فقیر کو روکنے کے لئے۔  
 نوصاحب۔ ہماری لڑکیاں اور انکا منہ۔ اس مردار کو ابھی ہمارے میاں سے نکال  
 دو پھر کہی نہ آئے۔ پھر کہیں کیسے یہ سب جیتے ہیں۔ اب صلا  
 اور نبیا نے مصالح پیٹے ہی پیٹے اپنے سامعہ اور باجرہ کو اس طرف لگا دیا تھا۔  
 اور دونوں لڑکیاں بھی سر نیچا کئے یہ باتیں سنتی اور دل ہی دل میں کہتی تھیں  
 شہسوار۔ یا اللہ خیر وہ بات معلوم ہو۔ انہوں نے کیا کہا۔  
 بیوی۔ کہا کیا۔ مریم اور باجرہ کی منگنی کی کہتی تھیں۔  
 شہسوار۔ یہ کونسی بڑی بات تھی۔  
 بیوی۔ وہ۔  
 شہسوار۔ یہ سبانی ہو گئی ہیں انکی شادی کرنا ہی ہے پھر۔۔۔۔۔  
 بیوی۔ تو ہم ایسی جگہ۔۔۔۔۔

شہسوار۔ کہاں تجوز کی ہے۔ کس جگہ کا پیام لائی ہیں۔

بیوی۔ پیام کیا لائی ہیں۔ یہ مردار پیام کیا لائی۔

شہسوار۔ پھر کیا کہا اتنی خفا کیوں ہو۔

بیوی۔ اپنے ان دونوں کے فقیرانوں کے لئے۔

شہسوار۔ ہیں۔ ہماری راکیاں۔ کیوں صلا کی ماں بنتے۔۔۔۔۔

صلا کی ماں۔ دہلی زبان سے یہاں پہنچا۔

شہسوار۔ تمھاری یہ راک اور ہماری راکیاں ہیں۔

صلا کی ماں۔ کیوں کیا ہوا۔

شہسوار۔ ہیں۔ کچھ ہو نہیں۔ تم اسی باتیں کہہ کر ہماری عزت آبرو میں مٹ

لگانا چاہتی ہو۔

صلا کی ماں۔ یہ کیسے۔

شہسوار۔ کہاں تم کہاں ہم۔

صلا کی ماں۔ کیا۔ کیا ہم کوں ہیں کہ جاد۔

شہسوار۔ نہیں فقیر ہو۔ کنگال ہو۔ تمھارا سارا کنبہ ہماری روٹیوں سے

بانا ہے۔

صلا کی ماں۔ کنگال ضرور ہیں مگر وہی ہیں جنکے گھر میں اس گھر کی بیٹیاں بڑے

آندو اور منت سے گئی ہیں۔ وہی ہیں جنکے گھر سے یہ گھر بنا ہے۔ وہی ہیں

حن کے پڑے اس گھر کے چرنہوں کو ہمیشہ پالتے رہے۔ یہی بہت بڑا بڑا

کے باتیں نہ بناو۔

شہسوار۔ رہتے کی سکر کہنا ہی سو کہ بہت نہ بکو چپ۔ ہو۔ ہنہ چھو نہ ر لگا

جیل کا تیل۔ جادور ہو۔ نکل جا۔ اب ہمارے یہاں کبھی نہ آنا۔ اب صلا اب

نبیا جاتو یہی جا اب کبھی جلد سے گھر میں ملے جلد سے دروازہ پر نہ آنا۔

صلا۔ کیوں ماموں۔ کیا ہوا ہمنے کیا فقور کیا ہے۔

اور اس نے ڈیڈا بانی آنکھوں کی حسرت پوری لگا ہوں سے اپنی پیاری حرم کے دل

چہرہ کی طرف دیکھا اس وقت مریم کی نظر بھی اٹھ گئی۔ دونوں کی نگاہیں دو چار ہو گئیں۔

مریم کی آنسو پری آنکھیں صلا کی محبت اور حسرت پہری نگاہوں کے اندر سے شرم کی  
 نیچے ہو گئیں۔ ساتھ ہی سید سے ایک ٹہنڈھی سانس نکلی۔ نگاہ ابھان کی طرف  
 پہنچی اور پہر صلا کے چہرہ پر اب اس نے اپنے دل کے تقدضے سے عجیب و غریب  
 صلا کی آنکھوں میں انہیں ڈال کے اشارہ ہی سے کہا خدا حافظ جاو۔  
 شہسوار۔ ماں کی گالی دیکر تیرا ماں کوں ہے۔ مردود سیدھی طرح بارے تیرے  
 کرتا۔ جا دور ہو۔ ابھی نکل جا۔

صلا۔ آخر کوئی بات ہی۔  
 شہسوار۔ بات کیا جاوے عماری خوشی۔  
 نبیا۔ بھو بھی نے جو بات ابھی چچی سے کہی اس پر تم ایسی بگڑی۔  
 شہسوار۔ کیسی چچی۔ اور کس کی بھو بھی سردار زبان سنبھال کے بات کر دے  
 بے ایمان پا چچی بد معاش۔  
 نبیا۔ بہت اچھا۔  
 شہسوار۔ جاؤ دور ہو۔

صلا۔ بہت اچھا۔ مگر خدا نے چاہا تو ہم دونوں بھائی ابن دونوں بہنوں  
 کو پیارہ کے لیجاؤں گے۔

بیوی۔ سستی ہو۔ اور ابن سبے ایمانوں کو منہ لگاؤ۔ ان کی زبان میں کڑوی  
 بڑس۔ انہیں مار کے نکال لوں بجائیں گے۔

صلا۔ نہیں ہم خود جاتے ہیں۔ مگر چلتے چلا تے پیر کہے دیتے ہیں۔ ہم دونوں  
 بھائی ابن دونوں بہنوں کو براہ لیجائیں گے۔

شہسوار نے جھلا کر ایک لکڑی بینک کے صلا کے سرس ماری۔ اسکا سر بیٹ گیا  
 مگر اس نے آٹ ہی نہ کی وہ لکڑی للیتہ زمین سے اٹھائے اور سر کاٹ کر اپنے

دو بیٹے سے جو عمر بر بند تھا چھتا ہا ہر چلا نبیا ہی ساتھ تھا دروازہ تک پہنچا دونوں  
 نے پیر مریم اور باجرہ کی طرف دیکھا ان دونوں کی نگاہیں انہیں کی طرف نہیں

صلا اور نبیا نے پیر صلا کے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ اس کے جواب میں دونوں لڑکیوں  
 نے آنکھوں میں آنکھوں میں کہا خدا مالک ہے۔ اور سیر سحر و سار کہہ تھری ہی چھی

دعا ہے۔ اور یہ انہوں نے بغیر ارادہ کے کہا۔ وہ دونوں دروازہ سے باہر ہو گئے تو صلا کی ماں بھی اُنکے پیچھے پیچھے چلی اُس نے بھی چلتے چلتے کہا۔ اے اللہ تجھ میں کچھ بھی طاقت ہے تو ہمارے اس وقت کی آبرو بوری ہو۔ یہ لڑکیاں خود اپنے منہ سے بھی کہیں جو ان لوگوں نے کہا ہے۔ مریم کی ماں نے ٹھٹھاکے میاں کا جوتا اوٹھا کے پھینک مارا وہ بچاری بھی جوتا کھانے کے پیچ چاہ چلی گئی۔ وہ دروازہ سے نکلتی تھی کہ لڑکیوں نے اوسکی طرف دیکھا اور ڈیڈا بانی آنکھ سے آنسو بونچھلکا آسمان کی طرف نگاہ کی۔ اسی وقت تہسوار خاں صاحب باور چیخا نہ میں سل کے مایں چلی گئی جہاں گہوڑے کا مصالحہ ارادہ بیاڑا تھا۔ دونوں لڑکیاں یہاں سے اوٹھ کر ایک کوٹھری میں چلی گئیں۔ اور گلے مل کر آنسوؤں سے رونے لگیں۔

اور صلا کی ماں باہر اپنی بیٹی کے مایں پہنچی اوسے گھر لے گئی۔ اُسکا سرد ہو یا زخم کو باندھنا ایک کونے میں بیٹھ کر آنسو بہانے لگی۔ صلا تھوڑی دیر ٹوٹی سے چار پائی پر پڑا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا تو بنیا بھی اُسکے ساتھ تھا۔ اب تک اسکے چار پائی کے پٹی سے تکیہ لگائے زمین پر بیٹھا تھا۔

صلا کی ماں۔ بیٹا اس وقت کہاں جاتا ہے۔

صلا۔ جو دہری کے گہوڑے پھیرنے کا وقت ہے اُسی کے یہاں جاتا ہوں۔ جہہ کا دن ہی ختم ہو گیا ہے۔

صلا کی ماں۔ اچھا۔ آج آگئی تو وہ ہوا آج کے دام کاٹ لیگا۔

صلا۔ اور کیا۔

صلا کی ماں۔ آج اُس سے کچھ مانگتا۔ اس مہینہ کی تیراہ۔ گناہ سن کے دام میری سیال۔ سوت کے دام۔ سب دیالے بیٹھا ہے آج کچھ تو دے۔ ہمارے گھر میں انانک ایک دانہ نہیں کہے۔

صلا۔ ہاں۔ کہوں گا۔ دینا نہ دینا اُنکے ہاتھ ہے۔

صلا کی ماں۔ کہوں کا نہیں۔ لیکہ آنا۔ نہیں آج کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ہے اُنسے رٹالی ہوئی ہے وہ اب کیا دیں گے۔ میں اُنسے اپنے دام ہی ماننے لگی تھی یہ جھگڑا ہو گیا۔

وہ گاؤں کے زمیندار چار کے پاس پہنچا۔ دونوں گھوڑوں کو دیکھا۔

چودھری۔ (دو ہی چار) صلا آج تو نے بہت دیر لگی۔

صلا۔ چودھری، اما۔ آج دیر بیشک ہو گئی۔ مگر کچھ ہرج نہیں گھوڑوں کے پیر نے ٹھلانے کا یہی وقت ہے۔

چودھری۔ ہاں کچھ جتنا نہیں۔

صلا۔ اما آج بکو ہمارے سب دام دیدو۔ ہمارے گھر میں کہاں کو نہیں ہے۔

چودھری۔ دام۔۔۔ (منہ بنا کے) ہمارے پاس تو آج کچھ نہیں ہے۔

صلا۔ اور ہمارے گھر میں اناج نہیں ہے۔

چودھری۔ (بہت بددماغی سے) ہنو۔ ہم کیا کریں۔ روز روز کہاں تک دس۔

صلا۔ کام ہمارا کس گے دام کوں دیگا۔ اور روز تم کسے دیتے ہو کون مانگتا

ہے۔ میری اماک ہینہ کی تھوڑا آہ کے دور و پیر۔ گھانٹس کے دام تین رو پیہ۔

اماں کی پسائی چار آنہ سوت کے دام ۸ سب گنتے ہوئے۔ ہمارے اتنے دام چاہئے۔

چودھری۔ انکے دام چاہئے۔ ایسے انہوں نے گئیوں نیچے ہے۔

صلا۔ نہیں اما۔ گئیوں ہم کیا نیچے محنت کرتے تھے۔ سب تھیں توڑی

بہت آج ضرور دو۔

چودھری۔ کیسی توڑی بہت۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

صلا۔ نقد نہیں تو اناج دلا دو۔

چودھری۔ کیسیا اناج۔ کیا تجھے ادھار لیا تھا بے ایمان کنگلا دامدرو خواہر کی فحش

گالیوں کے بعد، ہر گڑی تقاضا کرتا ہے۔

صلا۔ اما گالیاں نہ دو۔

چودھری۔ تیرے اما کی دیشی کی گالی، چاہیہاں سے ہم اپنا گھوڑا بچے

نہ دینگے۔

صلا۔ منہ ہی۔ مگر دام ہمارے سب ابھی دیدو۔

چودھری۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

صلا۔ دیکھو یہ اچھا نہیں ہے۔  
 چودہری۔ جا بیجھے جو ہو سکے۔... گالیاں دیکر بے ایمان جب دیکھو اپنے  
 بہت سے دام بنا دیتا ہے روز دیتے ہیں پھر بھی اس کا فرض کسی طرح نہیں ہلکتا۔  
 باب چار ہے اس تیری امک کوڑی نہیں ہے۔  
 صلا۔ دیکھو ہمارے دام دیدہ نہیں تو۔۔۔۔۔  
 چودہری۔ کیا کرے گا۔  
 صلا۔ بری ہو گئے۔  
 چودہری۔ وہ بھی سنیں۔  
 صلا۔ میں ابھی گڑے گڑے لیلوں گا۔  
 چودہری۔ کیسے لے لینگا۔  
 صلا۔ انہیں ہاتھوں سے۔  
 چودہری۔ دگالی دیکر ایسے ہاتھ توڑ ڈالے جاتے ہیں۔  
 صلا۔ ایسی زبان نکال کے پھینک دیکاتی ہے۔  
 چودہری۔ تو چاری زبان نکالے گا۔  
 صلا۔ بیشک ابکی بار تو نے دگالی دی اور میں نے زبان کھینچ لی۔  
 چودہری۔ کیوں نہیں تو ہے بڑا سورا۔ سادی دنیا میں تیرا ہی راج ہے  
 صلا۔ ہم حاکم نہیں ہیں۔ تمہارے قلام ہی مکر عزت دار ہیں محنت کرتے  
 ہیں جو رہی نہیں کرتے پھر گالی کیسے سنیں۔  
 چودہری۔ دگالی دیکر بڑی عزت دار غلام بے ایمان نکلتا۔  
 صلا۔ نے چھینکر چودہری کا گلہ زور سے دیا یا۔ اور باجھ چھو گہو نے زور زور سے  
 مارے چودہری چلا کر روئے اور سر پیٹنے لگا اسکے آدمی بھی اہل ہوا ہے وغیرہ  
 جھج ہو گئے سب اسے چھڑا دیا۔  
 چودہری۔ اسے میرے سامنے سے ہنگامو۔  
 صلا۔ میرے دام دیدہ میں خود چلا جاؤں گا۔  
 چودہری۔ ہم لیک کوڑی نہیں لے گے۔

صلّا۔ اور ہم لے لیں گے۔

چودھری۔ کیسے لے لیگا۔ ابھی اپنے آدمیوں سے کہہ دوں گا تو تیرا مرنے بنا دیں گے  
بوصدا حب یہ ہم سے دام لے لینے ہم کو مارا ہے عزت کیا اور دام ہانکے ہے اہو  
تو فوج نیکے آئیگا تب دام ملینگے۔

اسکے آدمی۔ میںاں ناخو حجت کرتے ہو۔ اسوقت جاؤ پرہرے جانا۔  
صلّا۔ نہیں اسوقت لینے اور وہ پہر چار کی طرف لیگا مگر اسکے آدمیوں  
روک لیا۔

چودھری۔ (اپنے آدمیوں سے) اس سے کہیہ نہ کہو اسکے ساتھ فوج ہے  
تو پ خانہ ہے دگالی دیکر جا تو پ خانہ اور فوج لا لیگا سہی دام دینگے۔  
صلّا۔ اچھا۔ جیسی لینے۔

اور وہ چودھری کو قہر ناک لنگاہوں سے دیکھ کر آسمان کی طرف دیکھتا چلا گیا۔  
راہ میں بنیا سے کہا اب کیا کریں۔

بنیا۔ آٹا تھوڑا سا آج ہمارے یہاں سے لیلو کل دیکھا جائیگا۔

صلّا۔ یہ نہیں۔ آٹا تو کہیں سے مل ہی جائے گا۔ میں کچھ اور کہتا ہوں دوزا  
سوچ کر بیشک اب ہم کو یہاں نہیں رہنا چاہیے۔

اسی ہی باتیں کرتا گھر ہو بچا۔ اچھا گھر پا جالی۔ ٹوٹی سی تلوار۔ چہری۔ مکمل سب چیزیں ایک  
گھڑی میں باندھیں۔ اور چپکے سے کسی طرف چلا گیا۔

گھر سے نکلتے ہوئے اسکی ماں نے آواز دی مگر اس نے اسکی کہی پر واہ نہ کی۔ ہر  
گاؤں سے قریب کوئی دو ہی عین کوں پر گنگا کے کنارہ سر راہ ایک بڑے  
گاؤں کی آبادی کے قریب تکیہ میں شاہ صاحب رہتے تھے صلا اکثر گھاس  
لینے اس طرف جاتا اور لوٹتے ہوئے انکے پاس ضرور بیٹھا تھا اس گاؤں کا نام  
شاہ لچھمن پورہ تھا جبکہ اب کسی نقشہ میں نشان ہی نہیں مل سکتا۔ مگر ہم آپکو اور  
بتا بتاتے ہیں جس سے آپ اس سرزمین کو ضرور دیکھ سکتے ہیں جس میں وہ خوش  
فضا تکیہ تھا۔ علیگڑھ سے دور گنگا کے مشہور رام گھاٹ سے مقل شاید باؤ  
میل پر اس گاؤں کی آبادی تھی۔ اور تکیہ دریا کے اگل کنارہ گھاٹ سے ذرا ہٹ کر

بہت ہی دلکش میدان میں تھا۔ تکیہ سے تین کوس صلا کا گاؤں حمید پور تھا جو در  
ہوئی ایک دشمن کے قہری آگ نے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

صلا ہر روز شاہ صاحب کے پاس ہزر بیٹھتا تھا۔ اسکی وجہ شاہ صاحب سے عقیدت  
کے علاوہ یہ بھی تھی۔ وہ خلقی بہادر سپاہی ہونے کے سوا خلقی خوشنما منظروں کو  
قدرتی دلچسپی دیکھنے کا بہت شائق تھا۔ شاہ صاحب کا تکیہ ایسی جگہ تھا جسکے چاروں  
طرف ایسی چیزیں بہت تھیں جو اپنے نظارہ سے اس مزاح کے آدمی کو ضرور بہم  
سکتی تھیں تکیہ کے بہت وسیع رقبہ کے واسطے بائیں طرف شاہ صاحب کے  
دادا پیر کے لگائے۔ بہت گنجائش درختوں کے دوبارے تھے جو اسوقت  
قدرتی جنگل کی برابری کا دعویٰ کرتے تھے۔ سامنے دریا پشت پر امرود انجیر  
کروندے۔ آڑو کیلے۔ کیوڑا گلاب سیلا۔ چمیل۔ کاوہ سیاہی باز اسے تو یہ  
جنگل تھا۔ جس میں ہر وقت ہزاروں پرند جھجھاتے اور چیل میل گاتے۔  
پاڑھے کھلیں کرتے تھے۔

تکیہ کی تمام زمین دو ب اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے بودھوں سے جو اپنے موسم  
میں خود بخود اگتے تھے۔ سرسبز تھے۔ اس سبزہ پر جا بجا غول کے غول مور دوڑتے  
پرنے اور کہیں ناسبتے دکھائی دیتے تھے۔

وہ گہرے سیدھا اسی طرف جلا اور شام سے پہلے دن ہی دن میں شاہ صاحب  
کے پاس پہنچ گیا۔ ان شاہ صاحب کے ولی کامل ہونے کے نسبت ہم کچھ نہیں  
کہہ سکتے تھے انہیں نہیں دیکھا۔ مگر نہیں مہنے بڑی غلطی کی اپنے ناظرین کو اپنا عقیدہ قہر  
بنانے کا بہت اچھا موقع کہو دیا۔ ہم انہیں ہزار سیدہ کہتے تو ولی را ولی میثناسد  
کا مصداق کون ہوتا۔ پھر سہی۔ اب ہم صرف ہی کہیں گے۔ شاہ صاحب کو کوئی کامل نہ  
سمجھے تو کیا ہے۔ وہ پرہیزگار۔ متوکل۔ عابد گوشہ گزین ہونے کے علاوہ کورے  
سیلح اور بہت سن ہونے کے سبب دنیاوی معاملات کے بڑے تجربہ کار تھے  
وہ اون آدمیوں سے تھے جو انسان کے بشرہ کو دیکھ کر اس کے دل خطرات اور  
انقلابات سے بالکل آگاہ ہو جاتے ہیں وہ قیافہ شناس پورے تھے ہر شخص کی  
صورت اور کھار اوکے آئندہ حالات کی نسبت ایسی پیشین گوئی کر سکتے تھے جو کسی غلط



نہ ہوتی تھی۔ گویا وہ پیشانی کے خطوط سے نعمت کا لکھا پڑہ لیتے تھے۔ گورشتہ  
واقعات بھی ایسے ہی بتاتے تھے کہ سننے والے کو انہر اپنے ساتھ ہونے لگا گمان ہو۔  
وہ بہت سے زبانوں مختلف علوم اور فنون کو اچھے ماہر عالم تھے خاکو جگر رمل نجوم  
اور طلسمات خوب جانتے انہیں نہایت خوبی سے برتتے تھے اور حضور بھی بہت  
اچھے تھے انکا حافظہ بہت اچھے تھے انکا حافظہ بہت قوی دہن بہت اچھا تھا  
طبیعت بہت راز جو اور مخفی تھے وہ ہر ایک بات کو کرید کرید کے پوچھتے اور  
اوس سے مفصل نتیجہ نکالتے تھے۔

ان کی انہیں صفوں کی بدولت انکی عقیدتمندائیں ہزار سیدہ صاحب باطن ہزار  
دکھانے والے سمجھتے تھے۔ وہ ان دور ویشوں میں نہ تھے جو دنیا کی بے نیانی۔  
اوسکے تمام معاملات اور عادات کی ناپائنداری۔ اُسکے نزدیک اوروں کی دولت و  
خواری اوسے برے نام چھوڑ کر بیٹھ رہتے والوں کی وقت و غرت و نپادی  
جائز یا ناجائز لذتوں کی حقارت اور عودہ لغات کی فضیلت ہر کس ناکس جبار  
اوسے اپنی پرستش کے لئے ابھارتے یا بہت بہت دون فطرت مست۔  
کاہل۔ کم حوصلہ۔ کم فہم۔ تنگ نظر۔ کم استعداد آدمیوں کو ایسی باتیں سنا کر انہیں صرف  
اپنا برج نکالنا دینے دین اور دنیا کیس کا۔ کہتے۔ وہ ہر شخص کی استعداد۔ قابلیت و ضرورت  
اور وقت کی مناسب بات اوس سے کہتے اور مشکلات میں صرف خدا بہلا کرے اسد  
بحر کے کہنے یا کہنے آگے چھوٹا اور مقبول الدعوات جملے کے لئے فطری حکم  
لگا دینے کے عرص بہت نیک مشورہ دینے عمدہ تدبیریں بتاتے تھے۔ بس ہم انکی  
انہیں صفات کو دنیا کے مفید سمجھ کر انہیں ضرور ستا ہادی کہہ سکتے ہیں۔ صلا میاں اُنکے  
حضور میں پہونچے تو انہوں نے اپنی عادات کے موافق انکے بشرہ کو خوب غور سے  
دیکھا۔۔۔۔

صلّا۔ (قریب پہونچا) السلام علیکم۔

شاہ صاحب۔ (اسکا بشور دیکھتا ہے) علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ کہہ کر فرج  
نوا چاہے۔

صلّا۔ (باتھ چوڑی جی ہاں شکر ہے۔ حضور کی دعا سے)

شاہ صاحب۔ میاں آج تم اپنی دیر میں کیسے آئے۔ کہیں دور چلے گئے تھے کیا۔ اور گھاس بھی آج ہٹوڑی اسی لائے ہو۔

صلا۔ حضور۔ آج۔۔۔۔

شاہ صاحب۔ آہ آج جمعہ تھا۔ خوب بہت خوب۔ اب تم جمعہ کو عید منائے ہو۔ یہی چاہئے جمعہ مسلمانوں کی عید ہے۔ تم نے چاری یہ بات مان لی ہم بہت خوش ہوئے مگر میاں ہر منہ میں ملکب دن کے دام کم ہو جاتے ہوئے۔ لیکن نہیں۔ تم اسکا بندوبست کر لیتی ہو۔ جمعرات کو زیادہ عنایت کر کے جمعہ کے لئے بھی کام کر لیتی ہو۔ یعنی گھاس زیادہ ہونی ہے اسے بچا کر کہہ لینے اور جمعہ کی صبح کو جب جگہ دیدیے ہو۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ شاہنشاہ تم بڑے اچھے آدمی ہو۔ جیسے جوان ہو ویسے ہی خشتی ہی ہو بڑے بڑے پڑ پڑن کی نصیحت سنئے اور اوپر عمل کرتے ہو۔ اس کے بشرہ کی طرف دیکھو تم اس بہت ہو۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کسی سے رانی ہوئی۔

وہ صلا سے باتیں کرتے ہیں زبان معروض ہے نگاہیں صلا کی چہرہ پر گڑی ہیں۔ کان اُس کے الفاظ کے ادا ہونے کے بعد کو غور سے سنئے ہیں دماغ عقیدہ مطلب بوجہ اخذ کرنے پر مامور ہے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ ویسے ہی اس کے بشرہ کو دیکھتے ہوئے کسی سے کیا اس زمیندار سے ہوئی۔ تم اگر اس کے نادہندہ کی شکایت کرتے تھے آج تم نے انگلیوں پر کچھ حساب کیا اس کے ہاں مینہ ختم ہو چکا تو آہ اور اس کے بشرہ کو دیکھتے ہوئے سب دام مانگے۔ میں شکر ہوئی سب پر تھوڑا اس کے بشرہ کو دیکھ کر۔۔۔۔

صلا۔ حضور بچا بات ہوئی۔

شاہ صاحب۔ کوئی اور بات ہی ہے۔ آج تم اس کے بشرہ کی طرف بغور دیکھو۔

اپنی ہانوں سے ملے تھے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ شیخ صاحب سے۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ شاہ صاحب سے فافٹا سے مرزا صاحب سے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اپنے بہائی بھائی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔

صلا۔ کہیں نہیں۔

شاہ صاحب۔ وہ سب اچھی طرح ہیں۔

صلا۔ کون۔

شاہ صاحب۔ وہی جی جی پہنے نام لے۔

صلا۔ جی ہاں۔ حضور کی دعا سے۔

شاہ صاحب۔ اور تمھاری ماں۔

صلا۔ وہ بھی خیریت سے ہیں۔

شاہ صاحب۔ آج انھوں نے کیا کام کیا؟

مناں کہیں تقاضے کو گئے ہونگے۔ مگر۔۔۔۔۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ تمھارے گھر میں آج کھانے کو تھا؟

مناں کہیں تقاضا کیا اور وہ بگڑ بیٹھا۔ تم نے اسے مارا۔ مگر وہ پٹہ کا خون دیکھ کر چوٹ اور کہیں

کھائی۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ تم اپنے استاد شہسوار کے گھر بھی گئی تھے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ آج اونے کوئی دوا سیکھی۔

صلا۔ جی ہاں اور انھوں نے۔

شاہ صاحب۔ ایک نیا مصالحہ بنوایا۔... مگر گھر میں بیٹھ کر وہ اکثر وہائیں گھر ہی میں بناتے ہیں۔ مٹی نے ایک بار مجھے کہا تھا۔

صلو۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ اونکی دوا لڑکیاں ہیں۔ مٹی نے مجھے کہا تھا۔ اور وہ دو نو اکثر تھیں دوا پیسے چھانٹنے میں مدد دیتی ہیں۔

صلو۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ وہ دونوں اچھی طرح ہیں اس کے بشرہ کی طرف خوب غور سے دیکھتے ہوئے

صلو۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اہا۔ یہ کہو۔ سکو پہلے ہی یہ گمان تھا۔ اور ان کی بیوی۔

صلو۔ وہ بھی۔

شاہ صاحب۔ اہوان سے بھی نکار ہوئی۔

صلو۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کس بات پر (دراغوز کر کے) اُن لڑکیوں۔... (مغور صلا کے بشرہ کی طرف دیکھ کر) ہاں انہیں کی دھیس سے تمہارے اونکے۔... مگر نہیں تم ایسے نہیں ہو نہ وہ ایسی ہو سکتی ہیں آخر شریفیت کی بیٹیاں ہیں مگر ہیں ہمہ ست وغیرہ صورت (اس کے بشرہ کو مغور دیکھتے ہوئے) کہیں۔

صلو۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ تمہارے اور انکے گھر سے بیٹھ بیوہ مار بھی پہلے سے ہے۔

صلو۔ حضور۔ میں نے شاید حضور سے پہلے عرض بھی کیا تھا۔

شاہ صاحب۔ پھر تمہاری ماں۔... ہاں اوہیں نے یہ بات چھڑی اور جھگڑا ہو گیا۔ وہ بھی اس وقت وہاں تھیں۔ دام مانگنے لگی ہوئی۔

صلو۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ وہ اس وقت دام مانگنے لگی ہوئی تھیں۔ اور خا صاحب تم سے صلح ہو جانے ہوئے۔

شاہ صاحب اپنی بیوی کے پاس۔

صلا۔ حضور، مگر انہوں نے۔

شاہ صاحب اشارہ سے بلایا ہوگا۔ تمہاری ماں سے لڑکیوں کی نسبت کی بات  
چھپڑی تو اُٹھوٹھوٹنے لگی۔ اپنے میاں کو بلالیا۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب بڑی لڑکی کو تمہارے لئے اور چھوٹے کو نبیا کے لئے مانگا ہوگا۔  
وہ بھی ہر وقت تمہارے ساتھ تھا۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب اور لڑکیاں۔

صلا۔ (جلدی سے) اپنی ماں کے پاس بیٹھے کچھ سیتی تھیں۔ وہ دوسری

جار پائی پر تھیں۔ پھر ہمارے پاس مصالح پسوا نے چلی آئی تھیں۔

شاہ صاحب تو اسی بات پر تکرار ہوئی۔ تم نے بھی کچھ کہا۔ غالباً صاحب نے  
تمہیں ایک لکڑی ماری۔

صلا۔ میں وہاں سے چلا تو بھینک کے ماری تھی۔

شاہ صاحب سر میں۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ یہ تم سے زمین ار سے لڑائی ہوئی۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ تم غالباً صاحب اور اپنی بیوی کی لڑائیوں اور طعنوں سے صدمہ

پا رہی تھیں۔ اس سے تکرار ہوئی تمہارا وہ رنج غصہ اور بڑ گیا۔ تم گھر سے نکل

آئے مگر تمہارا دل اپنا لگاؤں۔ پیاری ماں۔ ماموں۔ عزیز بہائی نبیا کو کیا ایک اسطرح

بھجور دینے پر بہت کڑھتا ہے وہ تمہیں بہت تنہا بنا جاتا ہے۔

صلا۔ اب ضبط نہ ہو سکا شاہ صاحب کے قدموں پر گر گیا اور جلا جلا

کے رونے لگا۔

شاہ صاحب۔ سب سے زیادہ تمہیں اپنی عیب سے چھٹنے لگا رہا ہے اور کچھ



صلا۔ جی ہاں حضور۔

شاہ صاحب۔ کوئی ذلیل آدمی آپ نے بزرگوں کی عظمت لوگوں کو جتنا کے اپنے وقت اور قدر چاہے تو وہ ضرور۔۔۔۔

صلا۔ بیشک بیشرم ہے۔

شاہ صاحب۔ اوسے یہ دیکھنا چاہئے ہم کس حالت میں ہیں ذلیل ہیں تو ایسے بزرگوں سے اپنی نسبت بیان کرنا ان کے نام میں بٹا لگانا ہے۔ اور یہ یاد رکھو بے غیرت آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اس کے علاوہ ایسی باتوں سے عقلمند آدمی۔ بھی سمجھ سکتا ہے یہ دلیل بہت بہت ہے۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ یہ کیسے سنو۔ وہ اپنے دل کو جواہر سکی ذلت و خواری پر کرتا ہے۔ اس بڑی حالت سے نکلتا ہوا ہوتا ہے۔ بزرگوں کا حال سنا کے غوس کرنا۔ ہمارے لئے بڑا ہے۔ جو عہدہ کو روکتا ہے پس وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب۔ میں نے پہلے پہل نہیں دیکھا تو تمہاری صورت شکل سے سمجھ گیا تم کوئی شریف زادے ہو۔ زمانہ کے گردش نے تمہیں اس حالت کو پہونچا یا ہے۔ علی نے تم سے تمہارا نام منسوب ہو چھا۔ تم نے اپنا نام وہ بتایا جو تمہارا مشہور ہے۔ صلا بہت اعلیٰ خان کہتے تو میں پہلے نہیں منسوب بھی نہ لگاتا۔ میں سمجھ جاتا۔ تم شیخی باز چھوڑ کے اور بیشرم ہو۔ سر پر گھانس کا گتھا اور یہ نام۔ ضرور تم اپنی اچھلے بزرگوں کی شرافت امارت پر نازاں ہو۔ ایسی شرافت کا رحم تم کو اب ہی ہے۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب۔ تم نے اپنا نسب بالکل نہیں جایا ہی کیا۔ حمید پور میں رہتا ہوں

پسپنہاری کا اردکا ہوں۔ بابکپ تام نہیں جانتا نہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ پس تین مہینہ کا تہاکہ وہ چل بیٹے۔

صلّا۔ جی ہاں میں نے بھی کہا تھا۔

شاہ صاحبؒ ان باتوں سے میں نے بھی سمجھا۔ تم بہت حیا دار ہو۔ پھر میں نے اور لوگوں سے متبارا حال دریافت کر کے تم سے اسکی تصدیق کی تو تم بہت سرا اور مجھے کہا میں نہیں جانتا میں کون ہوں جو لکچہ جاتا تھا لکچہ دیا۔ میں ان لوگوں کے خون سے ہوتا تو ایسا ذلیل کیوں ہوتا۔ شاید انکے غلاموں سے ہوں گا۔ میں یہ جواب سکر بہت خوش ہوا۔ مجھے معلوم ہوا تم مستقل مزاج بھی ہو متباری ہی ہمت بلند ہے۔ تم دنیا میں ضرور چکر سکتے ہو۔ ملکہ کر دو۔ کسی وقت ہرور کوئی بات تم کو ترنی کرے پرا متباری کی۔ وہ میرا خیال آج سمجھ ہوا۔

صلّا۔ جی۔

شاہ صاحبؒ میں یہ سکر بہت خوش ہوا۔ تم گھر سے چلے آئے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ متبارا دل تم سے کہتا ہے اب اس حالت سے اس کا دل میں رہتا اچھا نہیں۔ وطن اور عزیزوں کی محبت اپنی محبوبہ کی الفت نہیں روکتی ہے۔ مگر متباری بہت غیرت نہیں اپنی زبان کی پابندی کرنے کی ہدایت کرنی ہے۔ تم نے اسکا کہنا سن لیا اس وقت اپنی غیرت اور ہمت کا ساتھ دیا وطن نہ گئے کسی طرف جلدے تو یاد رکھو خدا نے چاہا تو بہت جلد تم عزت اور دولت لیکو والیں آدگے اب تم باب دادا کا نام لیتے مگر لوگ تم کو فخر خاندان نہیں لگے۔ متبارا نام سے انکے نام کی عزت نزدیکہ ہوگی۔

صلّا۔ جی۔

شاہ صاحبؒ تم کو اپنی اسے چھوٹے کا بہت غم ہے۔

صلّا۔ جی۔

شاہ صاحبؒ بیشک اور ہونا ہی چاہیے۔ یہ متباری اسکا ہندی خوش نصیبی کی دلیل ہے۔ انہیں بھی بہت صدمہ ہوگا۔ تہی اونکے اکلوتے پیٹھے ہو۔ مگر نہایت مہوں انکا غم غلط کرنے نہیں گے۔



صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ گویہ رنج غم تھوڑے دن کا ہے اور وہ خوشی جو تمہاری بامراد آئے پر  
دو نو کو ہوگی بہت دن تک رہے گی۔ تم اپنی ماں کے قدموں کے سایہ میں پہلو بہو لوگی  
وہ تمہیں خوش و خرم دیکھ کر خوش ہوگی تم کو ان کی شفقتوں سے۔ احسان بیکلی۔ صلا  
میاں۔ اب تمہارا اوس گاؤں میں جو تمہارے نامور بزرگ نے آباد کیا تھا  
جو ان کے قبضہ میں تھا۔ ایک چپکلی رعیت ہو کر رہتا اور ان لوگوں کی خدمت کر کے  
بہت خدمت کے ساتھ ریٹ پالنا ہر گواچھا نہیں ہے۔ جن کی بدن میں تمام خون  
تمہارے ہی نان و نمک کا دیا ہوا ہے۔ بیٹا تم مرد ہو۔ خیر ہو کر دنیا میں رہو لو مٹری  
نہ بنو۔ خیر خود شکرا کرتا ہے۔ اوسکا پس خود وہ گیدڑا لو مٹری وغیرہ کہلاتے ہیں۔ تمہاری  
بزرگ شیر تھے۔ انہوں نے بیٹا شکرا مارا۔ اسی سے یہ لو مٹیاں بھی پلےں۔ سچا اب  
تم کو لو مٹری بنانا چاہتو ہیں۔ بیٹا میں جانتا ہوں تم ایک حرف نہیں بڑھے ہو۔  
میری اکثر باتیں مشکل سے سمجھ سکو گے اسی سے میں تمہاری سچ کے موافق باتیں تمہارے  
ہی روزمرہ میں کر رہا ہوں۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب۔ تم جاہل ہو تو کچھ نہیں۔ آج کل دنیا میں تلوار کے جوہر کی بہت  
قدر ہے۔ تمام ملک میں ہر چھوٹا بڑا خود مختار راجہ یا بادشاہ ہو گیا ہے۔ یا ہونا چاہتا ہے  
اس وقت زمانہ میں بہادر سپاہی کی قدر بڑے عالم ملک سے بہت زیادہ ہے۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ شک ہے تم بہادر ہو۔ جفاکش ہو عقل مند ہو۔ تم بہت حلیہ بڑے  
کارا ز مودہ دلاؤر سپاہی نامور جنگجو ہو سکتے ہو تمہارے بزرگوں نے تلوار  
ہم کے جوہر سے وہ غمیما بنائے تھے جس سے عزت دولت تمام سب کچھ انہوں نے بنایا۔  
تم بھی اسی تلوار سے کہوئی ہوئی چیزیں حاصل کرو گے تو ان کا نام لاوشن کرو گے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اس وقت تمہارے چہرے وہ باتیں دریافت ہوئی ہیں جو میں  
تمہارے حالات تمہاری زبانی سن کر بہت پہلے سے ہونے والی سمجھ چکا تھا۔

صلو۔ جی۔  
شاہ صاحب۔ نہیں سمجھ رہا تھے مجھے شہسوار کے گھر جانے آئے کا حال کیا  
تھا۔

صلو۔ جی ہاں۔ میں اُن سے کچھ کہہ سکتا ہوں اُنکے گھر میں بھی جاتا ہوں۔  
شاہ صاحب۔ بس ہی۔

صلو۔ اور کچھ کیا ہوگا۔  
شاہ صاحب۔ تم نے مجھے کہا تھا۔ اُنکے گھر میں مجھے کوئی پردہ نہیں کرتا۔  
صلو۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ انہیں باتوں میں میں نے اُنکے گھر کا سبب حال تم سے دریافت  
کر لیا تھا۔ تم نے کہا تھا اُنکے دو لڑکیاں ہیں بڑے کا نام مریم چھوٹی کا باجرہ ہے بڑی  
تیرہ برس کی ہے۔ چھوٹی کو گیارہواں سال ہے۔ دونوں بہت خوبصورت ہیں۔ بڑی  
نیک بخت ہیں۔ قرآن شریف پڑھتے سینا پڑھتا کیا ناگرتی۔ کنگے کام کرتی ہیں۔  
کبھی کبھی ہمارے ساتھ آتیں۔ چھوٹی تو ابھی چھوٹی ہے۔ ہم کو دیکھ کر بہت  
خوش ہوتے ہیں کیسے ہی اوداس بیٹھی ہوں ہم دونوں کو دیکھ کر مسکراتی ہیں۔  
مجھ اور بنیا دونوں کو وہ دونوں بہت پسند ہیں چھوٹی تو میرے سب سے باتیں کرتی ہیں۔  
اور ہم بھی انہیں چھوڑتے ہیں انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

صلو۔ جی ہاں کہا تھا۔  
شاہ صاحب۔ میں یہ باتیں سن کر سمجھ گیا تھا۔ مریم تم کو باجرہ بنایا چاہتی ہے تم دونوں  
بھی اودھ پر فریفتہ ہو۔ اور یہ محبت قدرت کا خاص حکم ہے۔ مگر تم سب کو ابھی اپنی محبت  
کا حال معلوم نہیں ہے۔ تمہارا ایسی باتوں کو اتنا سمجھتا تھا کہ ماموں کی نیک  
تعلیم کا اثر ہے جنہوں نے اب تک بری محبتوں سے بچایا۔

صلو۔ جی۔  
شاہ صاحب۔ تمہارا بھائی تمہارے لئے اچھا ہوا۔ میں روز تمہارے چہرہ کو غور  
سے دیکھتا تھا اور یہ دریافت کر کے بہت خوش ہوتا تھا۔ تم کو اب تک اپنی محبت کا  
حال معلوم نہیں ہوا۔ میں کیوں خوش ہوتا تھا۔

صلّا۔ کیا معلوم۔

شاہ صاحب۔ بچے اندیشہ تھا۔ تم کو یہ حال تنہاری ترقی سے پہلے معلوم ہو گیا تو تم ایسے ہی رہو گے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس محبت کے سبب تم بدنام اور ذلیل ہو یا مار چلاؤ۔ تم کو ایسا موقع تھا کہ تم کچھ دن پہلے اپنی محبت سے آگاہ ہو کر وصل کی تدبیریں کرتے۔ اور اس میں کامیابی ضرور ہوتی۔ تم جو سن محبت میں اس کامیابی کو غنیمت سمجھتے اور خود ذلیل ہوتی اور نہیں خراب کرتے۔

صلّا۔ درست

شاہ صاحب۔ تم کو آج ہی اپنی محبت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ وہی محبت تنہا و گھر سے نکلنے کا سبب ہو گئی۔ اب تم مجھے سبب حل بیان کرو۔ تنہاری مانے انکی پاس سے کیا کہا انھوں نے کیا جواب دیا۔ تم کو کھسے معلوم ہوا تم ادھو جا رہے ہو کیا وہ بھی یہ سمجھ گئی کہ ہمارے دل اپنے ہو چکے ہیں۔ جو کچھ دیکھا سنا کہا۔ پوچھنا۔

صلّا۔ تمام سرگزشت اپنے صالحوں پیسنے ان لوگوں کے دیکھنے سکرانے سے لیکر ان کے گھر سے چلے آئے اور جاہ سے تکرار ہوئے تک بیان کی۔

شاہ صاحب۔ بیشک ان دونوں کو بھی آج ہی اپنی باہمی محبت کا حال اس وقت معلوم ہوا۔ بیشک انکا نہ جانتا ہی بہت اچھا تھا۔ انہیں معلوم ہو جاتا تو ان کی ادائیں تم کو بھی آفریزد تیں تم زیادہ بچپن ہو کر جلدی سے وصل کی تدبیریں سوچتے خدا کو تنہاری اور ان کی عزت آبرو و شخصیت بچاتا منظور تھی۔

صلّا۔ درست

شاہ صاحب۔ تم نے یہ بہت صحیح کہا۔ تم دونوں دونوں کو یہ لاد گے۔ انتشار و ہلاکت بھی ہو گا۔ ہمت بلند چلے۔ تنہاری ما کی دعا بھی قبول ہوگی۔ وہ دونوں رکابیاں تنہاری محبت سے ایسی مدد ہوں جو چاہئے کہ شرم حیا جوڑ دیں گی صاف وہی ہیں گی جو تنہاری ماں نے کہا ہے۔

صلّا۔ شاہ

شاہ صاحب۔ ہیں۔ یہ ہوا میں۔ شاید نہیں اس میں ذرا بھی شب نہ کرو۔ یہ بات ضرور ہوگی تم اسی پر رہو یہ ضرور ہوگی۔ ماں یہ یاد رکھو تم کسی باجی چکے پر پہنچو

تو نیا کو اپنی ماں ذہبت جلد بلا لیتا۔

صلّا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ تم بہت جلد شاہ دوسرے ہی سال کامیاب واپس آؤ گے۔

صلّا۔ شاید۔

شاہ صاحب۔ ہیں۔ پھر وہی۔ یہ بہت جلد ہی ٹھیک نہیں ہو تو تم دو سال میں فوج اور توپ خانہ کے ساتھ اپنے گاؤں میں پہنچو گے اور اس وقت گاؤں پھر تیار ہی ہوگا۔ اس خیال کو خوب مضبوط باندھو۔ یہی تمہاری بہت کو ابھارتا رہے گا اور تم کو ضرور کامیاب کرے گا۔

صلّا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ میں نے تم سے ابھی کہلے۔ تمام ملک میں ہر شخص خود بخود تیار ہوتا ہونا چاہتا ہے۔ اس سے سپاہی کی بہت قدر ہے۔

صلّا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اوف خدا کے فضل سے تم اچھے کیلے۔ سچیلے۔ پورے جوان ہو۔ تمہارا ذیل ڈول فوجی افسری کے لئے بہت موزوں ہے۔ افسر کے فرائض میں جواں ہونا چاہیے وہ سب اوسکے کمر سے تمہاری ذات میں موجود ہیں۔ تم عالی بہت ہو۔ رحم دل ہو۔ دوسروں کو سمجھو اور سیکھو۔ ہو سکتے ہو انجام بخیر کی صفت یہی تم سے ظاہر ہو سکتی، تم اپنے ماتحت سپاہی کی قدر۔ عزت جیسی چاہئے کر سکتے ہو۔ تمہارے ماتحت تمہاری بجار عایتوں اور عنایتوں کے سبب تم سے بہت خوش رہ سکتے ہیں مگر افسوس تم تجربہ کار نہیں ہو۔ نہ تمہاری جلیبت درست ہے۔ اس سبب تم یکا یک افسری نہیں پاسکتے۔ مگر تم کو سپاہیوں میں ہی بہتری نہیں ہونا چاہئے۔

صلّا۔ کیوں۔

شاہ صاحب۔ اس سے تمہاری بہت بہت ہو جائیگی۔ تم اس حالت سے ہو کہ بہت اچھا سمجھو گے اور اسی میں عمر بسر کرنے کی نیت کر لو گے۔

صلّا۔ پھر میں کیا کروں۔

شاہ صاحب۔ گہراؤ نہیں۔ تم چند روز اس حالت میں بسکو۔ اور دل میں یہ خیال

مضبوط رکھو مجھے ترقی کرتا ہے۔ تم کسی فوج میں گھسنا رہی ہو جاؤ۔ سپاہیوں کے ہنر روز  
مرہ زندگی کی کیفیت اطالی کے فن کی تدبیریں دیکھ کر دیکھ کر سیکھو۔ سائنس دانہ تم ذہنی آدمی ہو  
اور مستقل مزاج بھی ہو تم کو انہیں باتوں میں خوب تعلیم ہو جائیگی۔ اور جو وقت تم کچر کرنا  
نے کے لائق ہو جاؤ گی تقدیر تمہیں اسکا موقع دیگی۔ اور ضرور دیگی۔  
صلو۔ درست۔

شاہ صاحب۔ فوج میں اس حالت سے رہ کر تم اپنے برتاؤ۔ جال جلن سے لوگوں کو  
دلوں میں اپنی وقعت۔ عزت۔ اور محبت اس حالت سے زیادہ پیدا کرو جس میں  
تم وہاں رہو۔ مجھے خوب یقین ہے تم اس میں کامیاب ہو گے۔ میں تمہارے مزاج سے  
خواب واقف ہوں۔ جیسا تجربہ کار زمانہ دیدہ آدمی جب اس حالت میں کہ تم نکلنا  
باندھے گھاسن کا گٹھا سر پہ کیے یہاں آؤ پھر تمہاری عزت اس حالت سے بہت  
زیادہ کرنا تھا تو تم فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں اس سے کہیں زیادہ وقعت  
دار ثابت ہو کر رہو گے۔ بیشا اپنی عزت اپنی ہانتہ ہے۔ کسی نے بہت سچ کہا ہے  
باسے کوزہ میں دریا کو بند کیا ہے۔ اس تھوڑے سے عہد پر صفدر غور کرو اسکے معنی  
کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ تم اس کو یاد رکھنا بلکہ ہر وقت پیش نظر رکھنا۔  
صلو۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ تم کہتے ہاں کامیاب ہواں ماننا چاہئے۔ انہوں نے تم کو ابھی تعلیم  
دی۔ وہ بڑے عقلمند تجربہ کار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے تم کو بڑی محبت  
سے بچایا۔ سب سے بہت محبت رکھنے والوں کے ساتھ کیلئے نہ دیا۔ تمہاری ضرورت۔ محبت خود دلائی  
کی بہت حفاظت کی تم کو ایمان داری۔ سچائی نام پر مٹ جانے کی تعلیم کی۔ تمہارے  
مزاج کو غور پسند۔ انجام میں نہایا۔ تمہیں کچھ حاصل کرنے کی عادت ڈالی۔ انصاف  
شرط ہے۔ ذرا غور کرو کہ انہوں نے تمہیں سے اس وقت تک باتوں ہی باتوں میں  
جس میں بہت کچھ نہ لکھا۔ مجھے بھی تعجب ہے وہ خود ایسے کہیں ہیں۔ سہل سہل نہ بلکہ  
سچ میں نہیں آتا کہ کسی اچھے استاد کے شاگرد ہیں۔

صلو۔ جی ہاں۔ میں اس سید محمد شاہ کے شاگرد ہیں۔  
شاہ صاحب۔ درست۔ گزر چکیں۔

صلاً۔ جی ہاں بچپن میں نہیں۔ اچھے فکریے جو ان سہتے ہم دونوں کو کچھ کچھ سیاح صاحب کی صورت یاد ہے۔

شاہ صاحب۔ بھلیک۔ جیہی خود انہوں نے اس ذلیل حالت سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ بیٹا یہ یاد رکھو ۳۰ برس کی عمر تک انسان کے دل میں ترقی کر نیکا دلو لم بڑے زوروں پر ہوتا ہے پھر وہ ہٹا جاتا ہے۔ اس عمر میں اس نے ترقی کی بنیاد ڈالی تو آئندہ چلکار و سپر عالی شان حالت بنا لیتا ہے۔ ورنہ وہ یکساں رہتا ہے رہیں جھوڑی میں اور خواب دیکھیں مفلوں کا۔ اُمی عمر اس وقت ہم کے قریب ہوئی۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ جیہی۔ اور بیوی مر چکی تھیں۔ تم دونوں کی تعلیم و نظر تھی پروردہ گہرے کیا نکلتے اور گہر میں کیا خاک ترقی کرتے۔

صلاً۔ درست۔

شاہ صاحب۔ میاں محمد شاہ بہت اچھے بہادر سپاہی۔ بڑے عقلمند اہل دل آدمی ہے۔ لکڑی خوب جانتے تھے۔

صلاً۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ پھر تمہارے ماں نے سب اگری کے فن نہیں نہیں سکھائے۔

صلاً۔ لکھتے تھے۔ مگر انکے کہیں جانیکو سننے کرتے تھے۔ اب اپنی جو چیز سے کہتے تھے۔ تم دونوں کی شادی کر دیں تو تم کہیں باہر جاؤ۔

شاہ صاحب۔ اس میں کیا سہولت تھی تم۔ سچ ہے۔

صلاً۔ جی نہیں۔

شاہ صاحب۔ انہیں یہ یقین تھا شادی کرنے سے پہلے تم دونوں الگ باہر جاؤ گے۔ تو بد ماہ ہو جاؤ گی تمہاری شرم حیا بہت مستقل ملا جی جفا کشی سب نثار ہو جائی

دیشک بہت اچھا خیال تھا۔ تم جوان اور خوبصورت جوان ہو کر وہاں ملا میں سنبلا ہو اور یہ کم محبت ہو جس پرستی آدمی کی سب خوبیاں کھود جاتی ہے۔ دیکھو تم میری

یہ نصیحت یاد رکھنا کبھی بھولے سے یہ سیاح کاری کا خیال نہ کرتا۔ مگر اب تم اس کو پھر میں بجاؤ گے۔ تم لکھ پروردہ نشین باصحت کھواری کی خیر اچھی ہو۔

تم نے اس کے ہونے کی تدبیر میں اگر سے قدم نکالا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ تم اس سے نہ  
 بولنا۔ یہ نیت رکھنا یہ سب دولت عزت پیدا کرنے کا قصہ صرف اس کے ہونے کے  
 خیال سے ہے۔ اور جب تم ابھی جگہ پر پہنچ جاؤ۔ ضرور اسی طرح گھر جانا جس طرح جائیگا  
 تم نے وعدہ کیا ہے۔ اور اس سے ضرور بیاہ لانا۔ تم اس سے بھول جاؤ کہ تو وہ  
 نرطرب ترطرب کے مر جائیگی۔ خوب یاد رکھو اس سے تم سے بہت محبت ہے وہ اپنا دل  
 کسی اور کو نہیں دے سکتی۔ تم کسی اور کے ہو گئے تو وہ مر ہی جائیگی بیٹا عورتوں کی  
 محبت انکی شرم حیا کے سبب ظاہر نہیں ہوتی۔

**صلہ**۔ نہیں حضور میں اپنا قول نباہوں گا۔  
 شاہ صاحب۔ بس اب تمہارا سفر کرنا بہت مناسب بلکہ ضروری ہے۔ جس بتاد۔  
 تم کو تمہارے ماموں نے کیا سکھایا ہے۔

**صلہ**۔ حضور لکڑی کے سبب فن اور بوٹ۔ مگر میں معلوم کیوں یہ ہمیشہ  
 تاکید کرتے رہے ہیں ظاہر ذکرنا بلکہ خود بھی اپنا ہنر سے چھپانے لگے۔  
 شاہ صاحب۔ اس میں یہ مصلحت تھی اس کی شہرت ہوگی۔ لوگ اس کے پکینے  
 کے لئے تمہارے پاس آئینگے۔ ان میں سبھی قسم کے نیک اور بد آدمی ہوں گے  
 تمہاری عادتیں ان کے نزدیک استوار نہ ہوں گی۔ تم کو ایسی محبت سے بچانا ضروری تھا  
 جو تم کو بری راہ دکھائے۔ اور انھوں نے خود یہ فن تمہاری تربیت کے خیال سے  
 سیکھو ہو وہ خود اپنے کچھ لگائے نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے تم کو شروع سے  
 مزدوری پر لگایا اور تمہارے خیالات اپنی عمدہ علمی تدبیروں اور مفید نصیحتوں سے  
 بہت نہ بچنے دے۔ اس سے اونکی یہی غرض تھی۔ تم نعمتی حسبت عبالک جھانک  
 ہو جاؤ۔ ورنہ ممکن تھا کہ وہ تم کو کہیں کسی رئیس کے بیان لگیا نہ۔ اور اسی فن کے ذریعہ  
 سے نوکری کر دینے۔ ان کا یہ مقصد تھا کہ تمہاری بہت اور غیرت کو کم کیا تھ  
 کسی معقول ذریعہ سے ایسے وقت میں جوش آئے جبکہ تمہارے نیک عادتیں  
 بچتے ہو چکی ہوں۔ میرے خیال میں وہ تمہاری محبت سے آگاہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے  
 خود یہ تدبیر نہیں جوش دلانے کے لئے کی۔ اور ابھی تدبیر کی۔ اب تم میری نصیحتوں کو  
 یاد رکھو اور مکر محبت خوب محبت بائد ہو۔ یہاں سے سیدھے دلی جاؤ و ظلم بھی

فوج کی کسی جماعت میں چند روز ویسے ہی بسر کرو۔ جیسے میں نے پہلے کیا ہے۔  
**صلّا۔** بہت اچھا۔

**شاہ صاحب۔** میرے نزدیک یہ مناسب ہے دلی پہونچ کر تم ایک جاوڑ لیلو اوسی پر  
 گھانس ملا کر سواروں کے گھوڑوں کو پہونچا کر اور خود بھی اوس پر سوار ہوتے  
 رہو۔ پرسوں مجھے ایک سہیلے مانس نے چھ سو روپیہ زبردستی دے دیے ہیں۔ میں  
 سوچتا تھا انکو کیا کروں گا۔ کیسے خرچ ہونگے۔ میں انکے بوجھ سے کیونکر ہلکا ہوں گا۔  
 آج انکا صرف میری سچ میں آگیا۔ وہ روپیہ تم لیلو۔  
**صلّا۔** حضور میں اتنے روپیہ کیا کروں گا۔ اور پہر آپسے لیکر۔

**شاہ صاحب۔** شکر ہے۔ تم قانع اور سیر چشم ہی ہو۔ اب مجھے امید ہوئی میں  
 وہ امانت تم کو جس کام کے لئے کبیر د کروں گا تم کو سکوائسی کام میں خرچ کر دے گی میں  
 بہتاری زبان سے کوئی لفظ بھی اپنے خیال کے خلاف سننا یا کہنا نہ سے بشرہ سے  
 مجھے شک ہوتا تو میں بری طرح تم سے پیش آتا۔ سنو۔ میں وہ روپیہ تم کو صرف اسلئے  
 دیتا ہوں۔ تم اس سے اچھا سا جاوڑ مول لیکر اوس سے وہی کام لینا جو میں نے  
 بتایا ہے۔ یہ یاد رکھو تم نے میری ہدایت کے خلاف ایک کوڑی بھی کسی اور  
 کام میں خرچ کی تو تم دنیا میں بہت ذلت اٹھاد گے۔ ہمیشہ اس حالت میں رہنا تو  
 بہت عینیت ہے۔ اس سے زیادہ بڑی حالت کو بھونچو گے اور بڑی جھینس  
 اٹھاد گے۔

**صلّا۔** میں حضور کے حکم کے خلاف کبھی نہ کروں گا۔

**شاہ صاحب۔** اس تدبیر سے میری یہ غرض ہے۔ بہتاری وقت فوج والوں میں  
 معمولی گھسیار ہے زیادہ ہو۔ اور میں گھوڑا لیکر تمہیں سواروں میں بہرتی ہانگی  
 ہدایت کیوں نہیں کرنا۔ اسکی وجہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس صورت سے یہ حالت  
 بہت اچھی ہے اس طرح تم اپنا وقار اون لوگوں میں پیدا کرو گے اور کبھی کسی موقع پر  
 لوکر سواروں کی طرح کوئی خدمت کرو گے اور تم سے کوئی کام بن پڑے گا تو اسکی بہت  
 وقت ہوگی۔

**صلّا۔** درست۔





نہیں ہے نہ اس میں کچھ غمت ہے۔ ہر روز ایک ساعت میں یہ تل بازو پر بن سکتے ہیں ایک گھڑی ۲۰ بل کے بعد وہ ساعت آنگلی میں مٹھارے بازو پر ایسا ہی گھما بنا دوں گا۔

صلّا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ بازو پر تل بنانے کا یہ اثر ہے۔ تھاری اولاد میں ہر مرد کے بازو پر ایسی ہی تلوں کا گھما ہوگا۔ اور اس میں سب اچھی ہفتیں رہیں گی۔

صلّا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کوئی شخص ایسے ہی تل بنائے تو تم اسے بہت آسانی سے پہچان سکتے ہو۔

صلّا۔ حضور۔ یہ انہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ کسی کو یہ معلوم ہو جائے۔ یہ عمدہ تلوار اس شخص کی ہے جس کے بازو پر ایسے ہی تل ہیں۔ وہ تمہیں دیکھ کر یہ کہے گا۔۔۔

صلّا۔ کیسے کہتا ہے۔

شاہ صاحب۔ کیوں نہیں حاکم سے کہے تلوار تیری بازو پر ایسے ہی تل ہیں اور وہ وہی ہے اس نے خود بنائے ہیں اور تلوار میرے جہاں ہے۔ تم کیا جواب دو۔ یا کوئی پشت کے بعد کوئی شخص کسی طرح کا زہیب دہنے کی غرض سے تھاری اولاد میں سے کسی سے کہے تم یہی اسی شخص کی اولاد سے ہیں جسکی وہ تلوار ہے۔ ہمارے بازو پر بھی ویسی ہی تل ہیں تو وہ کیا جواب دے گا۔

صلّا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ اسی دن کے واسطے اس میں یہ صفت رکھی گئی ہے جو جلاز کے بازو پر تلوار کا یہ مقام جہاں یہ تل میں رکھ دیا جائے اگر اس کے بازو کے تل کسی اور تدبیر یا رنگ سے بنائے گئے ہوں گے تو فوراً آبلہ بڑھ جائے گا آبلہ تو دیا جائے گا۔ تل مٹ جائیگی ساور مٹھارے یا مٹھارے اولاد کے بازو سے یہ علامت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی بازو کا گوشہ الگ کر دیا جائے تو بڑی پر بھی نشان نمودار ہوگا۔ اس نقش کا یہ بھی اثر ہے۔ جس کے بازو پر یہ نقش ہوگا اور کمر میں یہ تلوار ہوگی

وہ بہت خوش نصیب۔ نہایت حسین اور ہر دلعزیز ہوگا۔

صلّا۔ درست، اور یہ تعویذ جو حضور نے باندھا ہے۔

شاہ صاحب۔ یہ تعویذ بھی تمہارے نسل کے لئے موزونی ہے۔ تعویذ والے  
برکسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے انجام بخیر ہوگا۔ تمہارے لڑکا پیدا ہو تو یہی تعویذ  
اوسکے داہنے بازو پر باندھ دینا چاہئے۔

صلّا۔ اور لڑائی کے۔

شاہ صاحب۔ کہ ضرورت نہیں۔ اچھا اب وقت آگیا۔ اپنا بازو کھدو۔

صلّا۔ بازو کھول دیا شاہ صاحب نے ایک دستہ دار اوزار نکالا جس میں پانچ  
لاٹنی سوئیاں باریک ڈنگ کی لگی ہیں۔ ان سوئیوں کی نوکیں اوہنوں نے ایک  
عرق میں ڈبوئے تھوڑے کے اوس نشان کے پانچوں تلوں پر رکھیں ایک بل سے  
پیلے اوہنیں وہاں سے ہٹا لیا ہر ایک عرق میں ڈبویا۔ ہر اوسے نشان پر مدھنور  
اسی ہی دیر رکھا ہر غیف سی آگ میں وہ نوکیں اس طرح گرم کیں کہ دستہ زن کے  
ہاتھ ہی میں رہا۔ نوکیں اتنی گرم ہو گئیں جتنی وہ چاہتے تھے۔ تو انہیں ایک عرق  
میں نہما دیا۔ اب وہ بالکل سرخ ہو گئیں۔

صلّا۔ حضور یہ چ

شاہ صاحب۔ ہی رنگ چاہئے۔ اب یہ تیار ہیں۔ لاؤ اپنا بازو لاؤ۔

صلّا۔ بازو بڑھا دیا۔ شاہ صاحب نے اوس پر کوئی عرق ایسا ملا کہ فوراً جذب  
ہو گیا۔

صلّا۔ حضور یہ تو اور ہو گیا۔

شاہ صاحب۔ نہیں جسم میں سرایت کر گیا اب دنا اپنے بازو کو سینک لو۔  
چار بار وہ دو دو انگلی لگی بازو سینکا گیا۔ پھر شاہ صاحب نے وہ سرخ نوکیں ایک  
ساتھ بازو میں چھپو دیں۔ صلا دیا ہی ہمیں حرکت بیٹھا رہا۔ اور کہوں نہ  
بیٹھا رہتا۔ درد بالکل نہ ہوا۔ نہ خون نکلا۔

شاہ صاحب۔ یہ سوئیاں کہاں تک پہنچی ہوگی۔

صلّا۔ کیا معلوم۔ درد ہی نہیں ہوا۔

شاہ صاحب۔ ہڈی بڑی ہیں۔

یہ کھڑا ہوں نے ایک عرق اُن سویوں پر پٹکا یا۔ اور جلدی سے او نہیں نکال لیا۔  
 روز آرتھوں کے مٹے بند ہو گئے اور بار و پیر و سیاہی کچھانوں کا سوار ہو گیا۔

صلّا۔ اب یہ بنگیا۔

شاہ صاحب۔ ہاں۔ یہ یاد رکھو اس تلوار کو ہر سال ایک بار چند گھڑی تک  
 سرکہ اور عرق سمجھیں وٹو باہور کھنا۔ ایک دن ایک رات وٹولی رہی تو پھر بندرہ  
 برس تک اس محل کی ضرورت نہیں۔

صلّا۔ حضور میں یہ نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ سال میں ایک دن اس تلوار کو دو گھڑی کے لئے عرق سر  
 اور سرکہ میں ڈال دیتا۔

صلّا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ ہوسلی یہ محل کو نانا گوار ہو تو ایک رات دن اسے انہیں بیڑوں میں  
 زرد کھتا پھر بندرہ سال تک اس محل کی ضرورت نہوگی۔ سو پچیس سال بیڑی محل  
 کو نانا چاہئے۔ اپنی اولاد کو بھی وصیت کرو دینا۔ جس تم کو ایک تصویر بھی دیں گا۔ وہ  
 میں نے بہت محنت سے ایک خاص ترکیب کے ساتھ بنائی ہے۔ میں نے تم کو  
 پہلے پہل دیکھا تھا۔ اُسے قیاد نے بچہ بنا دیا تم کسی وقت صاحب اقبال ہو گے۔  
 میرا بیٹا ہاں کہ میں ہی تم کو تمہارے کاموں میں کچھ مدد دوں۔ میں نے اسی دن سے  
 (نہ بیڑوں کے تیار کی بنیاد ڈالی۔ اور چند روز میں تیار کر لیں وقت کا منتظر  
 رہا۔

صلّا۔ حضور اس تصویر سے۔

شاہ صاحب۔ تمہاری اولاد بہت خوبصورت ہوگی۔ یہ من اسوقت تک تمہاری  
 نسل میں رہے گا۔ جب تک یہ تصویر پہلاں کو ہر روز ایک وقت دکھائی جائے گی۔  
 تمہاری سبب اولاد کے نقش و نگار اس تصویر سے ملتے ہوئے۔ یہ تصویر تمہارے  
 نقشہ سے بالکل مشابہت میں ہے بلکہ اس میں تمہارے نقش و نگار میں کچھ تفاوت  
 کہ ایک ایسی صورت بنائی گئی ہے جو مرد و عورت دونوں کے لئے موزوں ہو تصویر

دکھائے گا یہ اثر ہے کہ تہاری اولاد میں مرد سب ایک قد ایک نقشہ کے ہونگے جو اس تصویر کے چہرے سے حاصل ہو سکتا ہے اور عورتیں سب ایک شکل کی۔ انکی شکل کا نقشہ ہی اسی تصویر کے چہرے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

صلّا۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ یہ تصویر ایسے وقت خاص میں ایسے علم کے ذریعہ سے بنائی گئی ہے جیسا کہ اثر ہے کہ تہاری اولاد سب خوبصورت ہو۔ اور اس تصویر کے نقشہ میں تہاں اصلی نقشہ کو ذرا بدل کر ایسا کر دیا ہے۔ کہ مصوری کے فن کے ذرا سے پیر بدل سے۔ صلا۔ یہ اس سے بھی مشکل ہے۔ مصوری کے فن کے ذرا سے پیر بدل سے

پر کیا۔

شاہ صاحب۔ سنو۔ یہ تصویر جو تہاری تصویر نہیں ہے۔ میں نے اپنے خیال کے موافق تہاں سے ماں باپ کی تصویر کھینچی۔ تہاری تصویر کھینچی۔ تینوں نقشوں کو پیش نظر رکھنا انکے نقش و نگار سے مرکب کر کے یہ تصویر بنائی۔ یوں سمجھو اس کے چہرہ کے ہر ایک جزو کے تین حصہ کئے اور ہر حصہ ایک تصویر کے مطابق بنایا۔ مثلاً ناک کی شبیہ کے تین حصہ کئے۔ بانسٹا۔ تھے۔ نوک۔ ان تینوں حصوں کو انہیں تصویروں کی ناک کے انہیں حصوں کے مطابق بنایا ہے۔ بانسٹا تہاری ماں کے ناک کا سا ہے تہاں ایسے۔ نوک تہاں سہ باب کے ایسی ہے اور سب حصوں کو سمجھو۔ اس طرح یہ ایک تصویر تین تصویروں سے مرکب ہوئی۔ تو میں نے علم نیرنگات کے ذریعہ سے یہ تدبیر کی کہ جو حامل اس تصویر کو دیکھے اس کے بیٹا خوبصورت ایسی شکل کا پیدا ہوا اور اس تصویر سے پیدا ہوئے ایسی ہی بیٹی کے نسبت سمجھو۔

ابو سمجھ گئے۔

صلّا۔ جی ہاں۔ مگر اس سے فائدہ۔

شاہ صاحب۔ اولاد کا خوبصورت ہونا تو بڑی نعمت ہے۔ بادو کے نقش اور نشان کے اثر سے وہ سعادت مند ہو گئے اور اس کے اثر سے خوبصورت۔

صلّا۔ مگر حصہ کو کیا حاصل ہو گا۔

شاہ صاحب۔ میری یاد دہش تک تہاری نسل میں رہے گی۔ اور میں نے یہ سب

فن لوگوں کو فائدہ ہی پہنچانے کے لئے سیکھے ہیں۔  
**صلہ**۔ بگڑا لیے فائدہ کا معنی میں ہوں۔

**شاہ صاحب**۔ جلدی سے سختی دی ہے جسے میں جاہلوں۔ مجھے تم سے روز  
 اول ہی سے بہت محبت ہے۔ اور کچھ محبت کا یہ انعام سمجھو۔ اور یہ محبت تمہاری  
 طالع کا اثر ہے۔ اس نیا فکا آدمی غرور و تعزیز چھوٹا ہے۔  
**صلہ**۔ گو میرے گاؤں میں سب مجھے کیوں ذلیل جانتے تھے۔

**شاہ صاحب**۔ ذلیل کیا جانتے تھے۔ سب اپنی سمجھ اور عقل کے موافق تمہاری  
 قدر کرتے تھے اور یہ جھگڑا۔ یہ تمہارے طالع کا اثر تھا کہ ایک وقت تم اس طرح وطن  
 سے نکلے۔ اور کامیاب واپس آؤ ورنہ خیال کرو کوئی اور اس حیثیت کا آدمی  
 سہوار خاں کے مندر پر وہی بات کہتا جو تم نے کہی۔ تمہی بتاؤ وہ اسے کیا سزا دیتا۔  
 تمہارے طالع ہی کا اثر ہے کہ تم کو اس بڑی حالت میں بھی دیکھ کر مریم نے پسند کر لیا۔  
 ورنہ عورتیں سب سے پہلے مال اور دولت اور ہنر کو دیکھتی ہیں۔ یہ کہو کہ وہ ابھی نادان  
 ہے۔ تو نادان سب سے زیادہ دولت پر گرتی ہیں۔

**صلہ**۔ درست۔

**شاہ صاحب**۔ میری یہ خوشی ہے۔ تم کو ثروت ہو تو اپنے خاندان کا روزنامہ چھوڑ  
 مرتب کرنا۔ اس میں میرا ہی تذکرہ ہو۔ آمیزہ کے لئے اپنی اولاد لگاؤ۔ روزنامہ برابر لکھتے  
 رہنا۔ اور میرے قاتلہ کرنے کی وصیت فرود کرنا۔ میں اس خدمت کے عوض میں  
 صرف ثواب آخرت جانتا ہوں۔ روزنامہ لکھنے سے تمہاری اولاد کو وہی فائدہ  
 ہوگا جو تاریخ دیکھنے سے انسان کو ہو سکتا ہے۔ سنو لوگوں کو اچھے بڑے  
 حالات لکھنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ نہیں بڑھ کر آئندہ نسل ان خرابیوں  
 سے بچے۔ اور ان خرابیوں کے حامل کرنے کی کوشش کرے جو اگلے  
 لوگوں میں نہیں جنہوں نے انکو تاریخی آدمی بتایا تھا۔ اس کے علاوہ اپنا  
 روزنامہ لکھنے والا اپنے ہی افعال سے نصیحت اور عبرت حاصل کر سکتا ہے  
 ماں اپنی اولاد میں یہی وصیت کرنا کہ ہر شخص کے بچپن اور جوانی کی تصویر  
 مزدور بچہ جانی جائے۔ اس سے انکو میرے اس عمل کی وجہ اس تصویر کے

کھینچنے میں کیا گیا ہے قدر ہوگی دیکھنے والے اچھی طرح دیکھ لیتے کہ کسی کا نقشہ اس  
تصویر سے بالکل الگ نہ ہوگا۔ یہ بھی وصیت کرنا۔ ہر بچہ کا ذاتی ضرور کھینچا جائے  
اوسکے کھینچنے کی تصویر کے ساتھ رکھا جائے۔  
**صلا۔** بہت اچھا۔

**شاہ صاحب۔** یہ دوسری تلوار لو۔ یہ تمہارے بہائی بنیاد کے نام سے بنائی  
گئی ہے۔ اور یہ بازو بند اوسکی اولاد کے لئے ہے۔ اسکی نسل میں لڑکیاں زیادہ  
ہوں گی لڑکے کم اور لڑکیاں اکثر تمہارے خاندان میں بیاہ کے آئیں گی۔ یہ بازو  
بند زمر کا منقش ہے۔ اسکی نسل بنیاد کے ذاتی میں ہے اور وصیت نامہ میں  
بھی ہوگی یہ بنیادی بچی کے بازو پر باندھا جائے جب لڑکی پیدا ہو اسکے بازو پر  
باندھ دیا جائے اس طرح یہ سلسلہ جاری رہے اس بازو بند سے اسکے نسل کے  
لڑکیوں کی عصمت و آبرو ہر اک بچے سے محفوظ رہے گی۔ وہ اپنی بچاؤ کے لئے ایسی  
مصیبت کے وقت کوئی تدبیر کریں گے تو وہ کارگر ہوگی۔ کیسی مصیبت میں وہ  
گرفتار ہو جائیں انجام بخیر ہو گا اوس سے بھی روز نامہ کھینچنے اور تصویر کھینچنے کی ہدایت  
ضرور کرنا اوس روز نامہ میں بھی میرا تذکرہ ضرور ہو اور میرے خاندان میں خاندان  
میں بھی ضرور لکھا جائے۔ یہ لو اوسکے آئندہ خاندان کے لئے یہ تصویر ہے۔  
یہ بھی اسی طرح اوسکی ترکیب اور عمل سے تیار کی گئی ہے اور اوس کا اثر بھی وہی  
ہے۔ یہ دوسرا بازو بند فرودہ ہے جو شخص اسے اپنے بازو پر رکھے گا وہ  
ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ یہ بھی بنیادی اولاد کے لئے ہے جس شخص کے پاس  
سے یہ بازو بند کم ہوا جائے گا وہ بہت سخت مصیبت اوشٹائے گا۔ یہی اثر اسکے نسل  
جائے گا یہی ہے۔ جس شخص کے ذریعہ سے گم شدہ بازو بند یا اسکا ٹکڑا اسکے مالک کو  
دیکھا وہ بازو بند والے کا بہت بیمار ہو گا بازو بند ملنے ہی تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔  
**صلا۔** (تلوار کو دیکھ کر) درست۔ مگر اس تلوار پر دیسی تل نہیں ہیں۔  
**شاہ صاحب۔** یہ دوسری ترکیب سے بنائی گئی ہے۔ یہ دیکھو اسکے عین وسط میں سیاہ  
خال ہے۔ یہ رنگ نہیں ہے۔ یہ سیاہی دیکھو تلوار کے دونوں طرف اس طرح  
لکھی ہے۔

صلّا۔ تی ہاں۔

شاہ صاحب۔ (ایک سلائی دیکر) یہ سلائی ایسا ہی تل بنانے کے لئے ہے۔ اس کی نوک نیبو کے عرق میں تر کر کے فیا کے سینہ پر دونوں جہاتوں کے بیچ میں کھدینا اسی وقت ایسی صورت کا تل اوکے سینہ پر بن جائیگا۔ یہ تل اوکے نسل کے ہر ایک مرد اور عورت کے ضرور ہوگا۔ جسکے یہ تل ہوگا وہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہیگا کسی مصیبت میں مبتلا ہی ہوگا تو انجام بخیر ہوگا۔ میں نے یہ سب تدبیریں اس لئے کی ہیں کہ تمہاری اولاد ہر ایک آفت اور بلا سے محفوظ رہے۔

صلّا۔ حضور ایک دفعہ ماموں نے ایک پیلوان کا قصہ کہا تھا اوسکا جسم فولاد کا تھا۔ وہ رستم سے لڑا تھا رستم کا بچہ پس نہ چلا تو اس نے اوسکی ٹانگیں پیوڑ ڈالیں۔

شاہ صاحب۔ ہاں اسفند یار کو روئیں تن لکھا ہے۔  
صلّا۔ ہاں یہ نام لیا تھا۔ ماموں نے یہ بھی کہا تھا کسی فقیر کی دھالے اوسکا تمام جسم فولاد کا ہو گیا تھا۔

شاہ صاحب۔ وہ قصہ سچ ہوا جھوٹ ہم نہیں کہہ سکتے مگر انسان کا جسم۔  
صلّا۔ حضور نے اسی کہا اوسکا قصہ لکھا ہے۔

شاہ صاحب۔ پیر۔

صلّا۔ کتابوں میں ہے۔

شاہ صاحب۔ کیوں۔ جیسے جھوٹ سچ زبان سے کہتے ہیں ویسے ہی کہتے ہیں۔

صلّا۔ تو وہ قصہ جھوٹ ہے۔  
شاہ صاحب۔ نہیں میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ جھوٹا ہی ہے۔ نہ سچا کہہ سکتا ہوں۔

صلّا۔ حضور آدمی کا جسم فولاد کا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ فولاد نہیں۔ روئیں اذہات کو کہتے ہیں۔

صلّا۔ وہ اس سے ہی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

شاہ صاحب۔ بیشک۔



صلا۔ یہ کیسے ہو جاتا ہے۔ اور آدمی زندہ کیسے رہتا ہے۔  
شاہ صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) روئیں تن پو جانتے تے یہ مراد ہے۔ اوسکے جسم پر  
کوئی تریہ کارگر نہیں ہوتا۔ جسم کہیں فولاد کا ہو سکتا ہے۔ علم نیرخات میں ایسی ترکیبیں  
نہیں جننے یہ مدعا حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر بہت مشکل ہیں۔ برسوں کی محنت سے  
یہ عمل کامل ہوتا ہے۔

صلا۔ درست۔  
شاہ صاحب۔ (کچھ حساب کر کے) اچھا اب تم اپنا اسباب باندھو۔ بہت جلد ایسی وقت چلے  
جاؤ۔ تمہارے جانتے گئے اس سے ابھی ساعت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔  
صلا نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ کٹھری میں سب پیڑیں باندھ لیں۔  
شاہ صاحب۔ (دیکھ دیکھ کر) میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ خدا سے یہ وعدہ کرو کہ میں  
اپنا ایک بیٹا تیری نذر کروں گا۔ اس نذر کا صرف یہی مطلب ہے کہ سہاڈا بیٹا بلکہ  
تمہاری اولاد سے ایک مرد کسی وقت جیلوہ دنیا کے تعلقات چھوڑنا چاہتا ہے۔  
تو ترک دنیا کر کے فقیر ہو جائے۔ اور ہمارے سلسلہ درویشی میں داخل ہو تم اپنے  
خاندان میں یہ وصیت جاری رکھنے کا ناکیدی حکم دینا جو شخص اس نذر کو ادا کرے گا  
اس سے میری روح بہت خوش ہوگی۔ ہمارے خاندان کے جانشین فقیر ہی تمہارے  
سلسلہ کے مردوں کو یہ وصیت یاد دلاتے رہیں گے۔

صلا۔ بہت خوب (اوس نے کھڑے ہو کر وہی اقرار کیا)  
شاہ صاحب۔ (ادھکل سے اوسکے ماتھے پر گد لٹکی یہ پیشانی ہمیشہ چمکتی رہے گی۔ جاؤ  
خدا حافظ۔ ماں یاد رکھو وطن آؤ تو نجم اسوقت ملنا جب تم مرے گویا کئے آؤ۔  
ملا میاں بہت خوب لکھا اسی وقت روانہ ہو گئے انہیں معلوم کہاں گئے پورا دینی خبر نہ سیکھ سکی  
ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں اونکے جانے کے ٹھیک جاہر حسینہ کے بعد۔ بیٹا اوسکا باب۔ صلا  
ماں سب اوس گاؤں سے غائب ہو گئے تھے مگر اس عرصہ میں انکے سلسلے مریم اور باجہ کی  
نسبت کے پیام کئی جگہ سے آئے تھے اور شہسوار نے سب کو جواب دیدیا تھا۔ آخر کار ایک  
بہت آسودہ حال زمیندار کے دونوں لڑکوں سے انکی نسبت پھر گئی تھی زمیندار صاحب  
کئی گاؤں کے مالک تھے شہسوار اودانکے بیوی بچوں کو دولت دیکھ کر رنجیدہ تھے۔ لڑکوں کی چال

جلن صورت شکل حسب نسب کی بابت کو بھی کسی سے دریافت نہ کیا۔ بڑے کے دونوں بہت بد صورت بڑے آوارہ تھے دنیا کا کوئی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں نہ ہو جس کے اس نسبت کے تذکرے شروع ہوئے تھے۔ اور مریم اور باجہ نے اپنے ماں باپ کی مرضی دریافت کر لی تھی۔ اسی وقت سے دونوں نے مصافحہ کیا تھا۔ ہم ان بد معاشوں کے گھر غائب ہوئے۔ جبر کو گئے تو ہم ہر جائے گمان بچاریوں کی کون سکتا تھا۔ بلکہ انہوں نے ہر جب بھی یہ بات کہی ماں باپ نے انہیں خوب مارا بہت اذیتیں دیں۔ اور سنگینی کی تقریب کی تاریخ معطر کر دی۔ بہرہ ہی وہ دونوں وہی کھتے رہیں اور اب تو مصافحہ طور سے کہہ جاتا تھا۔ ہماری شادی صلا اور بنیا ہی سے ہوئی تھی ہم یو نہیں نامراد دنیا سے بھاگے۔ مگر اون کی کوئی نہ سکتا تھا۔ جیسے جیسے وہ انکار پراہر کر رہے تھے ویسے ہی اون کے ماں باپ ابتر و خوار ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ دن کی نہ سنیں مگر بدنام اور ذلیل ہی خوب ہوئے۔ تمام گائوں میں نہیں آس پاس کے سب بستیوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی۔ شہوار اور اپنی راکھوں کی نسبت جس جگہ کرتے تھے وہاں منظور نہیں کرتیں صلا اور بنیا سے شادی ادا جانا چاہتے ہیں۔ اور شہوار کے سمدھیا میں تو یہ خبریں پہنچی تھی۔ مگر لکیاں دونوں کہیں ابھی ہوئی تھیں مگر کہیں اوسے گاؤں میں دو سائیں تھے۔ صلا اور بنیا وہ کہیں آتے جاتے تھے ماں باپ کے آسے دیکھ لیا۔ وہ انہیں گاؤں سے نکلوا دیا۔ مگر لکیاں ملتک انہیں نہیں بولیں۔ اب صاف صاف کہتی ہیں۔ ہم انہیں کے ساتھ شادی کریں گے۔ سمدھیا کے واسطے غیر تدار تھے وہ انہوں نے یہ بات سننے ہی شہوار کو صاف جواب دیدیا یہ سب واقعات صلا کی ماں کے سامنے ہوئے وہ انہیں سن کر خوش ہو گئی۔

شہوار بھی اپنے ذہن کے پورے تھے وہاں سے جواب ملا تو وہ انہوں نے طعنہ میں جسے اس وقت کوئی کہتے تھے۔ ایک اونچے گھر میں نسبت طرائق یہ دونوں لڑکے بھی باہم حقیقی بیانی شیخ جعفر علیاں رسالہ کے لڑکے تھے۔ شیخ صاحب گئی گاؤں کے زمیندار ہونے کے علاوہ بڑے دو لکھتے تھے۔ یہ نسبت بہت پوشیدہ طور سے کی گئی اڑکیوں کو اوس دن خبر ہوئی جب سنگنی کے رسم کے دو دن باقی تھے۔ انہوں نے

بہرہی انکار کیا بلکہ ابکی بار خوب روئیں بیٹیں چلائیں۔ ماں باپ نے انہیں خوب ملہا اور یہ  
 خبر بھی سب گاہوں میں مشہور ہو گئی صلا کی ماں نے ہی سن لی۔ مگر شہسوار برآن منظر ہو گئی  
 فریاد نے کچھ اثر نہ کیا آخر کار تیسرے دن شام کو شیخ صاحب کے یہاں سے جو ڈاکٹر یا فاضل  
 سنگی کا سب سامان بڑی دھوم سے آہی گیا۔ دروازہ پر نایق شروع ہو گیا۔ گھر میں  
 لڑکیوں کو اس تقریب کے رسوم کے لئے عورتیں بنائے سنوہ نے لکس صلا کی ماں  
 یہ حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ دونوں لڑکیاں اب چلیں۔  
 دروازہ پر نایق ہو رہا تھا آتش بازی چھوٹی تھی گھر میں لڑکیاں دو لہن بنی ایک ہی  
 تخت پر بیٹھ والی دالان میں بیٹھی تھیں ڈومنیان گارہی تھیں کہ کیا بک دو نو لڑکیاں  
 نے گھونگھٹ اور لٹ دیا۔ چلائے کہا سب سن لو۔ ہماری ماں باپ ہم پر ظلم کرتے  
 ہیں۔ ہمیں ایسی جگہ بھیجتے ہیں جہاں ہم جانا نہیں چاہتے۔ ہم صاف صاف کہتے  
 ہیں ہم دونوں کسی اور رکے ہوئے ہیں۔ اب دنیا میں کوئی کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو جو  
 دیکھ بھی نہیں سکتا۔ مگر ہمارے ہمارے کوئی نہیں سنتا۔ آخر ہمیں اس ظلم سے نجات  
 پانے کے لئے آج زہر کھا لیا ہے اب تو بڑی دیر میں ہم مرجائیں گے۔ ہم تم سب کو  
 ٹواہ کرتے ہیں۔ ہم بی قصور ہیں۔ ہمارے اس طرح مرنیکا گناہ ان ماں باپ کے  
 سر ہو گا۔ یہ کہتے ہی کہتے دونوں بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ شادی کے گھر میں بیٹیں بڑ گئی مہمان  
 عورتیں ان ماں باپ اور ان کنواری بے شرم لڑکیوں کو برا بھلا کہتا اپنی اپنی گھر  
 چلی گئیں۔ ہر زمانہ کے رواج کے موافق ان لڑکیوں کو کچھ بھی کہتا تھا سب نے ہٹا دیا انہیں  
 کچھ حق اس بات میں کسی طرح دخل دینے کا تھا ہی نہیں۔ انوس انکی شادی ہو انہیں کو  
 تمام عمر وہ دیکھ سکتے بھگتتا بڑے جو اس بچہ شادی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اور بہرہی  
 کچھ کہنے کی مجاز نہیں یہ کس قانون کس شرح یا شاستہ کا مسئلہ ہے۔ کسی کا بھی نہیں  
 مگر سب اسے مانتے ہیں۔ زمانہ کی خوبی۔ جہالت کی عنایت وہ لوں لڑکیوں کی  
 حالت بہت خراب ہو گئی تو صلا ایک اجنبی عورت کے بھیس میں لگی اس حلقہ  
 دونوں کو ایک دوا چند مرتبہ مٹھے میں پلائی اس سے تھوکر زہر کا اثر ختم ہوا  
 دونوں کی جان بچ گئی۔

ان واقعات کے بعد صلا کی ماں۔ ماموں اور قلیا گاہوں سے کہیں چلے گئے تو بہرہ انکا

کہیں چند ملازمہ نہیں بلکہ ان سے کچھ سردکار نہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں ٹھیک دو برس بعد اس اور کیا صلہ کو حمید پور چھوڑے ہوئے تیسرا سال اومی دن شروع ہوا تھا کہ صبح بہت سویرے دکان آٹھ دس لوگوں کی آواز بے دریغ آبادی کے قریب ہی سے آئی۔ سب گاوؤں کے حیران ہو گئے لوگ ادھر ادھر خبر لائے کئے لئے دوڑے۔ اور تھوڑے ہی دیر میں سب کو یہ معلوم ہو گیا۔ گاؤں کو کرنل صلابت خاں بہادر کی فوج نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے دو طرف تو بچانہ نکلا ہوا ہے بس فرار ہونے کی دیر ہے کہ سب گاؤں خلک خاک ہو جائے گا۔ گاؤں میں کھل بلی بڑائی لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ گرد ہاں رخنہ بندی ہو چکی تھی تو بھاگا کرتا ہوا سب حیران رہتے۔ کرنل صلابت خاں کون ہیں انہیں اس گاؤں سے کیا دشمنی ہے انکی فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیوں کیا ہے۔

یہ حالت میں بچا اس سوار کچھ پیدل چند افسر آبادی میں آئے۔ دو سوار۔ اوس چار زمیندار کو گرفتار کر کے لئے گئے باقی سپاہیوں اور سواروں نے شیخ علی حمید کے بنائے ہوئے عالیشان چاروں حویلیاں جواب چار کے قبضہ میں لیں۔ خالی کرنا شروع کریں۔ ان حویلیوں سے دو میں زمیندار کی مویشی بند تھی تھی غلہ بہر تھا ساکب میں وہ خود رہتا تھا ایک کسی مہاجن کے پاس رہت تھی اس میں اسکا گنہ تھا۔ مویشی سب ان حویلیوں سے نکل کر گنو خانہ اور رشتہ خانہ میں باندھ دی گئیں۔ یہ دونوں بچہ مکان آبادی کے باہر شیخ علی حمید کے بنوائے اتنا موجود ہے اب ان میں کہیاں لگایا جاتا تھا کچھ پائے بندھے تھے۔ ان دونوں مکانوں پر پہرہ بیٹھا دیا گیا۔ غلہ بدستور انہیں حویلیوں میں رہا۔ وہ صاف ہوئیں اور پہرہ مستقیم ہو گیا۔

ان کاموں سے فراغت پا کر سوار دو باقی ماندہ حویلیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ چار اور ساہوکار کے سب آدمیوں کو نکال دیا۔ مگر سب ایک ہی طرح سے نہیں نکالے گئے۔ چار کے آدمیوں کو حکم ملا کہ سب خالی ہاتھ جہاں جی چاہے چلے جائیں مگر کے اسباب کو وہیں چھوڑ دیں۔ ساہوکار کو اپنا اسباب نقد و جنس نیچانے کی اجازت ملے حویلیاں خالی اور صاف ہو گئیں تو ان پر بھی پہرہ مستقیم ہو گیا۔

ان کاموں سے فراغت پا کر سب افسر اور باقی ماندہ سپاہی شہسوار کے یہاں پہنچے  
 شہسوار گہرا گئے۔ افسروں نے انہیں حکم سنایا۔ ہمارے افسر کو نیل صلاست خاں بہادر  
 نے حکم دیا ہے۔ شیخ علی حمید صاحب کی یہ جو ملی دیوان خاندہ جس میں آپ رہتے  
 ہیں جو اب کو شیخ نجابت علی خاں نے صرف رہنے کو دیا ہے فوراً خالی کر دیجئے۔ اپنا  
 سب اسباب اور بالیہ سچے اوس کیے مکان میں بیچائے جس میں دو برس پہلے صلا  
 رہتا تھا جو آج کے قبضہ میں ہے۔ آپ کا اور کوئی مکان اس گھاٹوں میں نہیں ہے  
 آپ کا اصلی مکان یوسات میں اگر گیا تھا تب شیخ نجابت علی خاں صاحب نے آپ کے  
 بچوں پر رحم کر کے یہ مکان دیا تھا اور اس بات کا یہاں تک نیاہ کیا تھا کہ اس مکان  
 کو اوس قرضہ سے بھی محفوظ رکھا تھا جس میں سب جا بجا دو گئی تھی آپ کو بخشی مکان  
 خالی نہ کریں گے تو ہم مجبوری پھر خالی کرائیں گے۔ اس نادری حکم کی تعمیل میں شہسوار  
 عذری کیا کرتے۔ رونے دھونے گہریں چلے گئے۔ اور اسی وقت اوس کے گھر  
 میں جواب ہر طرف سے گر کر گنڈا ہر ہو گیا ہے اسباب بھی جتنا شروع کر دیا۔ سپاہیوں  
 سواروں اور افسروں نے بھی انہیں اس کام میں مدد دی۔ مکان ذرا سی دیر میں  
 خالی ہو گیا اس میں فضل ڈال دیا گیا۔ اور شہسوار کو انہیں اپنے ساتھ فوج میں لئے گئے۔  
 وہاں فوج میں یہ حال ہے۔ ایک وسیع میدان میں جو ایک سو چار کے وسط  
 میں ہے۔ بہت بڑی درمی بچھی ہے۔ درمی برصاف چاندل ہے اور چاندنی  
 پر جا بجا چاروں طرف قالین ہیں حدر میں ایک بڑی قالین کے وسط میں فنگل  
 بچھا ہے اسکے سامنے دانتے بائیں سب داخت افسر کرسیوں پر اور خود کرسی صاحب  
 اس فنگل پر بڑی آن بان سی تھے بیٹھے ہیں۔ چارہ منیدار ایک ایک حضور میں  
 نہیں پہنچا ہے۔ اسکے لانے کی بابت یہ انتظام پہلے سے کیا گیا تھا جس راہ اس  
 لانا تھا اور سپر جا بجا جو کیاں قائم کر کے جا چار سپاہی بٹھادئے گئے تھے۔ سپاہیوں کو  
 حکم تھا کہ وہ جس چوکی پر پہنچے اسکا ہر ایک سپاہی چار چار چوٹی او سکے گائے اور  
 دو سپاہی مکان پکڑ کے دوسری چوکی پر پہنچائیں۔ پس مدارات اور جلوس سے  
 وہ حضور میں پہنچا جاوے۔

سیوفت شہسوار کو نیل صاحب کے حضور میں پہنچے اسی وقت زمیندار بھی

حاضر کیا گیا۔

کرنیل صاحب۔ کیوں بے ایمان بد ذات چار تو نے بھوکو پہچانا۔

چچار۔ حضور یاں۔ آپ کرنیل صاحب ہیں۔

کرنیل صاحب۔ نہیں ابھی نہیں پہچانا۔

چچار۔ دبا تھو چوڑا کی حضور۔

کرنیل صاحب۔ ہم وہی صلا ہیں جس سے تو نے کہا تھا تو سب اور فوج لے آتیا

ہم دھم دیں گے۔ ایک فوج اور تو پ خانہ آگیا ہے اب کیا کہنا ہے۔

چچار۔ (دوانٹ نکال کر) ہیں ہیں بیہی صلا۔

کرنیل صاحب۔ چپ بے ایمان تیرا بیہی کون ہے۔ بے ایمان بد ذات موذی

تو وہی ہے جسکے باپ دادا اپنے اور خود تو نے ہمارے باپ دادا کے ٹکڑوں سے

پرورش پالی۔ تیرے باپ دادا کی پشت تک ہمارے پیاسے کے اونٹنے ہوا ہے

نہے۔ موذی بے ایمان ہمارے پیاسے چوریاں کر کے انعام پاکے پڑھے پھر تم نے

ہمارے عیش پسند برگوں کو اور ڈھنگ پر ڈالا انکے دلال کن گئے اس ذریعہ

سے انہیں لوٹا جب تمہارے پاس کچھ بچھی ہو گئی تھی تم نے انہیں کاروبار سے

قرض دیا اور ایک کے بس لکھ لئے۔ یوں لوٹا اور ہر آن عیش پسند حضرات سے تم کو

بالکل ختم اپنے کاروبار کا مختار کر دیا اس میں تم نے اپنا گھر بنایا۔ مینا تنگ کہ ان کا

فیصلہ میں ہمارے باپ نجابت علی خانی وقت میں صرف دس گاؤں رہ گئے

اور سب کوڑیوں کے مول تمہارے ہی ہاتھوں کا بک گئے یا رہیں ہو گئے۔ اور

چار لاکھ سے زیادہ فرصہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہر ایک گاؤں کی سواری میں تم نے

سہرت بے ایمانی کی خریداروں سے مل گئے ان سے کھیلے لیا اور گاؤں کوڑیوں

کے مول دلایا۔ نجابت علی خانی پر خود تو نے ماتہ صاف کیا وہ دس گاؤں تو نے

خود اسے ایسے وقت میں کو وہ بہت تنگ دست ہو گئے تھے سو سو روپیہ میں ہن

لکے تھے۔ تم نے بھی بے ایمانی نہیں کی۔ تم ہمارے کارندہ تھے۔ اسامیوں سے

سو پیہ وصول کر کے خود لے لیا۔ سرکار کے باقی کی علت میں فوج ہمارے پیاسے

چلے باپ دادا سیکڑوں یاد گرفتار ہوئے اور ہر مرتبہ فوج کو کچر سخت دیکر

سرکاری باقی کچا دار کے چھوٹے۔ روپیہ انکے پاس تھا نہیں ہوتا کہاں سے سب تم بے گئے اور لئے جاتے تھے۔ ہر گرفتاری میں کوئی گاؤں بکاتا تھا اور تم سے قرض لیا جاتا تھا تم امیک دیتے اور پچاس لکھاتے تھے۔  
تم نے اسی برس نہیں کی ہمیشہ گرفتاریاں ہماری ہونے کی کوشش کی اور حیب فوج یہاں پہنچ گئے تم فوج سے مل گئے اور سے دلوایا دلیا۔  
چمار۔ حضور۔ میں نے۔۔۔۔۔

کرنیل صاحب۔ جب بے ایمان۔ ابھی ہمتا رہے ظلم کی داستان ختم نہیں ہوئی تم وہ دس گاؤں بھی جو برائے نام نجابت علی خاں کے قبضہ میں تھے نہ دیکھ سکے تم اور قبضہ لینے یا قرضہ ادا ہونے کا دباؤ ڈالا۔ تو ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تیرے پس کے نہ تھے مگر تو نے رشوتیں دیکر اس حال کے حاکم اور فوج کو ملا لیا تھا۔ انہوں نے اپنا دباؤ ڈالا۔ آخر فوج یہاں پہنچی اور سچے قبضہ دلا دیا گیا۔ اس وقت اس سے دیا وہ اندھیر تھا کسی نے یہ نہ پوچھا یہ ذلیل چار ہمارا نوکر اتنا روپیہ کہاں سے لایا۔ تو نے گاؤں پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے مکانوں سے نکال دیا۔ چار سب مال اسباب اپنے قرضہ میں لے لیا۔ ہم بالکل فقیر ہو گئے اسی غم میں اس واقعہ کے تیسرے ہی دن نجابت علی خاں مر گئے۔ اور مفلسی کی مہربانی سے تین دن انکی لاش بغیر کفن رکھی رہی۔ تیسرے دن ہمارے ماموں نے انہیں اپنی امیک خاد میں لپیٹ کر دفن کیا۔

چمار۔ حضور مجھے یہ مقصود ضرور ہوا کہ دباؤں پر گرتے ہوئے مگر آپ بڑے آدمی ہیں۔۔۔۔۔

کرنیل صاحب۔ ہمارے ماموں نے خود انکی قبر کو دی تھی اسی میں انہیں دفن کیا تھا۔ ہم اس وقت جب گاؤں تو نے لئے تھے گھر لوٹ گئے تھے اس گاؤں سے چلے جاتے مگر نجابت علی خاں کے یکا امیک بیمار ہو جانے سے نہیں سکے۔ ہمارے باپ نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میری اولاد سے ہر شخص اس مودی چار سے بدل لینے کی فکر کرے۔ جو بدل لیا میری روح اس سے بہت خوش ہوگی اور نہ میں قیامت کے دن جواب طلب کروں گا۔ ہماری ماں یہیں امیک چھوٹی میں رہ گئیں

اور گاؤں کے منک حرام آدمیوں کی مزدوری کر لے لگیں۔ اس وقت میں بالکل فراہم  
 بچہ تھا۔ میں نے اسی مصیبت میں آنکھ کھولی اسی میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو میں  
 بھئی مزدوری کرنے لگا۔ میں نے گھوڑا بھرنے کی انوکھی تیرے یہاں دور و پیہ  
 نہیں پر کر لی۔ اور تیرے گھوڑوں کو گھاس پھوس دینا روپیہ مالدار ہی پر ڈالنا شروع کی  
 میری مال تیرے لبر کا اناج پیتا ہی۔

چار۔ بڑھنوں میں اسے آجکے کوئی دیکھ نہیں دیا۔

گر نیل۔ مسکراتے ہوئے نہیں کہہ سکتی تھیں۔ اپنے ماتحتوں سے ہم انہیں کے  
 نکالے۔ ہم نے وہاں اس رات سے گئے تھے۔

شہسوار۔ ابو بیک ہاتھ جوڑے کھڑے تھے حضور نے کیا حکم ہے۔

گر نیل۔ اے۔ ماموں تم ہو۔ کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ اپنے ماتحتوں سے

انہیں بٹھاؤ شہسوار سے ذرا ہٹ جاؤ۔ میں اس موذی سے ہٹ لوں تو ہتھاری  
 طرف متوجہ ہوں گا۔

شہسوار۔ بہت اچھا۔

گر نیل۔ ہاں جناب چودہری صاحب۔

چار۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور۔

گر نیل۔ بے ایمان بد ذات موذی تو یہ بوجھتا ہے میں نے تم کو  
 کہہ ہی کوئی دیکھ دیا۔

چار۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور۔

گر نیل۔ اس سے بڑا اور کیا دیکھ ہو سکتا تھا۔ تو نے ہماری جان بچاؤ لی۔

گر جبین لئے۔ اسباب لوٹ لیا۔ فقیر کر دیا۔ اسپر ہی میں نہیں کی ہم تیرے کام کرتے

تھے اور تو ہمارے مزدوری جہا جہا کے دیتا تھا صرف ہی تھیں وہ بھی پوری

دیتا تو کچھ غم تھا تو دوسرے کی محنت کراتا تو دود کوڑی بڑی مشکل سے دیتا۔ یہاں تک

بھی صبر تھا۔ تو نے ہم کو گالیاں دینی شروع کیں۔ تجھے یاد ہے جس دن میں یہاں سے

جدا کیا تھا تو نے مجھے کیا کیا تھا۔

چار۔ حضور میں نے تو کچھ نہیں کہا۔



**کرنیل**۔ دسکرا تے ہوئے (ادبے ایمان) اب تجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ سن میں نے تجھے اپنے دام مانگے تو نے گالیاں دیں میرے ہاتھ سے تو پٹا پھر ہی تو نے دام مذمے یہ کیا جا تو پختانہ اور فوج لے آتے دیکھے۔ اب یہ فوج اور تو پختانہ حاضر ہے نہ کئے کیا حکم ہے۔۔۔ بے ایمان تیری یہ سزا تھی کہ تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو دی جائیں مگر میں تجھ سے بے ایمان کہینہ کی جان لینا نہیں چاہتا میں خوں نہیں ہوں۔ تجھے بھی سزا دیتا ہوں جس طرح تیرے باپ دادا اس گاؤں میں آئے تھے اسی طرح تو یہاں سے چلا جا یہ میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ دادا بالکل کشکال تھے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور تیرے پاس یہاں سے اس طرح چلے جانے پر بھی بہت سا نقد روپیہ اور ایک گاؤں رہے گا۔ جو تو نے سسکے پہلے نہیں تو یہ تیرے باپ نمک حرام نے ہمارے دادا سے ایک نا جانہ خدمت کے صلہ میں اور قرضہ کے عوض لکھا لیا تھا اسلئے گاؤں میں میرا روپیہ ہمارے ہی مکانات میں دفن ہے۔ مگر ہم کو اس سے کچھ سروکار نہیں تیری سزا یہی تھی کہ ہم وہ بھی لے لیتے اور تجھے بہت بری طرح مارنے۔ مگر جبکہ ہاتھ پیراں سے لگاڑتے نہیں جا چپ چاپ یہاں سے چلا جا۔ ادھر پھر کبھی مذمہ لینا۔ میرے باپ کی بھی وصیت تھی کہ تجھے بالکل لنگوٹا بند ہونے کے یہاں سے نکال دے مگر میں تجھ پر رحم کرنا ہوں۔

چار۔ بہت اچھا۔

**کرنیل**۔ (شہسوار سے مخاطب ہو کر) ماموں۔ تم ہی اس چار سے کچھ کم نہیں ہو۔ تم نے اس سے کچھ کم نمک حرامی نہیں کی تم ہمارے باپ دادا اس چار سے نان نمک سے پرورش ہوئی۔ تم کو ہمارے یہاں سے کیا نہیں ملا۔ گئے گذرے وقت میں ہمارے باپ نجابت علی خان نے تم کو وہ حویلی اور وہ دیوانہ خانہ معہ انکے سہیلان کے دیدیا۔ مگر تم نے وقت پر ہمارا ساتھ نہ دیا یہاں تک غنیمت تھا۔ تم ہم کو دباتے تھے۔ تم ہو کہ ذلیل سمجھنے ذلیل کرنے کی فکر کرتے تھے۔ تم کو یاد ہو گا صبدان میں یہاں سے شہسوار۔ کرنیل بیٹا سب یاد ہے۔ مگر اب گزرے باتوں کا ذکر ہے کیا جو تجھ ہو چکا۔ اب تم اس کو بھول جاؤ۔ اب تم اور یہ نئی داد خاں دو نو میرے گھر کے مالک میرے تحت چکر ہو۔

**کرنیل**۔ افسوس۔ کسی کی تصویر میرے دل میں بیٹھی تھاری سفارش کو رہی ہے۔ ورنہ میں تم کو بہت بڑی سزا دیتا۔ تم نے مجھے گالیاں دیں مارا۔ گہرے سے نکال دیا میری ما کو مارا۔ نسبت کرنے کی بابت بہت سخت جواب دیا۔ مگر مجھے اسکا رنج نہیں ہے البتہ تم نے ان دونوں معصوم بچوں سے جو سلوک کئے انہیں جواذیتیں دیں۔ او نہیں اور اپنے آپکو جیسا کچر سوا کیا اس پر مجھے غصہ آتا ہے۔ تم ندامت بیوقوف جاہل اتنا نہ سمجھے۔ ان کی محبت نے انہیں ایسا ہی بے قیاد کر دیا ہے تب یہ زمانہ کی شرم حیا کو چھوڑ کے صاف صاف کہتے ہیں۔

پہر اب غم انکے خلات کر لیں گے تو یہ کیسے قبول کر لیں گے۔ تھاری اس نادانی اور غصہ نے ان کی جان لینی چاہی ہے۔ اور ان کو خوب بدنام کیا۔ ان کی جان کہی نہ بچتی اگر وقت پر امانہ پہنچ جائیں۔ اور ماموں کی بتائی ہوئی بوٹی ہی میں جوش کر کے نہ پلائی جاتی جس سے انہیں بار بار قے ہوئی سب زہر نکل گیا۔ ان کی اس تکلیف اور بدنامی کا بدلہ میں تم سے جو کچھ لوں کم ہے۔

**شہسوار**۔ (جدی سے) کیا وہ اس سے خوش ہونگے۔

**کرنیل**۔ یہی خیال ہے ورنہ میں۔ خیر جاؤ۔ میں نے اب تم کو وہ حویلی اور دیوانخانہ بخشی بخش دیا۔ اس وقت اس مکان سے وہاں چلے جاؤ اپنی بہن میری اہل کو ساتھ لے جاؤ۔ اس وقت پہر یہاں وہاں آؤ قاضی صاحب میرے ساتھ ہیں اور میرے بیٹا کیپتان بی داد خاں یہ بیٹھے ہیں۔ ابھی ان دونوں کا نکاح ہم دونوں سے کرو۔ نہیں جو جی چاہے جواب دو۔

**شہسوار**۔ جواب کیسا مجھے کہی عذر نہ تھا۔ اس وقت میں بجائے کس دھن میں تھا تھاری جانی کے پھانسنے سے۔۔۔

**کرنیل**۔ اب اسکا یاد کرنا فضول ہے۔

**شہسوار** اپنی بہن۔ کرنیل صاحب کے مان کو بالکی میں بیٹھا کے لے گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد تہاواپس آئی۔ شادی کا سب سامان کرنیل صاحب کے ساتھ موجود تھا اس وقت کرنیل صاحب تہاواں، باہر اور کیپتان بی داد خاں، بہادر کا نکاح کریم اور باجرہ سے ہو گیا۔ دو تین دن کے بعد کرنیل صاحب باہر اور کیپتان صاحب اپنی اہل۔ ساں

اور بیویوں کو لیکر شاہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے وہاں کرنیل صاحب نے سرگزشت یوں بیان کی کہ میں حضور سے رخصت ہو کر بہت جلدی دہلی پہنچا اس وقت فوج میں بہرتی ہو رہی تھی بانی بہت کی طرف چند باغی جاوڑوں نے سرکشی کی تھی کہیں مدور بھی ضرورت تھی میں بانی بہت کی کہاں میں رہا۔

۲ کے حکم کے موافق میں نے کئی گھوڑوں کے سواروں کی گھاس اپنے ڈسری۔ اس کے دوسرے ہی دن ایک گھوڑا بھی جو میری سواری میں ایک ہی ہے ایک سوداگر کے پاس دیکھا اس سے پوچھا کیا اسلی کیا قیمت ہے اوس نے کہا تم لوگے کیسے صاف لکھ دیا میں گھسیارہ ہوں یہ شہنشاہ کی سواری کا گھوڑا میں اسے کیا لکھتا سوداگر میرے سر ہو گیا۔ میں جانتا ہوں تم گھوڑے کو نہ پہچانتے ہو۔ تم اسکی قدر کرو گے۔ میں نے بھی اس پر یہ کہہ کر لی نہیں کوئی نہیں کہہ سکتے تھے ہی وہ تم کے اندوں گا۔ اور قدر واں کو مفت دیدوں گا۔ میں یہ گھوڑا بادشاہ کی نذر کے لئے لایا تھا ملاحظہ ہوا بہت پسند آیا۔ مگر قیمت بہت کم لگائی گئی میں پندرہ ہزار مانگتا تھا وہاں سے میں ہزار ملے تھے میں نے عرض کیا۔ گھوڑا میں نذر کے لئے لایا ہوں اس کی قیمت مجھے مذکور ہے تو کچھ نہیں۔

میری یہ عرض قبول نہیں ہوئی اسے ساٹھ ہینے ہوئے جیسے یہ نہیں بندھا ہے۔ میں اسکی خدمت کرتے کرتے لکھا گیا ہوں تم قدر دان ہو جو کچھ دو گئے لوں گا۔ میں نے اونیس چھ سو روپیہ کی اشرفیاں کر کے کہو لکر کہیں اس نے چپکے سے لے لیں پھر مجھے دیکھا۔ یہ خبر حضور کو بھی پہنچی مگر جب میں ماوسیر گیا میں روز ملا داتا تھا حضور نے ملاحظہ کے لئے طلب کیا مجھے پوچھا میں نے سب حال عرض کر دیا۔ میرا حسب سب پوچھا میں نے بھی کہا اس سرکار کا غلام اور غلام زادہ ہوں۔ کوئی خدمت کہی بن پڑے گی تو اہل حال ہی گزارش کریں گا اس وقت تو گھسیارہ ہوں میں اسی حالت سے چہرہ ہینے اوس فوج میں رہا۔ اس عرصہ میں فوج بانی بہت گئی اور وہاں کامیاب ہوئی۔

فوج جن کی سرکوبی کے لئے گئی تھی وہ چند بد معاش مشرے تھے۔ ان کی حالت زیادہ نہ تھی۔ اوسنے جلدی فوج کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں سے کہیں کہیں

ان میں انہیں شکست ہوئی۔ لگاتار انہوں نے میدان نہ چھوڑا۔ میں نے افسر فوج کی اجازت سے انکے دھادے کے افسری بغیر کسی قول و قرار کرانے کی قبول کر لی۔ نتیجہ یہ افسری نہ ملتی مگر اتفاق سے سب افسر بیمار تھے اور ڈاکو قریب پہنچ گئے تھے۔ میں نے پہلے ہی حملہ میں انہیں بہکا دیا۔ اور ان کی بڑے سردار کو مار لیا۔ ان کا گروہ اس شکست سے بیدل ہو گیا۔ پھر ان کے باؤں اکٹھے گئے قدم میدان میں نہ جما۔ سب بہاگ گئے۔ بلکہ دو مین دن میں بالکل غائب ہو گئے۔ سردار فوج بچے بہت خوش ہوئے۔ میرے لئے کپتان کی سفارش کی مگر میں نے وہ عہدہ منظور نہیں کیا۔ باقی سپت سے فوج پنجاب کی طرف گئی۔ اوہیں باقی ماندہ جاٹوں کے سر کو بی منظور تھی۔ رسالار فوج نے وہاں پہنچ کر بچے پانا چارج دیا۔ خود انکے خاص غرض سے دہلی واپس آئے۔ میں نے اس مہم کو بہت فوجی سے انجام تک پہنچایا مگر مہم میں سرخوردہ ہوئے۔ بڑے نامی سرغنہ اس گروہ کے خاص میری تلوار سے ٹہنڈے ہوئے۔ اس کے صلہ میں اس عہدہ پر مستقل کر دیا گیا۔ اب میں انٹل ہوں خان بہادر کا خطاب ہے۔ جاگیر کی توجیز پور ہی ہے۔ کبھی مل جائیگی۔

عہدہ منے کے چند روز بعد میں نے حضرت چہ ہی گونہ ٹی۔ اب اتفاق سے کوئٹہ کے حاکم نے بعض سرکش باغیہ ارٹھاروں کی سرکوبی کے لئے معقول عہدہ طلب کی تو میری تعیناتی اس مہم پر ہوئی۔ ان باغیوں میں اس کے سردار گوروہ راج سنگھ گروہی والا تبار گروہی، گکوں کا نام بھی ہے اور وہاں گروہی بھی ہیں۔ بہت مضبوط گڑھ ہے کیلئے تو اچھا خاصہ قلعہ تھا سات دھن کے محاصرہ میں اسے فتح کیا۔ رگوروہ راج کو گرفتار کر کے کوئٹہ بھیجا قلعہ مسخ کر دیا تو میں نے اس سب سلاح جنگ ضبط کر لئے اور سکے گاؤں خالصہ کے ان میں عامل مقرر کر دئے۔ حضرت اشت حضرت میر وادانہ کی اور میں ادھر جاتا تھا۔ اب وہ سال کی حضرت کی درخواست کی ہے۔ منظور نہ ہوئی تو اسی حال کوئٹہ میری تعیناتی ان لوگوں کا۔ میں تدریس سے کچھ دن گزر رہا تھا۔

کرنل صلابت خاں اسی شخص وکامرائی کے ساتھ بہت دن تک زندہ رہے۔ انکا اکھوتا بیٹا میں سال میں تباہ وہ لڑائی میں زخمی ہو کر گزرا۔ آست اور بستر مرگ پر آؤی سالنس کے ساتھ اس کے معقولہ اخیر بڑے بھائی صاحب خاں کو یاد کرتی تھی کرتے چلے۔

اصالتِ خاں ان سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے جبکہ برس وہ نہیں غائب ہو گئے۔  
 جیسے اہلک انکی کچھ خبر نہ تھی۔ صلاحیتِ خاں کا چالیسویں بھائی ہوا تھا کہ اس  
 دشمن نے جبکی لڑائی میں وہ زخمی ہوئے تھے۔ انکے دوستوں گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ اور  
 وہ ہی قیدِ دن میں انکے سب بھائیوں کو وہاں سے نکال دیا جو دیرِ قائلین ہو گیا۔  
 اس دشمن کا نام جگت جیت تھا۔ یہ چار اس وقت بہت سے باغی ڈاکوؤں کی پشت  
 گرمی سے بہت دلیر تھا۔ اس کی معیشت میں محتجب تھا۔ آہِ مددہ جو ان سے ہو کسی  
 معرکہ سے ہانکا یا نام کا وہ اس ہوتا جانتے ہی نہ تھے۔ جگت جیت کے حکم کے  
 سب ایسے مسلح تھے کہ وہ سلطنت کے مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہوا نہیں اپنی  
 جمعیت کی کمی کا ذرا بھی خیال نہ ہوتا بے نال ٹھہرتا۔

جگت جیت اپنی اس فوج سے بہت دور تک چلا جا رہا تھا۔ صلاحیتِ خاں  
 سے اور اس سے کچھ دشمنی نہ تھی وہ سلطنت کی طرف سے اس کی سرکوبی کے  
 لئے مامور ہو رہے تھے۔ جگت جیت نے اپنی مجموعہ اس چار کے ہلکے سے  
 اکیارحمید پور پر چھاپا مارا تھا صلاحیتِ خاں اور وقت گہری پر رہے۔ انہوں نے  
 اپنے سوا آدمیوں سے اس کی جماعت کا خوب مقابلہ کیا جگت جیت کے بہت سے  
 آدمی وہیں کہیت رہے اور ان کے سپاہی ادھیان گئے۔ تاہم وہ مقابلہ پر ڈٹے  
 رہے۔ آخر جگت جیت ہانکا گیا اس لڑائی کے بعد روزِ بعد پھر اس نے ان کے  
 دوسرے گاؤں میں ڈاکہ ڈالا جو حمید پور سے قریب ہی تھا۔ صلاحیتِ خاں اپنے  
 پچاس سپاہیوں کو لیکر مقابلہ کو پہنچے۔ اس کے پاس جمعیت بہت ہی نہ تھی۔ تاہم انہوں نے  
 دوبارہ اسے ہلکا دیا۔ کامیاب گہرا واپس آئے۔ اس لڑائی میں انکے سب سپاہی  
 مارے گئے تھے وہ تہا دیرِ ناک دشمنوں میں گہری تلوار چلتی رہی۔ جب  
 بہت زخمی ہو گئے تو انہوں نے چلا کے کہا۔ شک ہے مدد آپیو گی شاہی فوج  
 آگئی۔ اور اس طرف دیکھا ہر کسی کی آنکھوں کے لالہ کی روشنی تھی یا کسی گاؤں میں  
 آگ لگی تھی۔ جگت جیت کے آدمیوں کو روشنی دیکھ کر ان کی بات کا یقین ہو گیا  
 سب ہانکے اس طرح پر پنج نصیب ہوئی مگر اس لڑائی سے ان کی زندگی کا خاتمہ  
 نہ ہوا۔ انکے بعد فاتح دشمن نے ان کے آدمیوں کو گاؤں سے نکال دیا سب کے گہرا واپس

اور گاؤں چلا دئے جیسے پہر آباد نہ ہوئے۔

صلابت خاں کا بیٹا مہابت خاں جو اپنی ما کے اصرار سے مجبور ہو کر دشمن سے جھپک اپنی جان کے ساتھ بیچ نکلا تھا۔ گوالیار چلا آیا یہاں دوسری فوج میں بڑی سعی و سہا بہن سے کوئی اودھے انسانی ملگئی یہ ہم اسی باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔ بہ وقت یہاں مہاراجہ مہاجی راؤ کا عہد حکومت تھا۔ انکی سرکار میں سیاسی کی بہت قدر تھی فوج میں یہ دستور العمل جاری تھا کوئی نیا آدمی کوئی عہدہ نہ پاتا تھا۔ سپاہیوں میں بہتری ہو کر اپنی تلوار کے چوہر دکھانا تھا تب ترقی ملتی تھی۔ مہابت خاں کو خان بہادر ہو چکا۔ پھر ایسا موقع زنی قسمت سے نہیں ملا کہ وہ اپنی تلوار کی کاٹ چھانٹ سے اپنی آئندہ ترقی کا ذینہ بنائی۔ انہوں نے وہ نوکری چھوڑ دی یہاں سے دکن چلے گئے۔ نصفی سرکار میں انہیں کوئی عہدہ مل گیا۔ اور قسمت سے کما کداری دکھا کر ترقی پانیکا موقع بھی ملتا رہا چند ہی سال میں کرنل ہو گئے۔ ثروت نصیب ہوئی تو انہیں اپنا پس یاد آیا ماں مر چکی تھیں کوئی اور عزیز سوا اپنی داد خاں کے پس ماندہ کنبہ کے یہاں نہ تھا۔

پھر بھی اس دیس کی محبت انہیں وہاں سے ادھر لے چلی۔

وہ رخصت ہو کر تھوڑی محبت کے ساتھ چلے اور دل میں نیت کرتے کہ گوالیار میں گھر بنائیں گے وہیں رہیں گے۔ نئی داد خاں کے قائدانہ کو بھی وہیں ملا لیں گے جو قسمت تک علیحدہ میں تھا۔ اس وقت انکے قائدانہ میں انکی ایک بیٹی ایک جوان نوجوان تھی جسکی بہن بچپن ہی میں غائب ہو گئی تھی۔ راستہ اس وقت بہت خطرناک اور دشوار گزار تھا قدم قدم پر بڑے بڑے جنگل تھے یہ سرزمین نہ تھیں مہابت خان دکن سے سیدھے گوالیار چلے تو راستہ تنگ ہی سے ہو کر گذرنا تھا۔ جب یہ اس مقام پر پہنچے جس جگہ اب نظام کی علداری ہے وہیں ایک مقام میں جنگل کے قریب ہی چند روز قیام کیا۔ پھر بارہواں دن روز تک شب روز سفر کرتے رہے۔ چار دن بعد ایک جگہ قیام کیا۔ یہ جگہ آبادی سے بہت دور تھی مگر یہاں ایک مالیشان محل کی چار دیواری بہت دور تک بڑا قد گہرے ہوئے دور سے نظر آتی تھی لیکن مہابت خاں حسب معمول آبادی سے الگ بلائی کے قریب ٹھہرے۔

دیسع ہوار میدان میں بہت بڑا تختہ تالاب تھا اوسمی کے کنارہ ایک خیمہ نصب کیا گیا

اور لائے پھر اسی دو سو جان خیمہ کے چاروں طرف اپنے بستر لگا کر - صحرائی جو بابوں کے گوشت پکاتے ہیں مصروف ہو گئے جو انہوں نے دن کو راہ میں شکار کے حاصل کیا تھا۔ اس سفر میں سیکا اتنا تک بھی ڈھنگ تھا، بادلی سے الگ چلنے کی وجہ سے دو دو تین تین دن اناج کی تصویر ت نہ دکھائی دیتی تھی دن میں راستہ چلتے ہی چلتے سہتکار کرتے۔ اور باقی کسی تالاب سے اپنی اپنی چھاگلوں میں بہرہ لیتے تھے رات کو کسی مقام پر ٹھہر کر کھاتے پیتے یوں بسر کرتے تھے جب کسی آبادی کے قریب ٹھہرتے خوب جشن مناتے طرح طرح کے کھانے پکاتے باہر دعوتیں کرتے مگر دو تین دن قیام ہی وہاں کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اکثر گاؤں کے گرد بچتے فصیلیں تھیں اس چار دیواری کو بھی سب کسی گاؤں کے فصیل ہی سمجھے۔ وہاں دو تین مقام کرنے کی ٹھادی۔ کچھ سپاہی کھانا پکاتے تھے باقی ماندہ تے تالاب کے کنارہ جاندی بچھا دی۔

رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ جاندی خوب صاف تمام میدان میں پھیلی اور ٹہنڈی ہوا چلتی تھی خشک سے پرندوں کی خوش آئند آوازیں آتی تھیں۔ جاندی کی روشنی میں سپاہیوں کا سفید بستر چمکتا اور تالاب کا پانی لہریں لیکر جاندے گود میں جا پڑنے کے لئے ہلکے ہلکے کرکڑیں بدلتا ہوا تہہ پاؤں چلاتا اور ماہتاب کا عکس اس نادان کا منہ جو متاظر آتا تھا۔ جاندی تہکیاں دیتی۔ ہوا کی سنسانیت کے ساتھ خوش آواز پرندوں کی دلکش صداؤں کے گونج کو ریاں ستاتی تھیں۔ مگر وہ صندی بچہ چین سے کیا رہتا تھا۔ رات کی ملکہ کے چہرہ نے اسے ایسا لہبا یا تھا کہ وہ اسی طرف منکشی لٹکائے دیکھ رہا تھا وہ بھی کیا کرے اسکے گورے کپڑے کی محبت ساتھ لیکر پیدا ہوا تھا اسے دیکھ چلتا اس کی گٹھی میں پڑا تھا سپاہیوں کی مزید طبیعت پر بھی کھانہ دلکش منظر کے خطرناک جذبات اٹھ کر گئے تھے۔ بعض سارنگی بجاتے تھے کھادیں ملکر وقت اور موسم کے مناسب کچھ گانے تھے۔ روزی پکاتے دے سپاہیوں کے ساتھی تالاب کے کنارہ فریخ پر بیٹے جشن منا رہے تھے وہ ان کی رنگ لیاں دیکھ کر ان میں جلدی سے شریک ہو جاتے تھے بہت پہر ہی سے اپنا کام کر رہے تھے کہ منی صاحب اپنے خیمہ میں جلد باقی پر بیٹے سپاہیوں کی خوش الحانی۔ شام کلیان کے دلکش سروں کی

کیفیت سے سرور میں تھی۔ وقت اور منظر کے سماں نے بار بار یوں کے چوپایوں بشکر کے گھوڑوں اور شاگرد پیشہ پر بھی پورا پورا اثر کیا تھا سب اس کیفیت سے مست تھے۔ گھوڑے ٹانے گردن ہلانے ہنسنے یوں وجد کرتے تھے۔ اونٹ بکبلا رہے تھے۔ جھگڑوں کے بل عالم محویت میں ایٹھے اوہرتی دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ جگلی کر رہے تھے۔ سائیں بچوں کو گارڈ تے تھے اس طرح تال دیتے تھے۔

ایسی حالت میں یکایک ایک سفید پوش بڑا خیمہ کے دروازہ پر پہنچا۔ سنتری بے چہرے پر بھانپکے سے کہا۔ یہ خیمہ کسکا۔ سپاہی نے اجنبی فوجی آن بان اور پہرے سے جواب دیا کرنل صاحبت خاں بہادر۔

پیر مرد۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ اصلاح کر دو۔  
یہ آواز خود کرنل صاحب نے سن لی ابھی سپاہی نے کچھ جواب نہ دیا تھا کہ انہوں نے رعبہ در بھج اور آواز سے کہا کون ہے سپاہی نے جواب دیا حضور کو لٹاؤ سے کہا میں آپ سے ملنے آئے ہیں۔ کرنل صاحب نے بھی اسی طرح کہا آئیں دو۔ اور پیر مرد خیمہ میں پہنچ گئے۔ کرنل صاحب چار پائی سے اتر کر قالین پر بیٹھ گئے جو چار پائی کی ٹی کے نیچے ہی بچھا ہے۔ جیسپر بڑا سا گاوٹنیکہ چار پائی سے ملا ہوا رکھا اور سلسلے میں ایک کنول پل رہا ہے۔ پیر مرد نے خیمہ میں پہنچ کر خوب کرکے کہا۔ السلام علیکم۔ اور قالین کے گوشہ پر بیٹھ گئے۔ کرنل صاحب نے سلام کے جواب کے بعد کہیں اور اخلاقی ظاہر کرنے والے بھیجے سے کہا خراج شریفیت اور گھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے خراج پر سی کا جواب دیکر پیر مرد بھی خاموش تھا۔ مگر ان کی نگاہیں کرنل صاحب کے چہرہ پر تھیں اور کرنل صاحب کی نظر اپنے ہمان کی تواضع کے خیال سے فرس پر پھگ گئے تھے۔ ذرا سے سکوت کے بعد کرنل صاحب نے کہا آپ کا اسم مبارک۔ دو تھانہ پیر سے پاس اس وقت یکے نشریت لائے پیر مرد نے شہیدی سامن لیکر ظاہر کرنے والی آواز سے کہا۔

خیر کو اصالت علی خاں کہتے ہیں۔ بدر بزرگوار کا نام نجابت علی خاں تھا مجھے ایک چھوٹا بہائی تھا اور کیا خدا جائے انکے زندہ ہے یا۔ اسکا نام صلابت علی خاں بہادر



غریب خانہ کبھی ذرا ح کوں میں تھا اب یہاں سے فریب یہ کیا سامنے ہے جھوٹا ہے۔ آج اپنے ملاحظہ کئے ہوئے سامنے ایک چار دیواری نظر آتی ہے۔ بس وہی اس فقیر کا کھیتا ہے۔ مورت چارے بڑے اوالعزم بہادر تھے اپنے وطن کرمان میں ہمیشہ نامور رہے یہاں بھی تلوار کے جوہر خوب دکھائے اسی کے صلہ میں جاگیر پانی حمید پور اسی جاگیر کی زمین پر انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا وہی اونکا دارالامارت تھا۔ اونکی اولاد سے اسب ہی کوئی اونکا جانشین ہو گا نہ فقیر چھ برس کی عمر میں ادھر چلا آیا۔

**گریٹل**۔ تعجب کی نظر سے اُنکے چہرہ کو دیکھتے ہوئے کیونکر خالص صاحب۔ مجھے ایک جوگ بگڑ لایا تھا۔ وہ بیس سال مکان میں رہتا تھا۔ گریٹل۔ بول اور یہ مکان۔

خالص صاحب۔ جی ہاں۔ وہ جو کہ حقیقت میں کسی ملک کا جاسوس تھا۔ آبادی سے کو سوں دور یہ مکان بنا کر اس نے خود یہ بہت عیش و آرام سے بسر کرتا تھا۔ اس طرح کے حالات دراستہ میں آئے تھے تو وہی جی کا بھیس ہوتا بہت

نہایت یاد۔ وہ تو یہ تھا اور میرے واسطے بہت مشکل تھا۔

**گریٹل**۔ درست۔ خالص صاحب۔ اس سے میرے چوستا بھی سب سے بہتر ہے۔

**گریٹل**۔ جی۔ گریٹل۔ نہ سب کیا ہوا۔

خالص صاحب۔ نہیں معلوم۔ کچھ پتا ہی نہ چلتا تھا۔ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں جو وہ تھا۔

**گریٹل**۔ خیر۔

خالص صاحب۔ مرنے سے دو دن پہلے اُس نے میرے خاندان کا یہی سبب حال جو میں نے عرض کیا مجھے بیان کیا۔ میرے باپ دادا اور چھائی کی تصویریں انہی ہی لگی ہوئی دکھائیں۔ تب مجھے اپنے نسب کا پتا چلا میں میں یہی جانتا تھا اسکا غلام ہوں گو وہ مجھے غلاموں کا سالوک نہ کرتا تھا۔

گر اس نے وہ تصویریں کیوں۔۔۔

خانصدا صاحب۔ اوسکی عادت تھی جو نئی جگہ دیکھتا اوسکا نقشہ بناتا جس معزز آدمی سے ملتا  
اوسکی تصویر کھینچتا تھا۔ سیکڑوں جنگلیوں دیہات راستوں کے نقشہ امیروں درباریوں  
کی تصویریں قلعوں فوجی جھانڈیوں کے نقشہ اور یادداشتیں بناتا۔ ملک کے  
حالات جو دریافت کرنا ضرور لکھتا یہ کاغذات اب بھی موجود ہیں۔ جب تک سچے  
اپنے حسب نسب کا حال معلوم نہ تھا یہاں بہت خوشی سے رہتا اوسکے پاس بہت  
عیش سے بسر کرتا اوسکی کو اپنا لالہ آقا باب سب کچھ سمجھتا تھا جہن سے اپنی اہلیت  
معلوم ہوئی ہے اپنا دل سے دیکھنے اپنے عزیزوں اور بزرگوں کی زیارت کرنے کو دل  
تڑپتا ہے۔ اکثر ایسی وحشت ہوتی ہے کہ اسے نکلے بیرون اس تالاب کے کنارہ  
ٹھٹھاتا ہوں۔ اور یہاں سے چلے جانے کی سوچتا ہوں آج جسوقت آپکا لشکر یہاں  
پہونچا۔ میں تالاب کے کنارہ بیٹھا تھا۔

گورنیل۔ مگر میں نے آپکو نہیں دیکھا۔

خانصدا صاحب۔ مگر میں نے آپکو دیکھ لیا تھا آپ عربی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپکو  
دیکھ کر میرا دل اور بھی بیقرار ہوا۔ آپکی صورت ہمارے خاندان کے لوگوں سے بہت  
ملتی ہوئی ہے۔ اس وقت تو میں خاموش بیٹھنے چلا گیا۔ آپ کو دیکھ کر وطن  
اور بزرگوں کی جذباتی کا صدر سے دل پر تازہ ہو گیا تھا جتنے ہی بڑے ہمارے دل سے  
بہچیں تھا بار بار یہ فراموشی کرتا تھا اس مشابہت کی وجہ دریافت کرنا چاہئے۔  
آخر اوسکی کے تقاضے سے آپکی خدمت میں حاضر ہوا اب دیکھتا ہوں تو آپکی صورت  
اپنی باپ کی تصویر سے بہت ملتی نظر آتی ہے۔ گستاخی تو ضرور ہے مگر میں اپنی  
دل سے مجبور ہوں بغیر دریافت کئے رہا نہیں جاتا۔ حضور کا اسم مبارک تو مبارکت  
علی خاں ہمارے خاندان سے ملتا ہوا ہے۔ بدر بزرگوار کا اسم شریفہ وہ تھا۔  
مگر علی۔ والد مرحوم کا نام صلابت علی خاں اور حمید پور ہمایا وطن تھا جو اب خاک  
سیاہ ہو گیا۔ اس حساب سے میں آپکا بہت بخیر و رہوں آپ یقیناً میرے وہ چچا ہیں  
جن کا تذکرہ میں نے اباجان سے اکثر سنا ہے آپ کو مرے وقت انہوں نے  
بہت یاد کیا۔

رہنمائی خانصدا صاحب گورنیل صاحب سے محبت کئے۔ دیر تک دونوں آنسو بہاتے

رہے کہ غل صاحب نے اپنی تمام سرگزشت بیان کی اپنے بزرگوں کا محل حال سنایا۔  
جو چارے ناظرین اسی باب میں سن چکے ہیں۔

**خانصاحب۔** بیٹا۔ اب تم وطن جاتے ہو۔ مجھے یہی بچلو۔ چار گاؤں تباہ ہو گیا  
جاگیر سب خاک میں مل گئی تو کیا سچ اپنا دیس تو اپنا ہی ہے۔ تم نے گوالیار میں  
رہنے کے نیت کی ہے۔ میں بھی وہیں رہوں گا۔ ایک لڑکی کے سوا کوئی اولاد  
نہیں ہے۔ اوس کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ تم بھی اپنی کنوارے ہو۔ تم سے میرا  
گھر آیا درہنگا میرے پاس جو کچھ ہے تم دونوں کے لئے ہو گا۔ خدا کا دیا اپنا ہے  
کہ کئی پشت تک بہت عیش سے بسر ہو سکتی ہے۔ وہاں پونچ کر نوکری چھوڑ دینا  
پہرہ جانا۔ گھر میں آرام سے رہتا جی بھلانے کے لئے کوئی مشغل زمینداری یا سوداگری  
وغیرہ کر لینا۔ میں اب تک تنہا اپنا بڑا سفر کرتے بچکچا نا تھا۔ بوی رات کے ساتھ۔ مال  
دوست گزستی کا سب کھڑاک کر گری خسانہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا اس  
خگل میں کسے چھوڑ جاؤں اور صرف اسباب ہو تو چھوڑ بھی جاؤں۔ سیکڑوں گا میں  
بہتیں۔ بیل۔ گھوڑے۔ اونٹ یہ سب جاندار اس خگل میں کیسے بسر کریں گے بغیر  
دانہ پانی تڑپ کے مرنے جائیں گے۔ آزاد کردوں گا تو زندہ انہیں کہا جائیں گے۔  
راستہ ایسا خراب۔ خطرناک۔ سفر اتنی دور کا اپنے آدمی سب غلام نافر جام من کی ذات  
سے وفا نہیں۔ اور غلام ہی ایسی ہی ہیں جیسے وہ ملعون مجھے لے آیا تھا وہ نہیں ہی  
پر لایا تھا۔ اب تک اس جگہ وہ مجھے اسکا بیٹا۔ جانشین اپنا مالک جانتے تھے۔ سفر  
میں نہیں معلوم کیا اتفاق ہو۔

**کرنیل۔** کیوں۔ اُسے کیا خوف تھا۔

**خانصاحب۔** ان میں سے بعض کو یہ معلوم ہو گیا ہے۔ میں اس ملعون کا بیٹا نہیں  
ہوں اور وہ سب بھگائے آئے ہیں۔ یہاں تو میں نے انہیں کے خوف سے  
سو سے زیادہ سا ہی اسی نواح کے اسی دس بارہ دن میں نوکر رکھ لئے ہیں۔ راہ میں  
وہ ساتھ ہونے نہیں میں ان غلاموں کے بس میں ہوں گا۔  
**کرنیل۔** کیوں۔

**خانصاحب۔** وہ اپنے دیس سے کہیں جانا نہیں چاہتے مگر اب مجھے کچھ اندیشہ

نہیں تمہارے ساتھ اچھی خاصی کافی فوج ہے تم میرے سب مال دولت اور اس لڑائی کے مالک ہو۔ تم خود ہی سب کی حفاظت کر لو گے۔ وہ تنگ حرام تمہارے خوف سے کچھ فساد کبھی نہ کریں گے۔ ہم سب بہت آرام اور امن کے ساتھ وطن پہنچ جائیں گے۔

کرنیل۔ جیسی آپ کی مرضی ہو۔ میں آپ کی ہر ایک حکم کی تعمیل سرانگہوں سے کرنے کو حاضر ہوں۔ مگر۔۔۔

خالص صاحب۔ میں سمجھ گیا تم لڑائی کے باعث پوچھتے ہو وہ کہاں سے آئی یہاں آنے کس سے شادی کی۔

کرنیل صاحب۔ جی ہاں۔

خالص صاحب۔ وہ مردود اپنے سب غلاموں میں صرف مجھے باب کا سالوک کرنا تھا مجھے بیٹا کہتا میں اسے باکھتا۔ اس کے ہر ایک چیز پر میرا غور و تدبیر کے بیٹے کی طرح تھا سچے دل سے کبھی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ میں کسی اور قوم سے ہوں۔ یہ سب غلام میرے بعد آئے ہیں۔ پچھلے سب غلاموں کو اس نے میرے آتے کے بعد ہی خلعت کر دیا تھا۔

کرنیل صاحب۔ کیوں۔

ایک بار سب نے اپنی خواہ میں ترقی ہونے کے لئے مشورہ کر کے بلوہ کیا اس نے بڑی دانائی سے سب کی ترقی بظاہر قبول کر لی۔ یوں اس بلوہ کو فرد کیا پھر ان میں نفاق پیدا کر کے زور دار اور باخرا آدمیوں کو آپس میں ربط دیا وہ کٹ مرے جاتی جاہت کا لچائی اور آپس کے کینہ اور بغض کے سبب تفرقہ ہو گیا۔ تو اس نے آہستہ آہستہ سب کو قلع کیا اس کے بعد اپنی خدمت کے لئے نیا بچہ لایا جو بڑا ہو کر اوس کی کاسورہ وہ بڑا مرد بہت عقلمند آدمی تھا۔ مجھے اس نے اپنا بیٹا بنایا تو میری شادی کی ٹھکانی ایک سیدی لڑکی بہت خوبصورت میرے ہم عمر تھارے ہی دیس سے اوٹھالایا اسے ہی میرے ساتھ پر درس کیا ہم دونوں جوان ہوئے تو ہماری شادی کر دی تمہاری وجہ جی سیدانی بھی زندہ ہیں انہیں سے یہ لڑکی ہے۔

کرنیل۔ درست لیکن جاسوس کو این باقول سے کیا سروکار ایسے آدمی آزاد رہتے

ہیں۔ وہ گستی کے مجال میں پہنسا رہتا تھا۔ کام کیا کرتا ہوگا۔

خالصا صاحب۔ یہ سب کھڑا کس نے اپنا راز چھپانے کے لئے کیا تھا۔ کام اپنا ہمیشہ بہت مستعدی سے کرتا تھا۔ وہ کسی غیر ملک کا جاسوس تھا۔ اس کے ملک کے آدمی جو اس کے ماتحت تھے طرح طرح کے روپ بہرے ہوئے جایا بہرے تھے۔ مگر سب اسی ملک کے آدمیوں کے ہمیں میں تھے وہ اس کے پاس آتے تھے اور اسے اپنی زبان میں باتیں کرتا، اونکی سنتا۔ کچھ لکھتا وہ تحریر۔ نقشہ تصویریں۔ لفافوں میں بند کر کے انہیں دیتا تھا۔ وہ بھی ایسے ہی لفافہ اس کے پاس لاتے تھے خود بھی دورہ کرتا جوئی کے ہمیں میں مہینوں اور ادھر ادھر پر جاتا۔ اپنی غیبت میں انہیں آدمیوں سے معتبر لوگ یہاں تھوڑے جاتا جب آتا بہت سے نقشہ یادداشتیں تصویریں لاتا پس انہیں کو بھیجتا رہتا تھا۔ اس کے عرصہ اس کو بہت روپیہ ملتا تھا وہی بہروپے دیجالتے تھے۔ اور یہ غلسر انہیں معلوم کس وقت سے یہاں خالی پڑی تھی۔ اس جگہ کے حاکم سے اجازت لیکر اس نے اسے آیا اور اپنے طور پر درست کیا ہے۔ حاکم سے کہا تھا میں زمینداری ہمیشہ ہوں۔ یہ غلسر مجھے دیدتے تھے۔ اسے آباد کروں گا بن کارٹ لگاؤں مبادوں گا۔ اسے پکڑتے ہی وہ۔ ہنسی ہو گیا پھر کسی نے خبر نہ لی یہاں کیا ہوتا رہا۔

کرنیل۔ تو بیشک جاسوس تھا۔

خالصا صاحب۔ ہو گا کہ ہم۔ اب تم اپنی جچی کے پاس چلو۔ اپنے سب آدمیوں کو حکم دو یہاں سے سب اسباب کو ہمیں لے چلیں۔ خدا کے فضل سے وہاں سب کے آرام اور حفاظت کے لئے کافی مکان ہے وہیں اپنے گھر میں چند رہو۔ ۲۰ دن عیش آرام سے رہو پھر یہاں سے چلیں گے۔ ہاں۔ میں جانتا ہوں تمہارا نکاح بھی مکمل نہیں کر دوں کوئی غیر متاثر ہے تم آرام سے گھر میں رہ سکو لڑکی ماننا اور اندسیانی ہے اسے تمہارے سامنے آئے میں حجاب ہو گا۔ اور پردہ کرنے میں تم کو آئے جانے میں تکلیف ہوگی۔ میں نہیں اپنا کچھ چکا ہوں تم نے منظور کر ہی لیا ہے بھراں اتنا کہ کیا ہے۔ بیٹا جوان مرد اور جوان لڑکی کا ایک جگہ نامحرم ہو کر رہنا بڑی آفت ہے۔ اب تم گھر میں رہو گے سفر میں ساتھ ہو گا۔ کب تک وہ تم سے پردہ کرے گی سفر میں خدا جانے کس وقت کیا موقع ہو۔ یہی بہتر ہے کل یہاں نکلے ہو جائے۔

دیر تک کرنیل صاحب اور خاں صاحب سے یہی گفتگو رہی خاں صاحب سب کو اپنے گھر بجانے اور نکاح کرنے پر اصرار کرتے اور کرنیل صاحب معقول جواب دیتے رہے آخر کار ان کے اصرار سے مجبور ہو کر ساتھ چلے اپنے سپاہیوں کو انکی منشاء کے موافق حکم دیدیا اور اسی دیر میں سب اسباب یہاں سے اٹھ گیا سب آدمی وہاں پہنچ گئے۔ اس چار دیواری کے اندر بہت سے وسیع عالیشان مکانات بڑے بڑے میدان عمدہ باغات تھے سب نے وہیں مکانوں اور باغوں میں بستر گائے جاؤر جا بیا اضطیل شترخانہ گواخانہ میں باندھ دئے گئے کرنیل صاحب اپنے چچا خاں صاحب کے ساتھ مجلس میں پہنچے۔ عالیشان شاہانہ مجلس بہت آراستہ تھا۔ کرنیل کے چچی صاحب ایک شاہ نشین پر اپنی خاومہ عورتوں کی جھڑپ میں بیٹھی تھیں۔ خاں صاحب نے کرنیل کو دروازہ کے پاس صحن میں مجبور دیا خود حلیہ سے اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور منے چپکے چپکے دیر تک کچا دھت پر سے اوٹھ کھڑی ہوئیں۔ کرنیل صاحب کی طرف پیارا اور شفقت کی نظر سے دیکھا اور چلیں۔ پاس پہنچ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔ ساتھ بچلیں۔ شاہ نشین پر پہنچ کر اپنے برابر تخت پر بیٹھا لیا۔ دیر تک باتیں وقت اور موقع کے مناسب کرتی رہیں۔ خاں صاحب انہیں بیوی کے پاس پہنچانے کے باہر چھ گئے تھے۔ دیر کے بعد آئے تو انہوں نے کہا بیٹا۔ کہا نا تیار رہے کہا۔

کرنیل صاحب ہمارے سب آدمی۔۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔

خاں صاحب۔ سب آرام اور حفاظت سے اپنی اپنی جگہ پر ہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں۔ تم اپنے سامنے سب کو جو حلیہ دے آئے تھے وہیں ہیں میں نے ان کو بلوایا بلا دیا۔ ہم۔ تم۔ یہ ہتھاری اچھی صفت میں آدمی باقی ہیرا۔ کہا نا کہا تو آرام کرو۔ رات بہت اچھی ہے۔ تمام دن کو سفر سے کچھ موٹے ہو۔ باتیں کب تک کرو گے۔ اچھی چچی سے صبح کو پر باتیں کرنا۔

کرنیل صاحب۔ بہت اچھا۔

خاں صاحب۔ کہا نا کہانے کے بعد بیٹا تم کہاں آ۔ ام کو دے۔ بالاخانہ پر چلو وہ مکان تمہارے لئے بہت مناسب جگہ ہے۔

کر نیل صاحب - بہت اچھا۔

خالصا صاحب - ابالافانہ پر پوچھ کر بیان اس لکھ میں اس سہری پر آرام کرو۔ میں اب

جاتا ہوں۔

آنکے جانے کے تھوڑے ہی ذریعہ دو تین کروٹیں بد لکر کر نیل صاحب سو گئے۔ ٹھیک  
آدھی رات تک بچہ سوئے رہا۔ پھر کیا کیا آنکھ کھلی گئی۔ وہ خود ہنس جائے  
انہیں کسی نے جگا دیا جگانے والی ایک زبیا اندام در با شکل۔ دلکش ادا۔ نوجوان  
نازنین تھی۔ کر نیل صاحب کروٹیں لینے لیتے جیت ہو گئے خود اُنکے ادھر ہی آنکھ کھلی  
نوجوان کا پیٹ اُسکے سڈول اور تنگ چٹ جاکھیا میں کسے ہوئے سر یوں کے  
بچے۔ سینہ گد راتے ہوئے آبدار بر نہ رافول میں دبا تھا۔ ان رافول کا پڑا آب  
و تاب خون کی سرخی کی جھلک دکھاتا ہوا اگر رنگ سامنے حلیٰ شمع کی روشنی میں  
جھک کر کسی سے کچھ اشارہ کر رہا تھا۔ بڑے بڑے سیاہ مہبت بار یک گئے بالونکی  
لاہنی مہبت موٹی پیٹھ پر پڑی جوتی کر نیل کی ناک کے قریب لڑی مارے ہوئے  
تھی۔ بڑے نوکدار کیشی۔ کاجل لگے آنکھیں جن میں حیا شرم اور محبت کے عوض شوخی  
بیباکی کوٹ کوٹ کے پھرتی تھی انکی آرزو مند آنکھوں کسے دوچار نہیں۔ کتابی۔۔  
صاف شفاف ہرے ہرے چہرہ کے نقش و نگار اُسکے رنگ میں شوخی اور غصہ  
کے اثر کا انداز لے ہوئے سرخی کی جھلک دکھا رہی ہے۔ غرض در با جس کا ایک  
مکمل بے نظیر موقع پیش نظر تھا۔ اور بہت تیز چہری کی دہار اُنکے حلق پر تھی جیسا کہ  
نازنین کے مہندی لگے ماتھے میں تھا۔

کر نیل نے آنکھ کھلو کر پر بند کر لی۔ مشوقانہ قہر و غضب کی دہلی نازنین سمجھے یہ نیند  
کا متوالا تباہ ہو شیار نہیں ہوا ہے۔ ادھر انہوں نے آنکھ بند کرنے کے ساتھ جیسا  
ایک میچ کیا۔ جگ مارنے سے بھی مہبت پہلے چہری ہو پڑی تھی اور یہ دو نور فرس  
چہ نازنین کے دو ہاتھ اوکسی پیٹھ پر اسی کی جوتی سے بندھے تھے دو لونا لونا اور  
پیٹھ کے بیچ میں دہنی تھی ہلکا ایک ہاتھ اُسکے سینہ پر مہبت نور سے رکھا ہوا تھا۔  
جو خوب تنگ مہبت کی ماور مددی سے خوب کسا ہوا تھا اور سرا ہاتھ شانہ پر تھا  
اس کی کر نیل نازنین کے پیٹ پر بیٹھا اپنی طاقت دکھانا چاہتا تھا۔

ماہنامہ میں۔ دھرم سے بچی نگاہ کر کے ہٹو مجھے جھوڑو۔ میں تم سے حریفانہ مقابلہ کرونگی تم غالب آئے تو میری دلی مراد پوری ہوئی مغلوب ہوئی تو میرے باپ کا کام ہو گا۔ مٹھو جلدی جھوڑو دو (تو رو بہ لڑکر معشوقانہ انداز سے) نہیں جھوڑے (مسکرا کر) اس جھوڑے سے غلبہ کی سند نہیں میں بالکل غافل تھی۔

کر نیل۔ آپ ہوشیار ہو کر کیا کریں گی۔ مگر تم یہ بتا دو تم کون ہو اس بڑے نے تو مجھ سے کچھ اور ہی کہا تھا۔ میرا چاہتا تھا، اتو مجھے کچھ اور.....

ماہنامہ میں۔ مجھے جھوڑو دو میں تم سے مغلوب ہوئی تو سب کہہ سادیں گی۔ اور غالب آئی تو یہی چہری ہے اور تنہا راگلا۔ سید ہے عدم آباد ہو نچو گے حال دریافت کر نیکی آرزو تمھاری گور پر جو میری سی عنایت سے اپنے گئی نہیں قیامت تک روئی رہی گی۔

کر نیل نے اس کے ہاتھ کھول دئے۔ اور جھوڑا کر ڈالک ہو گیا۔

ماہنامہ میں۔ اب کھڑے منہ کیا تھکے ہو تلوار سمجھا لو۔ میں نے تم سے کبھی یا ہے۔ میں حریفانہ جنگ کرونگی۔

کر نیل۔ آخر کیوں

ماہنامہ میں۔ میری خوشی۔

کر نیل۔ تم ہو کون اور اس مقابلہ کی وجہ کیا۔ میرے چاہنے مجھے کیا کہا تھا اور میں کیا۔ یکبارہ باہوں میری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ قریب ہے کہ میں دیوانہ ہو جاؤں غم پر دم کرو پیوں کی سب حالات پہلے مجھے کبھی دتھ میں تم سے مقابلہ کروں گا۔

ماہنامہ میں۔ تم سے مغلوب ہونے سے پہلے میں کچھ بھی نہ کہوں گی تم تاقی منت خوشاد کرتے ہیں۔

کر نیل۔ تم مجھ پر غالب ثابت ہو۔

ماہنامہ میں۔ (چین بچھیں ہو کر) میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے تاقی کی بلواس میں وقت خواب نہ کرو مجھے ابھی بہت کچھ کام ہے۔

کر نیل۔ میں تنہا ہی اس کڑوئی۔ چڑکی اور نے مجھے غصہ سے دڑا ابھی نہیں ڈرتا



ان باتوں کو کر لکھو مگر کچھ نہیں تو مجھے یہی بتا دو تم مجھے غالب آئیں تو کیا ہوگا۔

نازنین۔ میں تمہیں اسی چہری سے ذبح کرواؤں گی۔ میرے باپ کا جسے تم اپنا چچا سمجھتے ہو یہی حکم ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا۔  
کر نیل۔ تمہارے باپ سے ذبح ہونا بڑے خوش قسمت کو نصیب ہو سکتا ہے۔  
نازنین۔ یہ سب سنی ہوئی باتیں ہیں۔

کر نیل۔ نہیں میں سوچ لیتا ہوں۔ تمہاری پیار سے سر کی قسم میرے قبضہ میں بیٹھا رہا میں ہوں۔ تو ہر ایک کو تمہارے ایک ادا پر نثار کر دوں پیاری نازنین میں وہ دل کیا نے لاؤں جو تم پر تلوار ادا ٹھکانا گوارا کرے۔ مجھے یہ نہیں ہو سکتا۔ تم کو بھی کچھ لو کہ میں تم سے مغلوب ہو گیا۔ آؤ میں خود لپیٹ جاتا ہوں یہ لو چہری حاضر ہے۔ مجھے بے تامل ذبح کرواؤ۔ پیاری بچے اس تمنائے کی میرے کیا کم حیران کیا تھا کہ تمہارا حسن۔۔۔۔۔

اور وہ فرسٹ پریسٹ گیا چہری اپنے گلے پر رکھ لی۔ نازنین نے چھپٹ کر ایک لات اس کے سر میں ماری اور تیور بد لکر کہا۔

میں تمہارا کوئی غصہ نہ سنوں گی اپنا عہد پورا کروں گی۔ اور میں اس طرح کیوں ذبح کروں تم سے کمزور یا کسی ہنس کم ہوں تو اسے غنیمت سمجھوں میں تمہیں ابھی باندھ کے ڈال دوں گی۔

کر نیل۔ بیٹا۔ اب تم مجھے ہر ایک فن میں زیادہ ہو مگر غوثی دیر پہلے ہی زیادہ تھا۔ ورنہ تم کو اس آسانی سے کیونکر باندھ لیتا۔

نازنین۔ اوس بات پر ذرا تڑو۔ دھوکے میں۔۔۔۔۔

کر نیل۔ اب میں دھوکے سے بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا میرے ہاتھ پاؤں بل دو باغ کی سب قوت تمہاری تندر ہو چکی ہے۔

نازنین۔ چہرہ ہی ایک اور لات مار کر انا غوث۔ تم سکا خیال دہا ہی نہ کرو۔ تم بچے ذرا بھی چرکا نہیں دیکھتے۔

کر نیل۔ کچھ ہو۔ میرا ہاتھ تم پر نہ اٹھایا۔

نازنین۔ یہ کیوں نہیں کہتے۔ تم بودے ہو مجھ سے ڈر گئے۔ محبت کو کیوں  
بدنام کرنے ہو۔

کرینیل۔ یہی سہی۔

نازنین۔ بڑے بیہودہ محبتی آدمی سے بالاپڑا ہے۔ سنو رات توڑی سی بانی  
ہے۔ مجھے اپنی اور تمہاری بچاؤ کے لئے اپنی بہت کچ کرنا ہے۔

کرینیل۔ پیر کیا انتظار ہے۔

نازنین۔ میں نہیں پہلے آزمائوں۔ اپنا عہد پورا کروں تب اپنا مالک بناؤں گی  
میں ان فرنی باؤں سے نمائوں گی۔ ناحق محبت نہ کرو۔ اٹھو۔ میری جان عزیز ہے  
تو مجھے مقابلہ کرو۔ نہیں میں..... ہے ہے نہیں شرم نہیں آتی۔

میں کمزور ہو کر تمہیں اپنے مقابلہ کے لئے ابھارتے ہوں کیا تھلائی ہوں اور تم بیہودہ  
عذر کرتے ہو یہ یاد رکھو۔ اس طرح محبت جتانے سے میں تمہاری دم میں نہ آؤں گی۔

بے تامل تم کو ذبح کر ڈالوں گی۔ تمہاری سب عمریں تمہارے دل ہی میں رہیں گی  
اور میں رہی..... خدا نے یہ ہاتھ تم کو اس لئے دوئے میں لگا اپنی حفاظت کرو۔

کرینیل۔ حفاظت دشمن سے لگائی ہے۔

نازنین۔ اور میں کون ہوں۔ سن چکے ہو میں دزا بھی رعایت تمہاری نہ کروں گی۔

اُس نے ایسی ہی بہت سی باتیں کہیں اُسے بواڈھ بوک۔ کمزور بنکے گالیاں  
دیا طیش دلایا۔ آٹھ کار وہ آٹھ کھڑا ہوا تلوار ہاتھ میں لے لی۔ نازنین بھی ایک تلوار

دوسرے کمرے لے آئی۔ دیر تک دو دو میں خوب ہاتھ ہونڈ رہی۔ دو نو ایک  
دوسری کی ضرب کو بہت صفائی اور پیرنی سے تلوار ہی پر بچا لے تھے۔ یہ انہی

لڑنے لڑتے اکیلے کرینیل نے موقع پا کر اسکی تلوار چھین کر پینک دی نازنین نے  
فوراً چیری اٹھا لے کرینیل نے اپنی تلوار بھی دور پینک دی اور چیری ملی دو تین

غزب بچا لے وہ بھی ان کے ہاتھ سے چھین لی نازنین پہلوؤں کی طرح اس سے  
جڑ گئی۔ کئی تھوڑی دیر تک اسکا زور روکنا اور اس کے ہر ایک بیج کو کاٹنا

یہ خود زور یا کوئی طاقتوں نہ کیا جب وہ تنک گئے ورنہ غلے آئے ایک بیج  
سے دور پھینک دیا اور بہت بدحواس اس کے پاس دوڑ کر پہنچا۔ اس کے پہنچنے سے

پہلے وہ اودھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر کرنل نے بہت منت ظاہر کر نیولے بھجے۔  
 پوچھا پیار سی کہیں جوٹ تو نہیں لگی اور خود فرش پر بیٹھ گیا۔  
 نازنین۔ نہیں۔ میں ایسی بودی نہیں ہوں۔ اٹھو ابھی سے تھک گئے۔  
 کرنل۔ تھقی میرا گلہ میرے ہاتھ سے کاٹنا چاہتی ہو۔  
 نازنین۔ یہ کیا۔

کرنل۔ نہیں کچھ صدمہ ہوئے گا اور میں زندہ رہوں گا۔ تو یہ۔  
 نازنین۔ پھر وہی فضول باتیں۔

کرنل۔ کیا ابھی میرے امتحان میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ یہی ہے تو تم تلوار  
 ہاتھ میں لے لو۔ میں یونہی بیٹھتا ہوں گا۔ تم خوب تان تان کے جہاں جی چاہے  
 ہاتھ لگاؤ۔ میں بچاؤں گا۔

نازنین۔ ذرا سے غلبہ پر تم اترا گئے۔ تم اتنے نہیں بڑا اور میں بھی ایسی نہیں ہوں  
 جیسا تم نے سمجھ لیا ہے۔ اچھا لو بچو۔  
 کرنل۔ خوب ہوشیار رہو۔ یاد رکھو دوسرے ہاتھ کے بعد تم جیت پڑی  
 رہو گی۔ میں تمہارے سینہ پر ہوں گا۔  
 نازنین۔ واہ۔

کرنل۔ بہت اچھا۔ تم یوں نہ مانو گی۔ اچھا تم اپنا کام کرو۔  
 نازنین نے بہت جوشیاری کے ساتھ پورے زور سے دو دھکی ضرب دو بار کرنل  
 کے سر پر لگائی۔ کرنل نے اپنا ہاتھ ضرب بچانے کے لئے ڈاؤن ٹھایا دو نو  
 بار تلوار آتے دیکھ کر خنجر کے نازنین کے پاس پہنچا۔ تیسرا ہاتھ نازنین نے اٹھانا  
 ہی تھا کہ کرنل نے کوئی بیج کیا تلوار درگڑے نازنین اس کے پاؤں کے پاس جیت  
 گر پڑی اور وہ اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔

نازنین۔ بس اب ہٹ جاؤ تم ہر ایک فن میں خاص کر بنوٹ میں لوہے ہو  
 تمہاری قوت بھی مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ تم نے ہر بار بیانی بیج کیا جو میں نے  
 کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ تنہا بالکل باس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ تم خود موقع کے مناسب  
 داؤں بیج ایجاد کر لینے ہو تمہارے جسم میں پیرنی بہت زیادہ ہے کس بل بہت

اچھے ہیں، مجھے بتیک یہ دعوت تھا کہ چمبر سوامیرے بھائی کے کوئی غائب نہیں  
 ہو سکتا، اب معلوم ہوا انتہائی چلت پھرت کس بل اور تھارے معلومات کے سامنے  
 اسکی کچھ بھی اتنی نہیں۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہم یہاں سے بہت آسانی سے بچ  
 سکیں گے۔

کرئل۔ میں یہ ہیں سمجھا۔

نازمین۔ اپنی برہنہ رانوں کو دیکھ کر شرم گئی اٹھ کر بیٹھا گی۔ کرئل بھی اُسکے پیچھے  
 چلا تا نا زمین نے کہا تم نہ آؤ۔ گہراؤ نہیں میں کہیں نہیں جاتی دوسرے کمرہ سے  
 کپڑے پہن کر ابھی آئی ہوں۔ اور وہ اپنا تنگ جہت پاجامہ پہن کر دوپٹا اوڑھ کے  
 فوراً چلی آئی۔

نازمین۔ اب میں تم سے باتیں کروں گی رشرم سے آنکھیں نیچے کئے ہوئے  
 ذرا ہلکے بیٹھو۔

کرئل۔ بہت خوب۔ واقعی ابھی ہم دونوں کو احتیاط ہی کرنا چاہئے۔ شیطان بھی  
 قوی اور ہوشیار ہے۔

نازمین۔ یہ مکان اس جگہ ایک راجہ نے بنوایا تھا میں نے اسی بڑھے نصیحت  
 کی کہ زبانی ایسا ہی سنا ہے، اس موذی کے باپ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسے دماغ  
 مار ڈالا۔ جیسے وہ یہیں رہتا تھا اس کے حکم کے تابع آٹھ سو مضبوط بڑے بہادر  
 آدمی تھے جو اب اس ملعون کے تابع ہیں۔ ان کا پیشہ قزاقی اور لٹکی ہے قافلوں کو  
 ڈاکہ ڈال کر لٹاتے ہیں کبھی ایسے ہی جیلے بہاتے سے مار ڈالتے اور مال لے لیتے ہیں۔  
 اس کے علاوہ یہ لڑکے روکیاں نیچتے ہیں۔ اس گھر میں بہت سے غلام ہیں۔ انہیں  
 بچپن سے اس موذی نے پرورش کیا ہے۔ مجھے بھی یہ موذی کہیں سے اٹھا  
 لایا تھا۔ میں اس وقت بہت کم سن تھی مجھے اسی نے پڑھا یا۔ اور ہر ایک فن کی تعلیم  
 دی جان ہوئی تو میرے سپرد یہ خدمت کی گئی جس آدمی کو کہیں سے بہرہ لگائے اور  
 رات کو یہاں مہمان رہے۔ میں اس سے ذبح کر ڈالوں۔ با جس مذہب سے ہو سکے  
 مار ڈالوں۔

کرئل۔ اس مذہب سے حاصل۔ بہتی کہتی ہو اس کے فرمانبردار آٹھ سو

جھان میں۔

نازنین۔ بیشک۔ مگر ڈاکہ ڈالنا مشکل ہے نہ۔ اُس میں پوری جان جو کہم ہے اور اس نذیر میر سے بغیر محنت مشقت کام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ چند روز سے انہیں سرکاری فوج کا اندیشہ بہت ہو گیا ہے ڈاکہ ڈالنے کو کہیں نہیں جاتے فوج ان کے گہات میں ہے۔

گر نعل۔ فوج یہاں نہیں آسکتی۔

نازنین۔ راستہ بہت خراب ہے تو پتھان تو بالکل آہی نہیں سکتا سواروں کا آنا بھی دشوار ہے۔ پیدل آسکتے ہیں وہ بھی تھوڑی سی بہت سی فوج ایک ساتھ نہیں پہنچ سکتی تم جتنے دیکھا ہی ہو گا۔ اور یہ بھی مشہور ہے ان کے اس قلعہ میں تو ہیں ہیں اور ان کے ساتھ کئی ہزار جراتور سپاہی بھی ہیں۔

گر نعل۔ مان۔ اور سرکاری فوج کے افسر یہاں ڈھونڈ رہے ہیں، انہیں ملک کی تباہی پر بادی کی کچھ پروا نہیں وہ ہیں اور عیش نقد

نازنین۔ میں سمجھتا ہوں اس پیشہ سے بہت نفرت کرتی تھی جب مجھے یہ کام سپرد کیا گیا۔ تو میں نے دل میں عہد کیا۔ جو آدمی مجھے ذبح کرنے کے لئے بلے گا وہ خوبصورت جوان ہوا۔ اور میرا دل اس پر آگیا۔ تو اس سے مقابلہ کر ڈنگی۔ اس کی سپاہی کا امتحان لوں گی وہ غالب آیا تو اس کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی مغلوب ہوا تو اسے چھوڑ دوں گی خود اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گی۔ جو آدمی مجھے پسند نہ آئے گا اسے یونہی مار ڈالوں گا شک ہے۔ اب تک میں نے کوئی خون ان ہاتھوں سے نہیں کیا۔ یہاں اب تک ایسے ڈرپوک اور بودے آدمی آئے کہ مجھے ڈراؤنی شکل میں دیکھ کر چلا کے مر گئے۔ اور یہ کام مجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ میں ہر طرح کے مردوں سے مل کر انہیں مار کر نذر ہو جاؤں مجھ میں اُس ملعون کی پہونے کی صلاحیت ہو جائے۔ ان ملعونوں کی عورتیں بڑے زیادہ شگدل اور چالاک خیل باز ہوتی ہیں انہیں اسی طرح ایسی باتوں کی تعلیم دجانی ہے۔ تم نے جس عورت کے ساتھ کہا نا کہا یا تاجو تنہا رہی مجھ سے نہیں وہ اس ملعون کی بیوی اور بڑی سفاک ہر ایک فن میں استاد ہے۔ مجھے وہ ملعون اپنی بیٹی کے لئے لایا ہے مگر اب تک وہ مجھے

بہن کہتا ہے میں اسکو پہانی کہتی ہوں جب میں اس فن میں کامل ہوجاتی - تو۔  
 ... خدا نہ کرے۔ ... میں نے آج نہیں گھر میں آنے دیکھا تو خود بخود ہتھاری مجھ سے  
 میرے دل میں پیدا ہو گئی میرے دل نے تمہیں دیکھا مالک بتانے کے لئے  
 پسند کر لیا۔ مگر جب مجھے اپنا عہد یاد آیا تو دل بہت کواہ۔ یہی خیال ہوا تم بھی دوسری  
 بودے کمزور ہوئے جسے اور آدمی اسکا میں نے دیکھے ہیں۔ تو میں تمہارا  
 امتحان کیا خاک لوں گی۔ تم ڈرانے ہی سے مر جاؤ گے۔ اور امتحان نہ لوں گی تو  
 عہد کے خلاف کر کے کیا خوش ہوں گی۔ میں بچن سے سیاہیانہ ڈھانگے رہی ہوں  
 مجھے سیاہی کی تعلیم دی گئی ہے میں نے صد بار دیکھی ہیں بلکہ ادھیں ڈرا کے  
 مار ڈالا ہے۔ میرے دل کا مالک ایسا ہی چاہئے۔ جو مجھے ہر ایک بات میں زیادہ  
 ہو صرف صورت شکل سے میرا دل شکنیں بنائے گا۔ تم کو اپنے دل کا مالک بنانی  
 لیا تو ہتھاری وقت میری نظر میں کیا ہوگی مگر میں نے تمہارا امتحان اسی طرح مناسب  
 سمجھا تمہیں اور صورت سے نہیں ڈرایا کہ شاید تم خوف سے مر جاؤ اور میرے  
 دل میں تم سے کچھ باتیں کرنے کی آواز دہاتی رہے۔ یہ مجھے خوب یقین تھا کہ تم  
 بعد میں بھی زندہ نہیں رہ سکتی مگر کسی طرح گوارا نہ تھا کہ امتحان اور کچھ کے سنے بغیر تمہیں  
 اپنا بتاؤں یا تمہاری جان لیں خود مر جاؤں۔ شکوہ کہ تم میرے مالک بننے  
 کے قابل ہو۔ میں تمہاری ہو چکی۔ اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرو رات محفوظی  
 سی باقی ہے۔ جلدی مہاگ چلو بس سوا اسکے نیچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ تمہاری  
 سب آدمی مارے گئے۔ وہ مومن صبح کو مجھے اور تم کو زندہ دیکھے گا تو آفت ہو گیا۔  
 تم بہادر ہو پورے سپاہی ہو۔ سو دو سو ملکہ ہزار پرہیزی ہو مگر انکی جماعت بھی بودی  
 نہیں ہے ان میں اکثر اچھے سپاہی اور اس فن میں کامل ہیں تم تنہا ان سے کہا تم  
 لڑو گے۔ اس لئے میں نے پہلے سے یہ بندوبست کر لیا ہے ایک  
 سائنڈنی سوکس کے دھارے کی عمدہ جواہر استغروی سیانان اور اشرافیوں سے  
 لدی دیوار کے نیچے کھڑی ہے۔ اور یہاں اسی مسبری کے نیچے سامو جو ہے اسے  
 دیوار پر ڈال کر ہم دونوں اتر جائیں سائنڈنی پر نہیں اور دن چلنے سے پہلے  
 کہیں پہنچ جائیں اس سائنڈنی سے زیادہ دھارے کی اور کوئی سائنڈنی کسی کے

پاس یہاں نہیں ہے کوئی ہمارے گرد ہی نہیں پاسکتا۔ جلوٹھو اب دیر نہ کرو۔  
 وہ دونوں سائنڈنی پر سوار ہو کر چلے گئے دن کے تیسرے پتر تک نہیں نہ ٹھہرے  
 ۳ بجے کے بعد یکایک انہیں یہ آواز سنائی دی اب کہاں جاؤ گے میں آپہونچا  
 نازنین نے کہا براغضب بھالو۔ وہ اوس ملعون کا رٹکا آ پھونچا ہے جس نے دھوکا کیا  
 سو کوس کے دباوے کی سائنڈنی وہیں تھوڑی دیر چھرا اب وہ سوار ہو کر آیا ہے یہ  
 سائنڈنی پچاس کوس کے دباوے کی ہے جیسی وہ ایسی جلدی یہاں پہونچ گیا۔  
 خیر کچھ پرواہ نہیں سہیں اتر پڑو اس سے مقابلہ کرو تم تنہا سپر غالب نہ آئے فوس  
 نہیں مدد دوں گی۔ دونوں جو اتر دو وہیں مقابلہ کو ڈاٹے گئے خوب تلوار چلی داؤں  
 پہنچ ہوئے۔ مگر کارشام کے قریب کرنل نے موقع پا کر اوسکی تلوار چھین لی اور  
 اسے امیک نیچے دیس سے باندھ کر ڈال دیا۔ نازنین نے اسی وقت آپاساں  
 اوسکی سائنڈنی پر لادا اور خود اپنے ہاتھ سے اوس ڈالو کو قتل کر کے سائنڈنی پر بیٹھ گئی  
 اور اپنی پیارنے کو بیٹھا لیا۔ اور بھالے سے بھی زیادہ تیزی سے روانہ ہو گئے اب  
 انہیں کچھ دیر تنہا نام وہ سو کوس تک بوا بر چلے گئے۔ بلکہ اور آگے جاتی مگر سائنڈنی  
 رات کے ۹ بجے تک پورے سو کوس پر نہ تک کر بیٹھ گئے۔ اور افسوس نہایت  
 خطرناک جنگل میں بیٹھے۔ نازنین نے میوہ روغن روٹیاں نکالیں دونوں نے کہا میں  
 مھاگل سے پانی پیا۔ اور ایک درخت کے نیچے لیٹر بچھا کے بیٹھے۔ نازنین نے کہا  
 ہ جنگل بہت خوفناک ہے۔ بڑے بڑے سانپوں کی آواز ہر طرف سے آرہی ہے  
 تم سو رہو میں جاگتی ہوں تمہاری حفاظت کروں گی۔ جب نیچے نیند بہت  
 سائے لگی تھیں جگا دوں گی تم پہرہ پر بیٹھتا میں سوؤں گی۔ کرنل سوراہا۔ ۱۰ بجے گئے  
 بعد نازنین نے اسے جگا دیا۔

کرنل۔ تم نے بہت تکلیف اٹھائی میں بہت سوچا۔ اب صبح تک تم آرام  
 کرو۔ میں پہرا دوں گا۔

نازنین۔ مگر ہوشیار رہنا ایک سانپ کئی بار آچکا ہے۔ ہر مرتبہ میں نے  
 جھپٹا کر اسے آگ نکالی۔ مثقل روشن کی۔ اسی کے فوسے ڈالے اسے  
 بھگایا۔ بہت برا سانپ ہے پورا اڑ دیا ہے۔ تم ذرا بھی غافل ہوتی تو وہ دونوں کو

کھٹا جائے گا۔

کر نل۔ نہیں۔ تم اطمینان سے سو رہے ہو۔ میں جاگتا رہوں گا۔ میرے زانو پر سر رکھ لو۔ اسے خاموش اور سترگوں دیکھو! اچھا اس خود جی کا کلیہ دکلاوریشک میں ایک غیر چوں وہ سو رہی تھوڑی دیر بعد کر نل بھی اوندھٹے اوندھٹے زمین پر گر پڑا اور غافل سو گیا۔

نازنین نے کے قریب دیکھا کہ نازنین نے زور سے چیخ ماری

نازنین۔ ہائے غصہ تم سو رہے ہو۔ لو میں چلی۔

کر نل۔ گہرا کراٹھ بیٹھا۔ آنکھیں ملنے ہوئے تھیں کیوں غیر تو ہے۔

نازنین۔ کس کی خیر۔ دیکھو میرے دونوں پاؤں کہاں ہیں اور پانچ کون بیٹھا ہے۔

کر نل۔ (گہرا کر۔) مجددیشانی اور بدحواسی ظاہر کرنے والے بچہ سے کہیں پاؤں کہاں ہیں۔ سو اور کون بیٹھا ہے۔

نازنین۔ یا اللہ خیر۔ تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اندھیاری ہی تو نہیں ہے مثل جلالو اگر اس اندھیر میں وہ کیا بھرے گی۔ گہرا وہ نہیں سانس پنے صرف میرے دونوں پاؤں منہ میں دیا لئے ہیں۔

کر نل۔ (ادھر دیکھ کر) ہیں۔ سو وہ کیا بیٹھا ہے۔

نازنین۔ میرے ہی تلوار بچے دیدو۔ تمہارے پونٹوں کو اس جانتے رہے ہیں۔ تم سے احب کچھ نہیں ہو سکتا۔

کر نل۔ نہیں۔

اور وہ تلوار لیکر اٹھا ایک ہی ماتھ میں سانپ کا سر کاٹ ڈالا۔ پڑی خیر گوری نازنین کے پاؤں صرف اس کے منہ میں دبے تھے کوئی دانت نہ لگا تھا۔ سانپ اس سے نکلنا چاہتا تھا مگر خود اس کا جسم اتنا بڑا نہ تھا کہ آدمی کو نکل جائے اس کا سر الگ ہونے ہی منہ کھل گیا۔ پاؤں جھوٹ گئے نازنین کپڑی ہو گئی پر بانی اور مٹی سے خوب دھوئے اور لیٹ رہے۔ مگر ذرا دیر بعد کر نل میں بدلنے لگے۔

کر نل۔ کیوں۔ کیا ہے۔ کچھ بے چین سی کیوں ہو۔ سو رہا میں نہ سوؤں گا۔



نازمین۔ سانپ کا نہراثر کرتا معلوم ہوتا ہے پاؤں میں جلن ہوتی ہے۔  
 کرنل۔ وہ کیا اثر کرے گا۔ میرے پاس ایک دوا ہے (دبانو کی) تنوید سے  
 کسی بوٹی کی جڑ نکال کے، ایک شاہ صاحب نے مجھے بتائی تھی مجھے ایک بار  
 بہت دہریے سانپ نے کاٹا تھا۔ اس سے اچھا ہوا تھا۔ ہوڑی سی کہا کے پانی  
 پی لو۔ اور ذرا سی چٹائے پانی میں گھول کے لگا لو میں اسے ہر وقت اپنے ساتھ  
 رکھتا ہوں دوا اس طرح استعمال کی گئی سوزن ہوڑی دیر میں کم ہو گئی نازمین  
 اوجھ بیٹھی۔

کرنل۔ اب کیا حال ہے۔ لپٹی رہا اچھ کیون بیٹھیں۔

نازمین۔ اب جلن کم ہے۔

کرنل۔ سو رہو۔

نازمین۔ نہیں۔ صبح تک دو نو سو میں گئے خدا جانے ابکی کیا آفت آئے  
 کرنل۔ اچھا۔

صبح بہت سویرے نازمین نے اپنا سب اسباب اونٹ پر لادا دھنوسوار ہو گئے  
 چند روز میں اس راستہ سے گوا لیا رہو پونچے۔ کرنل نے بنی داد خاں کے  
 بیٹے اور نواسے کو علیگڑ سے بلایا وہ بھی دیاں پہونچ گئے۔ کرنل نے ایک  
 عالی شان مکان نور گنج میں مول لے لیا۔ اوسے کے پاس اوسے شان کی ایک  
 حویلی بنی داد خاں کے بیٹے کو دلا دے۔ مکان کی طرف سے اطمینان کر کے  
 اپنی شادی اوسے نازمین سے کی۔ شادی کے بعد میاں بیٹے بیوی کے  
 سینہ پر ایک سیاہ قل دیسا ہی دیکھا جیسا کہ بنی داد خاں کی تلوار پر آپ پہلے  
 دیکھ چکے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نازمین جبکہ اصلی نام سلیم ہے بنی داد خاں کی  
 وہی تو اسی ہے جو علیگڑ سے غائب ہو گئی تھی۔ سلیم اب اپنی جھوٹی بہن  
 علیہ اور ماں عالیہ خاتون سے ملی۔ سلیم کی شادی بھی مہابت خاں کے ایک  
 عزیز سے ہو گئی۔

# دوسرا حصہ

## پہلا باب

منج پر منج جو دینے کی ہے فاقہ کی  
ساتھ آیا ہے ہم تنہا و تنگداں لیکر

### ایک اور مصیبت

ٹن ٹن - ٹن - ٹن -

دوسری گھنٹی بجی

گٹھڑی چھوڑا۔۔۔

نہ ترس ملکہ خاص مانگ زری تو بجا دکل کی بنی دلایتی جدید سا بچے کی ڈبلی انگلش روو  
کا یہ چھوٹا سا جملہ ریلوے اسٹیشن کے سپاہی نے اپنی بھاری آواز سے ادا کیا  
مگر گس وقت ادا کہاں۔

یہ وہی زمانہ ہے جس میں ہمارے اس فساد کے دلکش تعمیر کی بنیاد پڑی ہے  
اسکی عمر ڈیڑھ ہیندہ سے دو چار دن کم یا زیادہ ہوگی دن کے گیارہ بج گئے ہیں انجمن  
کے اسٹیشن پر ریل کی آمد آمد کسی وعدہ فراموش کے انتظار سے زیادہ منتظر مسافروں کو  
بے چین کر رہی ہے سبکی آنکھیں کبھی فرسں راہ ہونے سے کہیں بڑھ کر شوق  
اور آرزو سے ریلوے سڑک کی دید میں ٹھہریں۔ جو کوئی بولا صدا کانوں میں آئی  
آجکی کسی گہی کی گڑ گڑا ہٹ انجنوں کے چلنے پھرنے کی صدا سب اس میں  
ہیں۔ اور جو کسی آفت کے مارے انجن نے سیٹی دیدی تو قیامت ہی ہو گئی۔  
وہ آئی آئی۔ سب اپنی گھڑیاں سنبھال کے بچوں۔ عورتوں کی انگلیاں پکڑ کے  
آمد و رفت کے دروازہ کی طرف چلے گئے۔

سچا ملک کے قریب مسافر خانہ میں سب جمع ہو گئے ہیں ایک پر ایک بلاڑتا ہے

ہر شخص اس دہن میں ہے سب سے پہلے نکل جاؤں ہاتھوں سے پاؤں سے لگا ہوا  
تمام جسم کی طاقت سے کوشش کرتا ہے کسی کو آگے پیچھے کے آدمیوں کا کچھ خیال  
نہیں۔ اس سے اس بیٹھروں کے گلے میں ایک ہل چل پڑ گئی ہے وہ کشمکش اور دھکم  
دھمک ہے کہ تو یہ اس ریلا بلی سے بچا رہے بچوں کی جان پر بن گئی ہے جو اس  
غول میں پسپا ہو گئے ہیں۔ نا توان عورتوں کے دم گھٹے جاتے ہیں کسی جگہ کوئی رکھا  
رہ رہا ہے کہیں کوئی امداد کسی کو گالیاں سن رہی ہے۔ کہیں انہیں زن و  
فرزند کی بدولت مردوں میں یہی جمع شروع ہو گئی ہے۔ کوئی بالو کو آواز دیتا ہے  
باوصاحب بیابانک جلدی کہو لو۔

ٹکٹ گرنے کھڑکی کے قریب اس جگہ سے زیادہ جمع اور کشمکش ہے۔ یہاں دوہری بدحواسی  
ہے۔ ٹکٹ لیا ہی نہیں ہے ریل ٹاپی گئی ہے۔ دو جند جلدی ہے۔ سب سے  
پہلے ٹکٹ لے لیں۔ کسی طرح دن سے آگے نکل جائیں ٹکٹ لیکر صحیح سلامت لے ٹ  
آئیں تو اس بیٹھروں کو چیر بھاڑ کے پہلے ہی بھٹا ٹکٹ سے نکل جائیں۔ انہی خیر! اس  
دھکم دھکا دھینگا شستی سے کسی کی گھڑی ہاتھ سے جھوٹ گئی کسی کی پولٹی کا ندے  
سے گر پڑی۔ کسی کا بیگ بہت بھٹ گیا ہے۔ کپڑے نکل پڑے ہیں یا مال  
پور ہے ہیں۔ مگر کوئی گوی بڑی چیز آسانی سے اٹھا نہیں سکتا۔ دوا جکا پیچھے  
سے ریلا آیا اور وہ اس جگہ سے دو چار قدم آگے تھایا پیچھے۔ یہی غنیمت سمجھو کہ  
لوگوں نے اس کو کچل نہ الا۔ مگر کیونکر خود اگلے اپنے بچاؤ میں جان بڑا دی۔  
بولیس کے سپاہی زبانی ڈانٹ ڈپٹ اور سونٹوں کی دھمک سے امن قائم  
کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کسی پر کچھ اثر نہیں ہوتا اولی کوئی سننا ہی نہیں۔ ایسی حالت میں  
وہ دوسری گھنٹی بجی اور وہ آواز آئی جو آج سے پہلے سنی تھی۔ اس ہنگامہ میں کسی نے  
سپاہی کی آواز نہیں سنی۔ گھنٹے کی آواز ضرور سن لی۔ یادہ آواز بھی سنی مگر صبح میں  
میں ہی اسی کے موافق سمجھے۔ یہی سوچی۔ ریل کے نظر آنے کی گھنٹی ہوئی اور سپاہی  
نے مسافروں سے جو چوڑہ کے کنارہ والے پتھر پر ہو گئے۔ الگ ہٹ جانے کو  
کہا۔ اب ان لوگوں کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی کوئی حد نہ تھی۔ سمت سمت کے  
لوہی طاقت سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا کشمکش میں چٹ لگ جاتے تو یہی

کچھ بدواہ نہیں کسی طرح ریل تک پہنچ جانا۔ دروازہ کھٹکھٹانا۔ باہر کو جلا جلا کے پکارتا۔  
یہ قواعد نے حرکت نہی۔ جو اس بوکھلاہٹ میں اپنے پورے ہی تھی۔ مگر بھر گزشت۔  
سپاہیوں نے کسی طرح سب کو چپ کرایا اور بہت سہولت سے سمجھایا۔ ابھی  
دوسری گھنٹی بجی ہے گاڑی آنے میں بہت دیر ہے یہ سب مطمئن ہو گئے۔  
اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اور ٹکٹ لینے والے ہی دیر سے بڑ گئے۔

ٹھیک گیارہ بج کے پتالیس منٹ پر گاڑی پہنچ گئی۔ بلکہ کھڑی بھی ہو گئی اور  
مسافر اترنا شروع ہوئے گاؤں کبوتروں کی کاکب ابھی بند ہے۔ مسافر آنے ہیں  
نکاس والی کھڑکی کے پاس جمع ہوتے جاتے ہیں۔ بعض اپنے غریبوں۔ دوستوں سے  
جوا نہیں لینے اسٹیشن پر آئے ہیں گئے ملتے ہیں۔ ان سے اور غریبوں کی فریبت دریا  
کرتے ہیں۔ اور ایک خوبو جوان جسکی وضع سے بامکین برساتا ہے لکھتا بل کھاتا۔  
گاڑیوں میں جھانکتا انہن کی طرف سے جارہا ہے وہ اس طرح جلتا زانی گاڑی کے  
پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا وہ ایک برقعہ پوش عورت نظر آئی جسکا ایک پائل بادلان  
پر پہنچ گیا دوسرا گاڑی کے دروازہ میں ہے۔ برقعہ پوش نے اسے دیکھ کر  
غیبت ظاہر کر نیوالے لہجہ سے کہا اچھن بہیا۔ اس کے جواب میں اس نے اس لہجہ سے کہا  
پیاری آیا۔ برقعہ پوش جلدی سے گاڑی سے اتر آئی اور جھپٹ کر اسے گلے  
سے گالیا۔

اچھن۔ گاڑیوں میں جھانکے بھانکے حیران ہو گیا۔ جس گاڑی میں دیکھا تھا رانا  
بتہ نہیں۔

سادھی۔ لہو گاڑیوں میں۔

اچھن۔ آخر تم کس طرح لبتیں۔

بیانسی۔ سیدے ہیں (زمانی گاڑی کے پاس) چلے آئے۔

اچھن۔ مجھے کیا خبر تھی۔

پیاری۔ میں نے تمہیں نہیں لکھا تھا۔ برقعہ پوشکرتا سوار ہوں گی کوئی  
اور ساتھ ہوگا۔

اچھن۔ لکھا تھا۔

پیارمی۔ اچھن۔ کیا برقعہ پہنکر مردانی گاڑیوں میں بیٹھنا منع ہے۔

پیارمی۔ نہیں۔

اچھن۔ (جلدی سے) مجھے علم غیب تھا۔

پیارمی۔ برقعہ پہنکر اکیلی عورتوں کا مردانی گاڑی میں بیٹھنا۔

اچھن۔ (جلدی سے) کیوں کیا ہوا۔

پیارمی۔ کوئی مرد ساتھ ہو تو غیر۔ اکیلے کو تو ضرور مردوں کے ستائیں۔

اچھن۔ نہیں اسکا کیا اندیشہ۔

پیارمی۔ کیوں۔ میں عورت نہیں ہوں۔ بد صورت ہوں۔ بڑھیا ہوں۔ اور

برقعہ میں بوڑھی جوان سب ایک سی نظر آتی ہیں کپلے مٹھ ہوئی تو شاید

کوئی نہ بولتا۔ یوں۔ ....

اچھن۔ واہ۔ اچھا ڈر ہے۔ تم تمام زمانہ دیکھے ہوئے تمہارا کوئی

رہ گیا۔

پیارمی۔ بیشک۔ مگر برقعہ پہنکر میں کچھ اور ہو گئی ہوں۔ میرا سکا لحاظ ہی کرنا چاہئے۔

یوں کسی مردانی گاڑی میں بیٹھتی آؤ کوئی مجھے جھڑتا تو برقعہ کی شرم دکھنا بڑائی میں جھپ

کار ہی کچھ جواب دیتی اسی سے اس گاڑی میں بیٹھی۔

اچھن۔ درست۔

پیارمی۔ تم نے برقعہ کی سنکر سمجھ لیا ہوتا۔ زنانی گاڑی کے سوا اب کہیں

گھر نہیں ہے۔

اچھن۔ اب سب لوں لگا۔

پیارمی۔ پر کبھی۔ خدا کرے۔ بہر ضرورت ہو۔ اچھن شاید ایسی ضرورت ہو۔

اچھن۔ اسکی لئے بیخبرہ میں بند ہو کر آنا بہت خوشی سے منظور ہے۔

پیارمی۔ بیشک۔ یہ موقع بڑے خوش قسمت کو ملتا ہے۔

اچھن۔ اود کیا۔

اچھن۔ جلو۔ جلدی جلو۔

پیاری۔ کیا ریل جھوٹ جا بگی۔  
 آنچھن۔ ریل کیسی۔ کچھ چلتی ہو یا۔۔۔۔۔  
 پیاری۔ پھر جلدی کیا ہے۔ کیا کرایہ کی گاڑی ہے۔  
 آنچھن۔ نہیں میرا صاحب کی ہانگی گاڑی ہے۔  
 پیاری۔ خیر۔ کھوانکا کیا حال ہے۔  
 آنچھن۔ خدا کا فضل ہے۔  
 پیاری۔ سہاری یہ تجوز کیسی رہی۔  
 آنچھن۔ کیا کہتا ہے۔ سبحان اللہ۔  
 پیاری۔ سورج اور چاند کی جوڑی ہے۔  
 آنچھن۔ بیشک۔ مگر۔  
 پیاری۔ داوسکی بات سنے بغیر اور تذبذب ہی معلوم ہوئی۔  
 آنچھن۔ ہاں۔  
 پیاری۔ کیسے۔  
 آنچھن۔ میں سب سن چکا ہوں۔  
 پیاری۔ کس سے۔  
 آنچھن۔ انہیں سے جو۔  
 پیاری۔ ہیں!۔ یہ انہوں نے رازداری کے خلاف کیا۔  
 آنچھن۔ یہ کیسے۔ اور کیا۔  
 پیاری۔ تم سے جو کچھ کہا۔  
 آنچھن۔ نہ کہتے۔  
 پیاری۔ بیشک۔  
 آنچھن۔ کسی غیر سے نہیں کہا۔  
 پیاری۔ نہ سہی پھر ہی انہیں۔۔۔۔۔  
 آنچھن۔ کیوں۔  
 پیاری۔ وہ صرف ایک کام کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ انہیں اس مخبری

سے کیا سرکار تھا۔ اون سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم سب حال کہہ دینا۔  
 اچھن - منہ کر دیا تھا۔

بیاری - نہیں۔

اچھن - بس انہوں نے کہہ دیا تو کیا بڑا کیا۔

بیاری - بہت بڑا کیا۔ منہ نہیں کیا تھا اور اجازت بھی نہیں دی تھی۔ تو انکو وہی بات کرنا تھی جس سے اون کی رازداری پر حرف نہ آتا۔ بلکہ وہ یوں سمجھ لیتے ان باتوں کے کہنے کی ضرورت ہوتی تو مجھے ضرور کہہ دیا جاتا۔  
 اچھن - ان سے غلطی ہوئی۔

بیاری - ضرور۔ اور بڑی غلطی ہوئی۔ انہوں نے اپنا اعتبار کہہ دیا۔  
 اچھن - ہوگا۔ اس قصہ کو جاتے ہی دو

بیاری - وہ کون تھی۔

اچھن - یہ نہیں بتایا۔

بیاری - تم نے پوچھا بھی تھا۔

اچھن - ہاں۔

بیاری - کیا جواب دیا۔

اچھن - یہی کہا۔ آپ کو اس سے کیا مطلب۔ میں نے زیادہ اصرار کیا تو ہنسر کہا۔ ہم خود نہیں جانتے ہم کون ہیں آپ کو کیا بتائیں۔

بیاری - یہاں اپنے لیے کی۔ اور وہ کتنے آدمی تھے۔  
 اچھن - تنہا تھا۔

بیاری - ٹھیک۔

اچھن - اہم تھائی تلاش کے قائل میں۔ اور ایسے معاملات کی تدبیریں بھی کہ تم سے سیکھی کیا سوچتی ہے کہ... مگر...

بیاری - میں رات کے بستر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 اچھن - دنا۔...

بیاری - ابھی خبر کہنے کہنے کیوں رہ گئے۔ دنا کیا۔

اچھن۔ دھوکا ہوا۔

پیاری۔ کیسا۔

اچھن۔ ایک۔۔۔

پیاری۔ (جلدی سے) ہاں۔

اچھن۔ کیسے۔

پیاری۔ طبری کے سبب۔ اور وہاں شاید کوئی ہی بجائتا ہوگا جواب ہو کہ معلوم ہوا ہے۔

اچھن۔ کوئی ہی!

پیاری۔ ہاں۔ گردلوں کے سوا۔

اچھن۔ کیوں۔

پیاری۔ اسکی ایک بڑی داستان ہے کہی فرصت میں سنائیں گے۔

اچھن۔ اور تم کو۔

پیاری۔ مجھے انہیں نے کہا جنہوں نے تم سے اور سب حال کہا۔

اچھن۔ انہیں کیسے معلوم ہوا۔ اور شاید انہیں کی چالاکی ہو۔

پیاری۔ تم ہی عقل کے پیچھے لٹھ لٹے پر نے ہو انہیں کیسے معلوم ہوا۔ اُنکے ساتھ

کون تھا کہ تک رہا۔ پھر معلوم ہوتا کیا دشوار تھا۔ اور وہ خود ایسا نہیں کر سکتے۔ تم

انہیں نہیں جانتے اسی سے یہ کہتے ہو۔

اچھن۔ بیشک۔

پیاری۔ مگر تم نے مجھ لکھا کیوں نہیں۔

اچھن۔ تجھے جو قوت بناتے ہو اور!!!

پیاری۔ خود بیوقوف ہو یا ہی کہتے تھے۔ (دھستے ہوئے) شاہ اش۔

اچھن۔ (شرمنگی ظاہر کرتے ہوئے) نہیں میں نے، نہیں کہا۔

پیاری۔ پھر۔

اچھن۔ یہ کہنے والی بات تھی۔

پیاری۔ کیوں۔



اچھن۔ آیا تم نے مجھے باکل دہی سمجھ لیا ہے۔

بیاری۔ کیا۔

اچھن۔ دھجلا کر بے وقوف۔

بیاری۔ میں یہ بے ادبی۔ میں تم سے بڑی ہوں۔

اچھن۔ تو کیا میں نے نہیں کہا۔

بیاری۔ میں یہی سمجھی۔

اچھن۔ آپ تم مجھ سے بھی چل کر رہی ہو۔ مجھے بتائی ہو۔

بیاری۔ دھجلا کر پوئے گا، مشق کرتی ہوں۔ زبان صاف کرتی ہوں۔

اچھن۔ اور مشق پہلے گروالوں ہی پر ہوتی ہے۔

بیاری۔ ہاں۔ خدا تمہیں عیسا رکھے۔ بیٹا دے۔ اب تم نے انصاف

کی لپی ہے۔

اچھن۔ یہ ہنہاری ہمیشہ کی عادت ہے۔ اور سب سے زیادہ مجھے چل کر رہی ہو

نجانے کیوں۔

بیاری۔ نہیں آدمی بنا ناچاہتی ہوں۔ گفتگو کا طریقہ سکھاتی ہوں۔ مگر تم نہیں سمجھتے

گاؤں میں رہنے کا اثر اتنا کب باقی ہے۔ زبان بدلی گئی ہے تو کیا خیالات نہیں

بدلے۔ وہ جھپک جھپک نہیں لگتی۔ نہ لہجہ بدلا ہے۔ بات کہتے ہو جیسے کوئی

پتھر مارتا ہے۔

تمہیں سنار نے کے لئے میں تمہیں جھڑتی ہوں کچھ قصہ سے نہیں کہتی۔

اچھن۔ مجھ سے بھی کہتی تو کیا تھا۔ بڑی ہو۔... خدا ماموں کا بھلا کرے نہ

وہ مجھے چھین میں گاؤں لیجاتے وہاں پرورش کرے نہ میں ایسا رہتا۔

بیاری۔ انہوں نے تم کو بٹیا بنایا تھا۔ میراث میں کچھ تو دیتے۔

اچھن۔ ابھی میراث دی۔ میرے لئے جو جائیداد چھوڑ گئے ہیں وہی

بہت تھی۔

بیاری۔ یہ کسکو دیتے۔ ان کے جانشین تم ہوئے تو جاؤ اور کے علاوہ باپ کی کچھ

صفت دیکھائیے میں ضرور ہونی چاہئے۔

اچھن۔ درست۔

پیاری۔ اب بھی تم خیال کرو تو بہت جلد آدمی ہو جاؤ۔

اچھن۔ بہت خیال نہ کہتا ہوں، پھر بھی۔

پیاری۔ پھر بھی گدھے (ہنسنے ہوئے) بنے رہتے ہو۔

اچھن۔ تم ہر بات میں۔۔۔۔۔

پیاری۔ لطف تو یہی ہے۔ اور تم اسی بات ہی کیوں کہو۔

اچھن۔ اب نہ کہوں گا۔

پیاری۔ یوں نہیں، کان بڑا دوڑ کچھ خیال کر کے اپنے۔

اچھن۔ دمسکراتے ہوئے، بغیر میں کیوں کہا؟ اپنے

پیاری۔ میں تم سے نہیں ہوں۔

اچھن۔ اے کے تو ہم قائل ہیں۔ اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے۔ سوچو بوجھ

مذہب کی شکل۔ سلیقہ سب اس خدا کے فضل سے ہزاروں میں ایک ہو۔

پیاری۔ دیہات میں یہ بہت اچھا ہے۔

اچھن۔ کیا۔

پیاری۔ نہ تو یہی کسی جاگیر میں بسر ہو جاتی ہے۔

اچھن۔ گاؤں والوں میں یہ تکلف نہیں ہوتے سب سیدھے سادے

ہوتے ہیں۔ اونٹ کا کہنا۔ پتلا بگڑ۔ اونٹ کا سب سامان۔ سادہ ہی ہوتا ہر کام بھی

ویسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی سے بہت آسانی سے گزر جاتی ہے۔

پیاری۔ وہاں کوئی اور کام نہ چلے تو یہی کچھ غم نہیں۔ چاری جاگیر جی ہم کو اتنا

دستی ہے کہ اچھی طرح گزر ہو جاتی ہے۔

اچھن۔ بیشک۔

پیاری۔ اور کم بخت شہر کے تکلف خدا کی پناہ۔

اچھن۔ دو الٹا نکال دینے ہیں۔

پیاری۔ یہی نہیں۔ اکثر ان سے تکلیف ہی ہوتی ہے۔

اچھن۔ بہت۔

پیارے۔ چلو ہم اب گاؤں ہی میں رہیں۔ ہمیں یہی کہیں سے جاگیر ملا دینا۔  
 انجمن۔ تم کیا رہو گی۔ اور نہ اب میں وہاں رہ سکتا ہوں۔

پیارے۔ کیوں

انجمن۔ شہر میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔

پیارے۔ بیشک وہاں جی بہت گہرا لگا۔ مگر۔۔۔

انجمن۔ ضرورت ہی کیا ہے۔

پیارے۔ خج کم ہوگا۔

انجمن۔ خدا دیتا ہے خج کرتے ہیں۔ کچھ بچا بھی لینے ہیں۔ کسی کے فرض نہ ہیں

میں۔ اور کیا چاہئے جس کے لئے شہر مجبور ہیں۔ ماں تم نے وہ حل سن ہی لیا ہے

پر اب کیا کرنا چاہئے۔

پیارے۔ اوس کی تدبیر کے لئے آئی ہوں۔ اس میں بھی حذا نے چال اپنا کچھ فائدہ

ہی ہوگا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں اوس کا سامنا مجھے کچھ مل گیا ہے۔

انجمن۔ یہ کیا۔ مراع کیا۔

پیارے۔ بس یہی جس جگہ میں چاہتی ہوں وہاں کا پتہ مل گیا ہے یا یوں کہو میں نے

کچھ سنکر کچھ تدبیر سوچ لی ہے۔

مسافروں کی تشنگش کے سبب دو فوڈ برٹک اسٹیشن کے اندر ہی ایک گوشہ میں

کھڑے باہری باتیں کرتے رہے پھر کم ہو گئی تو باہر نکلے گاڑی پر بیٹھ کر وعدہ ہو گئے

جانے دیجئے جب تک آپ باہری باتوں پر غور کر کے انہیں سمجھیں۔ ہم دوسری

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس انجمن میں ہم کیوں نہیں صاف ظاہر ہے اپنی باتیں

بالکل راز نہ ہیں۔ اور کسی اہم معاملہ کے متعلق جس جگہ وہ کھڑے تھے کوئی ظوت

نہی سہی سے وہ اپنی گفتگو میں اسے الفاظ نہ آتے تھے نہ جیسے ان کے

راز کا کچھ ہی بتا سکتے۔ پھر ہم ناخن اس کے سر کیوں ہو جائیں بس یہی سمجھ لینا کافی

ہے۔ راز نہ شاید کبھی ظاہر ہو جائے۔

وہی دن ہے منج گئے ہیں حضرت سلطان حسن الدین غریب نواز کی بارگاہ میں

عصر کی نوبت بنتی ہے۔ مسجدوں میں اذان ہو رہی ہے صفائی کا علم بڑھ کر

مجاڑ دے بجائے اب چیر کا ڈالوں کا دور شروع ہے۔ اسی حالت میں مدار دروازہ ایک فقیر نامی یہ صدائے مانی تیرا بجا جائے دے خدا کے راہ پر نہ کہنے جلی جاتی ہے۔ وہ سفید چادر اوڑھے ہے جو کچھ میلی ہو گئی ہے۔ اس لابی چوڑی چادر نے سر سے باؤں تک اسکو چھپا لیا ہے۔ چہرہ بھی گہرے گہرے نکبت میں چھپا ہے نہ عمر کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے نہ شکل اور ڈیانتہ کی بابت ہم کچھ کہہ سکتے ہیں البتہ آواز ٹہلی ہوئی عورتوں کی سی ہے۔ اور قد میانہ۔ اسی کے مناسب جسم کا ڈول ہی ہے۔ نہ ایسی موٹی تازی ہے کہ بید ہی اور بد نما معلوم ہو آج سے خوش مزاج حضرات جا نثار لگاؤ تکیہ بڑھتی کہیں اتنی دلی ہے کہ نگاہ میں کاٹا ہو کر جیسے ہمارے خیال مبالغہ ہے جس کی مٹی بلیک کر نولے شاعر اسے اپنے خیالی معشوق کا سنا دے کہہ سکیں۔

وہ اسی طرح صد کہتی ایک گھر کے زمین پر کڑی ہو گئی۔ زور سے ہلار کے کہا:۔۔۔ اندر بھلا کرے۔ تھوڑا سا بانی اندر کے نام بلا دے۔ اس محلہ میں اکثر لیسٹس وار سن فروش۔ آبرو کا بیوہ بار کرنے والے لڑکھالوں کی مسجانی محنت کی مغفرت فرما دے دولت کی پرستار کسبیاں ہی رہتی ہیں مگر ہم انہیں کہہ سکتے ہیں بالاحاقانہ کے زمین کے نیچے وہ سوال کیا گیا وہ ہی اس منڈی کی ایسی ہی کوئی دوکان ہے یا کسی پہلے آدمی کا مکان۔ البتہ اسنے جواب میں جو الفاظ پرست ملائم ٹھہرے۔ وہی اور خوش آئند آواز سے جھانک کر دیکھے بغیر اہرستہ کھٹکے۔ ان سے ہم کو کچھ شک سامنور ہوتا ہے۔ جو کچھ ہو بالا خانہ سے آواز آئی۔ کون ہو کر کیا کہتی ہو۔

فقیرانہ۔ میں ہوں۔ دیکھا محتاج۔ بیوہ فقیرانہ۔

وہی آواز۔ آگے جاؤ۔ یہاں برکت ہے۔

فقیرانہ۔ مانی بیاسی ہوں۔ درسا بانی بلا دو۔ بڑا ثواب ہوگا۔

وہی آواز۔ نیک محبت بانی پینا ہے تو یہاں سچی آؤ۔ وہاں کون بلا گیا کس نام سے پردہ کرتی ہو۔

بے خبری فقیرانہ نے تامل اور چلی گئی۔ وہاں سچے سچائے کمرے میں بہت سفید

مسند پر گاؤں تکیہ کے سہارے سے ایک پہلے اس تنگی عمر ہم کے اندر ہی ہوئی مینس اورد  
کاغذ نے بیٹھے نظر کئے۔ اسنے ذرا دور انہیں کے مقابل کونے میں الملک خوبصورت  
بگداد پرٹکے قریب عمر تک پہنچی ہوئی عورت سفید لباس پہنے سر جھکائے ہوئے  
بیٹھی ہے۔

مرد اس عمر میں خوبصورت بھلا جوان ہے تو عورت بھی اطر حصار ہے۔ اسکے قیام سے  
ہوس پرستی کے ساتھ۔ بھولان ملک سادہ لوحی ظاہر ہوتی ہے بشرہ سے خلق یا بغیر  
بشر اور صحت و تندرستی کے علاوہ اپنے حسن کی بدولت ہمیشہ سکھ اور مزے  
سے مبرا کرنے کے آثار ظاہر میں ساتھ ہے دل میں جہی بیٹھی کسی تمنا کی جھلک  
بھی نظر آتی ہے جو یقیناً اسکے فطری سادہ لوحی کی سفارش ہوئی۔ فقیران کی آہٹ  
سفر جوان نے مینس ہاتھ سے فرش پر ڈال دی۔ کاغذ تو برابر رکھ لیا۔ فقیران کو  
عور سے دیکھا۔ عورت نے بھی سر اٹھا کے ادھر نظر کی۔

فقیران۔ بندلی۔

عورت۔ بندلی۔

جوان۔ (اپنی ہنسنیں عورت سے) بیگم تم باتیں کرو گی میرا ہرج ہو گا خول  
اچھا ہے۔

بیگم۔ نہیں میں یہاں باتیں نہ کروں گی۔ تمرا ہی غزل کہو۔ اور باتوں کی ضرورت  
ہی کیا ہے۔ وہ بھاری بانی پہنچاتی ہے بے گئی چلی جائیگی۔

جوان۔ شاہ آیوں نہیں بہت کم سن ہونہ۔ نہیں یہاں تو مرض ہے۔ بہر حال  
کوئی آدمی لہجائے اور چہرہ پر سو۔ دیواروں سے باتیں کرتے کا تو ارادہ کرتی ہو۔  
بیگم۔ وہ کچھ سہی۔ مگر سوقت ایسی باتیں کرنے کا کیا موقع ہے۔ خاصا صاحب

وہی باتیں بات کہی ہو۔ یہ پانی۔ پینے آئی ہیں یا۔  
خالصہ صاحبہ۔ نہیں تو منع کیا جا ہے۔ کوئی لہجائے۔ کبیر۔ لہجائے۔ کوئی

سوچ ہو۔  
بیگم۔ بلو۔ یہ نہیں ہوں۔  
خالصہ صاحبہ۔ ایک کجست کو دوسرے کمرہ میں لیجاؤ آخر پانی ہی پلاؤ گی۔

بیگم۔ ہاں لئے جاتی ہوں (فقیرن سے) جلو بانی لی لو۔  
 دونوں اس کمرہ میں پہنچیں۔ خالصا صاحب ہی کا گھنا سج ہوا۔ بانی بلا سنے  
 پہلے ہی باتیں چھڑا گئیں۔  
 یہ گہرا گہو ٹھٹھٹ تو کہو لو۔ آخر بانی کیسے بیوی گی۔  
 بیگم۔ مجھے لڑنے میں دیدو۔ گہو ٹھٹھٹ کے اندر ہی جی لو گی۔  
 بیگم۔ کیوں بیاں اور کون ہے۔ گلیوں میں رابگروں سے پردہ کرنی ہو گی  
 وہاں ہمارے خالصا صاحب بیٹھے ہیں۔ بیاں۔ میں اور تم دو ہی غور تھیں  
 ہیں۔

فقیرن۔ ہاں۔  
 اور تیار رہو پردہ نبھنے والا ہی نہیں ہے۔  
 بیگم۔ کیوں۔  
 بیگم۔ تم پر مصیبت پڑی ہے۔ جلی گلی ماری ماری پھرتی ہو۔ پردہ  
 کیسے کھ سکتا ہے۔  
 فقیرن۔ چھٹنے کو کیا چاہئے۔ مجھ پر مصیبت چار برس سے ہے ایک تو کسی نے  
 صورت نہیں دی تھی۔ آواز ضرور سب سنتے ہیں۔ اس میں لاچار ہی ہے۔ ہائے  
 تقدیر جو کچھ کھائے کم ہے۔ بیگم۔ تم کون ہو اور کہاں کی ہو۔  
 فقیرن۔ محنتا ہوں۔ دکھایا ہوں۔  
 بیگم۔ نہیں جی پٹھان ہو کر۔... آواز اور رنگ ڈھنگ سے پہلے  
 بس کی ہو بیٹی معلوم ہوتی ہو۔

فقیرن۔ بیوی۔ میں کبھی سیدانی تھی۔  
 بیگم۔ ہیں کبھی نہیں اب نہیں ہو۔  
 فقیرن۔ اب تو فقیرن ہوں۔ دور دور ہر ایک مانگتی ہوں۔ کاش مجھے کوئی  
 چار نہیں تھی ابھی ہو گی۔ اس تقدیر سے سب کو کچھ یاد باگل ڈھونڈا وہ بھی  
 ایک زمانہ تھا پھر بنگ پر بیٹھے رہتے تھے مانا میں خدمت کرتی نہیں یہی ملک  
 وقت ہے شوگر میں کہا تے پھر تے ہیں۔ اسی وقت تک میں سیدانی بنی تھی

اب تو نغیر ہوں۔

بیگم۔ کیوں۔ کیا مصیبت سے ذات بھی کہو جاتی ہے۔ خدا کسی پر جادو قوت نہ ڈالے۔ سیدانی کہی یہ اپنے بس کی بات ہے؟ بھلا تم اپنی خوشی گھر سے نکلتی ہو؟ ہاں اس میں کیا فائدہ تھا۔ بیوی زمانہ ایک نہ ایک وقت سب کو آزماتا ہے کسی کو تھوڑا کسی کو بہت۔ اسی آزمائش میں جس سے جو بن پڑتا ہے اپنا پیٹا پالتے کے لئے کرنا ہی ہے۔

فقیر۔ ہاں ہم ہنر کو عیب سمجھے اسی سے یہ دن نصیب ہوا۔ ہم پہلے ماٹوں میں بھی تو غضب ہے۔ ہاتھ پاؤں چلا کے کچھ کمانا۔ گڑ کرنا۔ بڑا عیب ہے کوئی ہنر اس لئے نہیں سیکھا۔ امداد کا دیا سب کچھ ہے قاصد امیر ہیں۔ کیا ہر اسی کی کمانی بر ہیں جو کچھ نہ سیکھنے کو کہا میں گے کیا۔ یہ خبر نہی۔ یہی سن۔ ایک ٹھہر کیا مو قوت سے ہماری برادری کی سب بہو بیٹیاں ایسی ہی ہیں کوئی ہنر کیسا اپنے ہاتھ سے اپنا کوئی کام کرنا بھی دشوار ہے۔ جن کو کوئی کام آنا ہی ہے وہ اس شہم کے سبب نہیں کرنیں کوئی دیکھئے گا تو کہے گا انکے یہاں یہی پیشہ ہوتا ہے۔

بیگم۔ ہاں بیوی سب پہلے ماٹوں میں یہی خرابی ہے۔

فقیر۔ ہمارے کنبہ ہی میں ایک پڑے میاں نے گڑی کی ٹال رکھ لی سب انکو لکڑا مارا کہنے لگے آخر انہوں نے چھوڑ دی۔

بیگم۔ یہی حال ہے۔

فقیر۔ کوئی ہنر کیسا۔ ٹھہر جب یہ مصیبت پڑی ہے۔ گھر سے نکلی ہوں۔ تو بچے کہا نا بچا نا بھی نہ آتا تھا اور کتا بھی کہیے

بیگم۔ بھوک۔ کبھی خود کیوں پکایا ہوگا۔

فقیر۔ بکا گیا۔ کبھی باورچی خانہ میں بھی نہیں گئی۔ یہ بھی عیب تھا جو بچے کے پاس بیٹھنے کو بھی نہیں گئے خود کہا نا پکاتی ہوں گی۔ دادا اور کیا نا بکا نے دہلی بنے دل میں کہیں گی بیوی۔ حوا جسے بولتیاں گئے۔ شوہر بانا پختہ بیٹھتی ہیں۔ ہمارا نام بد ہو گا۔ گھر کے توفیق نہ نکلیں گے۔

بیگم۔ پھر تم سے محنت فردوری کیا ہوتی۔  
 فقیر کن۔ یہی کو قسمت کا پہر تھا۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ پہلی ماٹلیں وہ  
 یہی کسی طرح ہوتا ہے۔

بیگم۔ اور کیا۔ مگر مصیبت کیسے آئی۔

فقیر کن۔ کیا تاؤں۔ (سکی مرضی۔)

بیگم۔ پہر بھی لپٹہ کہو تو سہی۔ بکا ایک رقم اسی کیونکر ہو گئیں۔

فقیر کن۔ پانچواں برس ہے کہ چارے گھر پر تباہی آئی شروع ہوئی سب کے  
 پہلے ڈاکہ چڑا

بیگم۔ اے ہے۔ ڈاکہ۔ مونے ڈاکہ لوٹ لے گئے

فقیر کن۔ ہاں بیوی دولت جو کچھ تھی وہ سب لے گئے۔ اور پانچ آدمی  
 مارے گئے۔

بیگم۔ پائے پائے۔ کون۔۔۔

فقیر کن۔ میرے دو دیور۔ میاں۔ تینوں بہائی۔ انکے باپ اور ماموں۔ ایک  
 چارہ گئے وہ اس وقت گھر پر نہ تھے۔

بیگم۔ تنہا لگے کہاں ہے۔

فقیر کن۔ کہیں نہیں۔ اب کہاں ہے۔

بیگم۔ کہاں تھا۔

فقیر کن۔ ہوڑا پورہ یہاں سے قریب ہی ہے۔

بیگم۔ ہو گا۔ میں نے یہ نام بھی نہیں سنا۔ تمہارے گھر کیا کام ہوتا تھا۔

فقیر کن۔ زمینداری۔

بیگم۔ مگر گاؤں والے اور پھر زمیندار۔ ایسے نیکے نہیں ہوتے وہ اکثر بھٹاکام

اپنے ہی ہاتھ سے کرتے ہیں۔

فقیر کن۔ ہر سب کچھ دن سے گاؤں میں آئے تھے۔ اور زمینداری بھی سود

آدہ سود کے ہستی۔ اس پاس کے دس بارہ گاؤں سب ایسے ہی تھے شہر کی قبو۔

عدا کی دی ہوئی بہت دولت پھر ہم اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔



پہلے کس شہر میں رہتی تھیں۔  
 فقیر کی۔ جیپور میں۔ اس سے پہلے ہمارے بزرگ دلی میں رہتے تھے۔  
 اور گھر یہاں تھے۔ علاؤ الدین دور۔  
 فقیر کی۔ کیوں کیا ہوا۔ مجھے خود مول نہیں لیا تھا۔ ہمارے بزرگوں کو اگر نزدیکی  
 جاگیر میں دیا تھا۔  
 فقیر کی۔ کیوں۔  
 فقیر کی۔ کچھ غیر خواہی کی تھی۔  
 فقیر کی۔ شہر چھوڑ گئے وہاں کیسے گئے۔  
 فقیر کی۔ ہمارے سب گنبد والے راج میں لوکرتے۔ بڑی بڑی تختیاں  
 ہاتھ تھپتھپتے۔ کسی بات پر سرکار کی کچھ نگاہ بدلی انہوں نے ان کی نظر شیر مٹی دیکھی  
 تو سب وہاں سے چلے آئے۔  
 فقیر کی۔ کیا سب پر خفا ہوئے تھے۔  
 فقیر کی۔ نہیں۔ ایک پر۔ مگر سب لڑ گئے۔۔۔ اچھا ہیں اپنے ملک کے مالک  
 ہیں۔ اسی لپٹ میں سب کو لے ڈالیں۔  
 فقیر کی۔ انہوں نے کوئی ایسا ہی قصور کیا ہوگا۔  
 فقیر کی۔ دوری۔ نمک حرامی کی چیز اس سے اور سب کو خوف تھا۔  
 یہ تھیں۔  
 فقیر کی۔ انہی نمک حرامی کے سبب۔ سب کا اعتبار جاتا رہا۔  
 فقیر کی۔ ایسا کیا کیا تھا۔  
 فقیر کی۔ جس کام پر تھے اس میں بہت ساز و پنہ کیا گئے تھے سرکار نے  
 حکم دیا تھا۔ ان کے گنبد کے آدھے ہیں سب کا حساب اور کام دیکھا جائے یہ  
 سننے ہی سب وہاں سے بہا گئے۔  
 فقیر کی۔ ہاں ڈاکہ کے بعد ہر کچھ ہوا۔  
 فقیر کی۔ سب گاؤں تک۔  
 فقیر کی۔ میں ایسے۔

فقیر - ہمارے کنبہ والے سب بڑے فضولی مچ رہے تھے۔

بیگم - اسی میں بچڑائے۔

فقیر - خود نہیں۔۔۔

بیگم - پہر کیسے۔

فقیر - اس وقت امیری ٹہسے میں یہ بات بھی تھی۔ سیکڑوں آدمی دو دو وقت دسترخوان پر کھانا کھائیں جبکہ دسترخوان پر جتنے آدمی زیادہ ہوتے اتنا ہی وہ نیا مشہور ہوتا۔ انہوں نے اسی نمود میں لاکھوں قرض کر لئے۔

بیگم - روپیہ سی ماہ جن سے لیا ہوگا۔

فقیر - ایک سے بیگم۔ کئی سا ہو کاروں سے۔

فقیر - کئی سا ہو کاروں سے۔ شہر کا بڑا چھوٹا کوئی سا ہو کار نہ بچا جس سے انہوں نے قرض نہ لیا۔ اور لینا ہی کیسا ایک لیا اور سو کا تک لکھ دیا۔ کیوں۔

فقیر - ضرورت پور روپیہ ملنا نہ تھا۔

بیگم - کیوں اتنی بڑی جائداد کے مالک تھے۔ انہیں قرض ملنے کی کیا کمی تھی۔

فقیر - بیشک۔ مگر جسکا لیتے تھے ادا نہ ہوتا تھا۔ اس سے سا کہہ کر لگے تھے اسی سے سا ہو کار نہ دیتے ہوئے۔

فقیر - اور کیا۔ اور دیتے تھے تو ایک کے سو لکھاتے۔ کوئی جائداد آڑ کر لیتے مہینوں حیران کرتے تھے۔

بیگم - اونکا بی دستور ہے۔ مگر تم نے ابھی کہا تھا گھر میں بہت دولت تھی۔ واکس میں لٹ گئی۔ دولت کے ہوتے قرض لینے کی کیا ضرورت تھی۔

فقیر - دولت کیا تھی نقد تو ایک کوڑی بھی نہ تھی۔

بیگم - جواہرات ہوگا۔

فقیر - زیور۔ سونے چاندی کے برتن۔ شال۔ اور تکلفی سامان لاکھوں۔

ہی کا بنا۔

پہر کیوں فرض لینے ہے۔

اور کیا کہئے۔ گہر کی چیزیں بیچتے۔

اور کیا۔ اونٹے گڈہ کرتے۔

یہ بھی ہوتا تھا مگر بہت کم۔ اور چوری چوری۔ کوئی سنے نہیں

دیکھ نہ لے۔

چوری کس کی تھی۔

دنیا کی۔

کیوں۔

لوگ کہتے۔ گہر میں اب خاک نہیں ہے۔ چیزیں بیچ کر گزر کرتے ہیں

اپنا بہرم جاتا۔ بدنام ہونے۔ لوگ نام دہرتے۔

اچھا بہرم تھا۔ اور اسکا رکھ رکھاؤ بھی بہت خوب تھا۔

کوئی چیز بھی جاتی تھی تو اس سے کیا خاک گڈہ ہوتی تھی۔ ہمیشہ سو کی

چیز دس میں جاتی تھی اور وہ دس ایک ذرا سے کام کے چوبالے تھے۔

سب جائیداد کا ہر کاروں ہی نے لی ہوگی۔

نیللم کوادی۔

کچھ انہوں نے خود ہی لی ہوگی۔

ہاں جن کو صرف اپنا وہیہ لیتا تھا انہوں نے وہیہ لیا۔ جو جائیداد

تھے انہوں نے جائیداد لی۔

نیللم تو سکارے کرائی ہوگی۔

ہاں انہوں نے عرصیاں میں اس حکم سے لیا۔ دولت یوں گئی۔ آدھی

پلے آٹھ گئے تھے۔

کوئی نہیں رہا۔

ایک چچیا سسر اور اس باقی تھیں۔ وہ دونوں ہیضہ میں

مر گئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

تاریخ

.....

تفتیریں۔ ایک طرف کی سب سے پہلی وقت پر پیدا ہونے والی تفتیریں جیسے جلد اور دماغ کے

عاقبت تہا خدا سے محبت آ رہی ہے اس کا سب سے بڑا پتہ تھوڑا سا

مجھے اس مفید بحث میں سلی کیا فرادست تھی۔ سچے اپنی ہی ذہنی دو بہر تھی۔

اولیٰ مرتبہ

مجلس

جس کو تو میں نے دیکھا ہے۔

مجلس  
مجلس

بسم الله الرحمن الرحيم

اور ان کے لئے ایک اور

اکسٹریکٹ کیا گیا ہے

لونی۔

میرزا و بی بی

رہ چکے ہیں۔ یہاں ہے۔۔۔ یہی شہاب کوئی بچہ نہیں ہے۔

دعوت گری اور شہنشاہی سانس لیکر کوئی نہیں۔

...-1079

بیت - اعراسی تمنا

12

پروژه و کلیات آن - اجزای اصلی تئوری

1903-1904

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔

**F**

فقیر - اولاد کا نہ ہونا دکھ ہے تو ہوتا ہی عذاب ہی ہے جسکی نہیں ہوتی  
اسے نتا ہوتی ہے جبکہ ہوتی ہے اور کوئی اور دکھ ہوتا ہے وہ اس سے آزار  
پا لے۔

اہلاد سے کیا دکھ ہوتا ہوگا۔

فقیر - کمزور نہیں۔ غلامی ہو۔ مر جائے۔ اولاد ہو اور کہاں سے کو نہ ہو  
سکھوں نہ کہیں۔

اولاد کے چورنے پر سب دکھ راحت ہی معلوم ہوتے ہیں۔  
نہ جائے نہ تھکے نہ تھکے۔

کرتے ہیں یا خود بخود ہوتی ہے ہائے نہ ہونے کا وہ دکھ ہوتا ہے  
کہ خدا دشمن کو بھی نصیب ہے۔ یہ نہ کوئی میر سے دل سے بولے۔

فقیر - اور غریب میں اولاد ہونے کا غم کئی بچے بچو۔  
غم کیا۔ اہلاد کا ہونا ہی ہزار خوشی کے برابر ہے۔ اس کے سامنے کسی  
رخ کی کیا ہستی ہے۔ غریب ہو یا فقیر سب بہت آرام اور خوشی سے  
گزر رہے۔

فقیر - تمھاری نہیں ہے اور خدا کا دیسا بچہ موجود ہے کسی خیر کی چیز  
بہ کسی طرح کا غم۔ نہیں نتا ہوتی ہی جاسکے۔ غم میں مصیبت کے سبب اپنی  
ذاتی بیماری ہے۔ میرے لئے ایک لڑکی ہزار بلاؤں سے کم نہیں۔ اپنی رانکا  
پالنا ہی آفت سے ذرا سیانی ہوگی۔ اور ہی قیامت کا سامنا ہوگا۔ میری ذہنی  
و حاسہ خدا غریب میں کسی کو اولاد نہ دے۔ اور دوسے تو لڑکی نہ دے۔

بیکوں کو لڑکا کیا آئین برساتا ہے جو لڑکی نہیں برساتی۔ سوا دل خوش  
کرتے کے اور کوئی نہیں دے۔

فقیر - لڑکا کی ذات ہزاروں فکری بڑی ہوتی ہے۔ وہ چار  
برس کی ہوتی کہ اسے جہم ڈھانکنے کے لئے کپڑا حذر و قبلہ پہنے۔ بائیس میں قدم  
رکھنا چھین کی فکر ہوتی۔ ذرا اور سیانی ہوتی۔ ہر وقت آنکھوں میں رنج کے کاغذ  
ذرا غفلت کی اور بدراہ ہوتی۔ خدا خدا کر کے ان بلاؤں سے بچنا چاہتا ہو تو

شادی کی فکر ہے کہ جان لئے لیتی ہے۔ شادی کے بعد بڑے گھر جانے کا غم ہائے  
 ایک آفت ہو تو کہوں۔ لڑکے کو کیا چاہئے کہ نہیں۔ لنگوٹی باند ہے پہرے جہاں  
 چاہے کیلے۔ شادی کی ضرورت ہو وہ کماٹے خود جہاں جی چاہے کرے۔  
 بیگم۔ لڑکا بری محبت سے بد راہ نہیں ہوتا۔

فقیرانہ۔ کیوں نہیں۔ مگر اداس کی بدولت اتنی مدد سوائی نہیں ہوتی۔ میں سچ  
 کہتی ہوں۔ خدا نے مجھے جیسے دی ہے وہی ہے۔ تو میں بہت خوش ہوں۔  
 بیگم۔ ہیں! ہیں! کیا کہتی ہو! تو بہ کر دو تو بہ۔ تاحق اسے کیوں کو سچا ہو۔  
 فقیرانہ۔ مجھے اسکی ذات سے سوا کچھ درد کے اور کیا حاصل ہے۔ پہر  
 میں کیسے نہ کہوں۔ وہ نہ مرے تو اور کسی طرح یہ بھاری سہل میرے سینہ  
 سے سیٹھ جائے۔

بیگم۔ ایسی ہی بچرن ہے تو کسی کو دیدو۔  
 فقیرانہ۔ میں تو خدا سے چاہتی ہوں کوئی میرا یہ حکم مول لے لے۔ مگر کون  
 لیتا ہے۔

بیگم۔ کیوں لئے کو کیا ہوا میں ہی لے لوں جب اسے مجھے اپنے اولاد  
 ہونے کی امید تھی نہ تھی۔ یہی آرزو ہے کوئی لڑکی کہیں سے مل جائے تو میں  
 پال لوں۔

فقیرانہ۔ شاید تم میری بات جھوٹ سمجھیں۔ میں سچ کہتی ہوں مجھے اس  
 غریب میں اسکا ہونا لاکھوں لاکھوں سے ہی زیادہ ہے اسی سے .....  
 بیگم۔ میں ہی سچ کہتی ہوں۔ میں بہت خوشی سے اسے لیلوں بہت  
 شوق سے لیلوں۔

فقیرانہ۔ تیس تہ اسے لیلو۔ اپنی بیٹی بنا لو۔  
 بیگم۔ لڑکی کی صورت کیسی ہے۔  
 فقیرانہ۔ بہت خوبصورت ہے۔ حور کا سلہ بچہ۔ جمالی میں لاکھوں میں ایک  
 ہوگی۔

بیگم۔ (اس خیال سے کہ فقیرانہ کے نقشہ سے اس کے خاکہ کا بھی اندازہ مل جائے گا)

ہیں! تم ایک گھونگھٹ نکالے ہی ہو۔

فقیر - مجھے اپنا منہ کھولتے شرم آتی ہے۔

بیگم - عورتوں سے کیا شرم۔

فقیر - عورتوں ہی سے نہیں ساری دنیا سے ..... ہائے کبھی ہم کیلے تھے

اب کیا ہیں۔ اس حالت میں کسی کو منہ کیا دکھاؤں۔ لوگ مجھے کیا سمجھیں گے کس نظر سے

دیکھیں گے۔

بیگم - تم تاملو شرماتی ہو۔ تم کو بیان کون پہچانتا ہے۔ تمہیں اس حالت میں کس نے

دیکھا تھا جواب برے حالوں دیکھ کر ذلیل سمجھو گا۔

فقیر - یہ سچ ہے مگر۔

بیگم - (اوسکا گھونگھٹ اوٹے ہوئے) مگر کیا۔ اجنا سے کہل ہی دو۔

فقیر - تمہارے خاطر ہے۔ نہیں میں نے قسم کھالی تھی جب تک اس حالت میں ہوں

کبھی کسی کو اپنا منہ نہ دکھاؤں گی۔

بیگم - راز کی ضرورت دیکھ کر رنگ اور نقشہ تمہارا بہت اچھا ہے مگر منہ کیوں

شیرنا ہو گیا ہے۔

فقیر - اوسکی مرضی۔

بیگم - یہ پیدا نشی ہے یا۔

فقیر - نہیں۔

بیگم - کسی بیماری سے۔

فقیر - ہاں تو وہ ہے۔

بیگم - کبھی سے۔

فقیر - تھوڑے ہی دنوں سے۔ بیگم - راز کی پیدا ہوئے سے پہلے تمہارا رنگ سا نالا ہے۔

فقیر - ہاں ایک سال سے پہلے۔ میرا رنگ سا نالا ہے تو کیا ہوا راز کی

بہت گری ہے نہ بالکل اسکے بار کچے سا رنگ روپ ہے۔ بہت خوبصورت

بیگم - تمہیں یہ بیماری کیسے ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو۔ یہ بڑبڑوں کو زیادہ ہوتی ہے

**فقیر** - بڑھا ہے پر کیا موقوف ہے۔ یہ بیماری سردی سے ہوتی ہے۔  
**بیکم** - اسی سے جوانوں میں بڑھوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ مگر تم کو کیسے ہوتی۔  
**فقیر** - چاروی تھی۔ مہاوٹ برستی تھی۔ سردی خوب زور دیتی تھی۔ مجھے دو مین دن پہلے سے کچھ بخار تھا۔ کپڑے بہت سے پہنے ہوئے تھے۔ نہاٹے بغیر بدلنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ آخر ایک دن صبح سویرے تازہ سے ہائی سے نہا لیا۔ بخار سو وقت بہت کم تھا۔ کچھ اذیت نہ ہوتی۔ نہاد ہو سکے کپڑے پہنے اور وہ یہ ہے۔ پیچھے بائیں ٹانگہ سے نکل کر آئی۔ اس وقت ہوا تیز چلتی تھی۔ سچ آگن میں گر پڑی۔ اس وقت نہایت سوائق نہار چلی نہ آئی تھی میاں رزدہ تھے انہوں نے زمین کا سمان تاکہ کر دیا بخانے کہاں کہاں سے ٹکڑے ڈاکٹر بلائے۔ مہینوں علاج ہوتا رہا تپ جان بچی۔ بیماری جلتی رہی مگر ابھی بہت کشتاں چھوڑ گئی۔ اسے میں اس وقت مرفاتی بہت اچھی رہتی۔ مگر قسمت میں یہ..... (انسو پونچھتی ہے)  
**بیکم** - کم سخت بیماری نے تمہارا نقشہ بگاڑ دیا۔ اُمت کیا بھیا تاکہ شکل بڑھ گئی ہو ایک آنکھ تک ٹیڑھی ہے۔  
**فقیر** - اب کئی دن۔  
**بیکم** - تم اپنی لڑکی سے بچہ دو گئی۔  
**فقیر** - ہاں۔  
**بیکم** - کب لاؤ گی۔ میں اسے دیکھ لوں پہر کچھ کہوں۔  
**فقیر** - جب کہو۔  
**بیکم** - آج ہی لے آؤ۔  
**فقیر** - آج فرصت ہوئی اور موقع ملا۔  
**بیکم** - روتھ کیا چاہئے ابھی لے آؤ۔  
**فقیر** - ابھی۔ اس وقت کیسے جا سکتی ہوں۔  
**بیکم** - کیوں۔  
**فقیر** - ابھی مجھے اپنی بہن کے بیان جانا ہے۔  
**بیکم** - ہیں! تمہارے کوئی بہن ہی ہے۔



**فقیر**۔ مان جائے نہیں ہے۔ نہیں بنالی ہے۔  
**بیگم**۔ کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔  
**فقیر**۔ وہ بھی نہیں مصیبت کی ماری۔ بد نصیب۔ دکھ باری۔ محتاج بیوہ ہے  
 اس پر بھی ایسا ہی وقت پڑا ہے۔

**بیگم**۔ تم سے اوپر ہے کہاں اور کیسے جان پہچان ہے  
**فقیر**۔ یوں ہی مانتی مانتی ایک دن میں وہاں بھی پہنچ گئی تھی وقت بھی  
 میں بہت پیاسی تھی۔ اوسے کے دروازہ پر کھڑی ہو گئی بالیہ بھی بھل گیا تھا جسے ادھت  
 تم سے مانگا تھا اس نے گھر میں بلالیا۔ یو بھی اس سے بائیں ہوئیں۔ اس نے اپنا  
 سب مال کہا میری مصیبت سنی۔

**بیگم**۔ وہ بھی جوان ہے خوبصورت ہے۔  
**فقیر**۔ مجھ سے عمر میں کم اور صورت میں بہت اچھی ہے۔  
**بیگم**۔ باہر انہیں نکلتی۔ پیگ انہیں مانتی۔  
**فقیر**۔ نہیں۔ خدا نہ کرے۔  
**بیگم**۔ پھر کیسے گزر ہوتی ہے۔  
**فقیر**۔ دور وہ یہ جینہ ایک حکم سے ملتا ہے۔ اور۔۔۔۔۔  
 کیوں۔

**بیگم**۔ خیرات اور جن کے یہاں سے ملتی ہے وہاں سے ہی بہت سے محتاجوں  
 کو دیتے ہیں۔

**بیگم**۔ مگر اس میں بچاری کیسے لگھ کرئی ہوگی۔  
**فقیر**۔ اس کے سوا اور کیا مدد ہے۔  
**بیگم**۔ ہیں یا۔ کیا۔

**بیگم**۔ خدا نہ کرے۔ وہ بڑی دستکار ہے۔ کر بند بنا چکوں بنانا۔ گلویت  
 سونے۔ بچوں کی بنیادیں۔ ٹو پیاس بنانا۔ گونا بنانا وہ نہ جانے کتنے ہنر جانتی  
 ہے۔ انہیں سے کچھ بچا کر لیتی ہے۔  
**بیگم**۔ اتنے ہنر وار کو بچا کر لینا۔ وہ بہت کر سکتی ہے۔



ان کے گڑباج کیا اسی خوف سے ہے۔ پر عرب کسی معلوم ہو گا کہ نہ کہیں گے۔

**فقر**۔ میں اسی لئے کہتی ہوں تم اپنے کسی اکوئی ساتھ لے دو۔

**بیگم**۔ نہیں۔ خیر۔ تمہارے ایمان پر ہے۔ میں ان دونوں کے ساتھ نہ جا سکتی ہوں۔ اور وہ دونوں میرے ساتھ ہوں گے۔

**فقر**۔ تمہاری خوشی۔

**بیگم**۔ تم نے یہ اچھی سوچی ہے۔

**فقر**۔ اے آنسوؤں سے روتی ہوئی ہلکا ہانک سوچی ہے اے میرے عزیز۔

کہے۔ ہاں میں اسی سے کہتی ہوں غریبی میں خدا اولاد ہے۔

**بیگم**۔ یہ غریبی تو تمہاری لڑکی کے بعد نہ رہے گی۔

**فقر**۔ ماں ابویں اسی۔ اسی مصیبت کسی پر پڑے لائے خیمے میں رہیں۔

کی کوئی صورت نہ ہو پیٹے ہی مر جائیں۔ ہاں۔

**بیگم**۔ اے غم دور کرنے کے لئے، تم نے بانی ایک نہیں پایا۔

**فقر**۔ (روٹی آواز سے) نہیں اب بی بیوں کی۔

**بیگم**۔ کچھ کہنا ہی ہے۔

**فقر**۔ کچھ بھی نہیں۔ شام کو بچاؤں گی تب میسر ہو گا میں روٹی لیا کر ہی اپنی آگاہی

کرتی ہوں۔ شام کو اگر ہو چکا ہو جائی ہوں۔

**بیگم**۔ ہمارے بانی دیو۔ شروین کی گھانگولائی ہوں۔

وہ ہنر دہی سہیلی کچھ روٹیاں۔ اے آنی فقر نے کہا کہ پانچواں ادا ہو چکی گئی۔

اور سو وقت خالصا جب بے آواز دی۔ بیگم۔

**بیگم**۔ دیکھ پاس سے ہو چکا۔ کیوں کیا ہے۔

خاندان (سکارا باتیں ختم ہو گئیں۔)

**بیگم**۔ اور تمہاری منزل۔

خاندان۔ ایک ہو گئی۔ دوسری شروع کی ہے۔

**بیگم**۔ نیچے باتیں کرنے کا مزہ ہے نہیں شاعری کا خط ہے جوتوں سے تو

کبھی کبھار ہی ہوتا ہے اس سے تم کیا کاتے ہو۔

خاندان صاحب۔ کہ نہیں۔ اب اسکی قدر ہی نہیں ہے کسی زمانہ میں تھی۔  
بیگم۔ چلو رہی ہے دو۔ کہی تھی۔ اسکی بدولت امیر وزیر ہو جائے ہونگے۔

خاندان صاحب۔ ایسا ہی ہوتا تھا۔

بیگم۔ کیوں نہیں۔

خاندان صاحب۔ نہ سہی۔ تم ایک پان نو بنا دو۔ اور ذرا حقہ بہر دو۔ آج ماما کہاں  
رہ گئی ہے۔

بیگم۔ اپنے گھر گئی ہے۔

خاندان صاحب۔ منقول۔ کیا شام کو آئیگی۔

بیگم۔ نہیں۔ دو گھنٹہ کو کہہ آئی تھی

خاندان صاحب۔ اور چار گھنٹہ ہو گئے۔ اس سے کہو۔ یہی حال ہے تو تم اپنے  
گھر بیٹھو۔

اسی وقت کسی نے اس مکر کے کنارہ والے در میں جھانکا

خاندان صاحب۔ یہ کون تھا۔

بیگم۔ کہاں۔

خاندان صاحب۔ ابھی کسی نے جھانکا۔

بیگم۔ دکرے باہر نکلے صحن کی طرف دیکھو ابا۔ تم ہو۔ میں قہار۔  
انتظار میں تھی۔

خاندان صاحب۔ (اپنی جگہ سے) کون ہے۔ وہی ہونگے جو اکثر ایسے ہی جھانکتے  
ہیں۔ تمہارے باتوئی کل کی کبھی۔

بیگم۔ وہی حسین خاں ہیں۔ میں دنا اسے کچھ باتیں کروں۔

خاندان صاحب۔ انتظار کرتی ہیں۔ کیوں۔

بیگم۔ تم سے ایک کام ہے۔ چلو اس مکرہ میں بیٹھیں۔

خاندان صاحب۔ بہت اچھا۔

اوستے بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا دو نو اس مکرہ میں چلے گئے دروازہ بند ہو گیا۔

حسین خاں۔ دروازہ کیوں بند کر لیا۔

بیگم۔ داسکے گلے میں باہیں ڈالکر اس طرح بیاں اٹھتان سے بیٹھیں گے  
کئی دن بیچھے ملے ہیں۔ اپنے دل کے حوصلے جی کہول کے نکالیں گے۔

حسین خاں۔ اور خافض صاحب کہیں نہ آجائیں۔

بیگم۔ نہیں وہ یہاں نہ آئیں گے اس وقت اپنے سرور میں ہیں۔ اور غزل  
کی زبان ہے یہ نہ بھی ہوتا تو کہی نہ آتے۔

حسین خاں۔ اچھا وہ کام بتاؤ۔

بیگم۔ بتاتی ہوں۔

حسین خاں۔ یا یہی کام تھا۔

بیگم۔ (مسکرائے) یہی سہی اس کے بعد وہ بھی بنا دینگے۔

حسین خاں۔ کہیں خافض صاحب سنتے ہوں۔

بیگم۔ نہیں وہ ایسے بدگمان نہیں ہیں۔ مجھ پر ابھر و سارے ہم گنہگار کیلئے

میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کچھ باتیں کرتے ہونگے۔ انہیں میرا بہت  
ہی اعتبار ہے۔

حسین خاں۔ اور تم اعتبار کے قابل ضرور ہو۔

بیگم۔ (مسکرائے) تم سے محبت کہ میں ایسی ہو گئی۔

حسین خاں۔ اچھا وہ بات تو کہو۔

بیگم۔ چپکے چپکے باتیں شروع کیں۔ دیر تک سرگوشی ہوتی رہی آخر میں حسین خاں  
کی زبان سے صرف یہ الفاظ کہنے سے۔ مگر انکے سامنے یہ اس ڈھنگ کے مخالفت

ہیں۔ اسی سے میں تم سے ہمیشہ کہتا ہوں انہیں۔ ....

ابن دو دنوں کو ایسی ہی باتیں کرتے رہے اور دیکھو۔ رات کے وقت نہ سکتے ہیں۔ سناٹا ب

صاف ہے۔ گرد و غبار یا ابر کا کہیں نام ہی نہیں خوب لگی ہوئی چاندنی ہر طرف

پھیلی ہے۔ ٹھنڈی ہوا دیکھی دیکھی دھیمی دھیمی چلتی ہے۔ اس سہانے موسم کے اثر سے

لوگوں کو ابھی سے تھپک تھپک کر سنانا شروع کر دیا ہے۔ لگیوں میں راہروں

کم ہوتے جاتے ہیں۔ دوکانوں پر خریدار دیکھی دیکھی نظر کرتے ہیں۔ بازار خریداروں

کی آوازوں کا رخ دیکھ کر دوکانداروں سے بھی دوکانیں بڑھانا شروع

کو دی ہیں۔ شہر میں سناٹا سا ہوتا جا آتا ہے۔ اس وقت آبادی سے ذرا دور۔ شہر کے کنارہ ایک قبرستان میں چند آدمیوں کے پائیس لگانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ انہیں بلکہ وہی مسلمان تیکس میں تین آدمی کچھ عجیب صورت اور وضع کے نظر آنے ہیں انہیں ایک عورت ہے جو شکل سے ڈائن یا دیوینی معلوم ہوتی ہے۔ وہ سر سے جسم کے زکریا مرثیہ پہننے کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے پاؤں تک سیاہ کل ہے چہا ہوا ہے۔ تیسرا دیو ہے یا دیو بیج۔

ڈائن کے دو بڑے بڑے سفید دانت بہت لائے۔ سرخ زبان کے دونوں طرف منہ سے نکلے ہوئے چاندنی میں جھک جھک کے ادھ چلے کاغذ میں جھکاریوں کے دھڑکنے کا سناں دکھارہے ہیں۔ لائے سیاہ بالوں کی موٹی ٹٹیں کچھ دونشانہ اور سنہ پر بڑی مٹی کا ہار بھی ہیں کچھ پیٹھ پر لہریں لیتی ہیں مانگ کے سینہ وری کی سیدھی لکیر کے مقابل ناک میں بہت بھدا سرخ شیشہ کا مللق اور دونوں طرف کانوں میں بڑی بڑی سفید بھلیاں لگنے میں بچوں کی کھوپڑیوں کا ہار۔ بھوڑوں کا سینہ وری۔ ماتھے کا مانگ بڑی بڑی آنکھوں میں خوب پھیلا ہوا کا حل۔ اونکی سرخی۔ پلکوں کا جلدی جلدی چلنا نتھنوں کا پھیرنا۔ سیاہ لباس خوب سرخ پونٹھوں کی جنبش۔ ان میں دانتوں کی چمک۔ پانٹھوں کے بڑے بڑے ناخن۔ چار زانو نشست۔ یہ سب چیزیں اس شکل کو بحد خوفناک دکھانے کے لئے کیا کم نہیں کہ زانو پر لیٹے ہوئے بچہ کے پیٹ پر بچوں کو لود بچہ کا نظارہ اس سے زیادہ ڈراؤنی بنانے کی کوشش میں ہے۔ بچہ اتنا بے خبر سو رہا ہے اور سامنے سیاہ کل سے چہا ہوا دیو جمن جمن سے حرکت سوچ رہا ہے داسنے پاؤں پر کوتاہ قامت۔ بڑا کٹر اس ہے۔ دیو کا چہرہ ویسا ہی ہے جیسا اپنے اکثر کاغذ کا بنا ہوا دیکھا ہوگا۔

ڈائن بچہ کو زور سے دیتی اس کے بیٹا میں ناخن چھو کر مچ مار کے دانت نکال کے کہتی ہے۔ میں تجھے کہا جاؤں گی۔ بچہ جاگ مارتھنا ہے وہ بیٹا ناک شکل بیکھر مچ مارتا آنکھیں بند کرتا اور ہلک ہلک کے روتا ہے وہ سیاہ جسم بہت پھرتی سے ڈائن پر جھٹا۔ بچہ کے جیس لینے کی کوشش کرتا ہے ڈائن اسے ڈانٹتے اٹھا کر بیل میں دبا لیتی ہے۔

ڈائن۔ بہت غصہ ہے میں! تو کون ہے میرا نثار مجھے چھینتا ہے۔  
سیاہ۔ دو ہی سیاہی ہم سب دیوؤں کے سردار ہیں۔ یہ بچا بھارا ہے  
ہم سے لیا نہیں گئے۔

ڈائن۔ کیسے سردار۔ کسکا بچہ۔ میں اسکا کھینچا ہی کیلئے لیتی ہوں۔  
سیاہ۔ تیری کیا مجال جو اسکا ایک رویا ہی میلا کر سکے۔

ڈائن۔ بہت اچھا۔

یہ لیکر اس نے بچہ کو ہر اپنے زانو پر اسی طرح ڈال لیا اور اپنا پنجرہ اس کے پیٹ پر لپک کر کہا۔  
تو میں اسکا پیٹ بھاڑتی ہوں یہ بھی دیکھتا ہے تم میرا کیا کرتے ہو۔ بچہ دانو پر چیت  
پٹا ہوتا تھا وہاں زور زور سے ہانا ناچنا سنا دیتا ہے منہ سے اور کچھ آواز نہیں  
نکلے خوف نے زبان بند کر دی ہے البتہ سیاہ جسم کی طرف مدد کرنے والی نظر سے  
حرور دیکھتا ہے۔ قریب تھا کہ بچہ روٹنے روٹے میمون ہو جائے اس سیاہ نے  
بہت زور سے ڈانٹ کر ڈائن سے کہا: تو اسے نہیں چھوڑنی؟

ڈائن۔ چھوڑوں گی تو تم کیا کرو گے۔

سیاہ۔ ہم تجھے ابھی بھاڑنا شروع کریں گے۔

ڈائن۔ تمہارے جلانے سے میں خاک ہو جاؤں گی کیسے جلاؤ گے ذرا  
دیکھوں تو سہی۔

سیاہ۔ ہمارا حکم تجھے جلا دینگا۔ بہت باتیں نہ بنا اسے جلدی چھوڑ دے نہیں  
وہ یونہی ترے خوف کے مرجائے گا۔ اور ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ یہ لیکر اس نے  
دور سے ایک دو تہڑ ڈائن کے سینہ پر مار کے کہا تم دونوں جل جاؤ خاک ہو جاؤ اور  
بچہ اس سے چین لیا۔ اس ضرب کے گھٹنے ہی ڈائن چھیننے لگی۔ ہلے جلی پائے  
میں جلی۔ بچہ برقعہ کر دیا۔ میری آگ بجھا دو۔ اپنا بچہ لیاؤ۔

دیو۔ (روتا ہوا) ہلے میں جلا۔ ہلے میں تمہارا تصور کیا تھا مجھے  
کیوں جلا لیا۔

سیاہ۔ تو اسکا رفیق ہے۔

دیو۔ بیشک۔

سیاہ - بہر اس عذاب میں بھی تجھے اسکا شریک ہونا چاہئے۔ دیکھ لو کل میں چھپاتے ہوئے میرے بچے میرے پیارے۔ تو یہاں چھپ جا۔ اب انکی صورت نظر نہ آئیگی۔ تجھے ان بے ایمانوں نے بہت ستایا۔ ستانا کیسا ہم متاڑتے تو یہ مردار تجھے ضرور کھا جائے۔

بکچہ - راوی طرح روئے اما جلدی سے گھر بھاگ چلو۔

سیاہ - ماں میں ہی میری ماں ہوں۔ ابھی ابھی چلتی ہوں۔ وزاران بے ایمانوں کے چلنے کا ناشاد کچھ لوں۔

ڈاکٹر اور دیو دو نور زور سے جھنجھیں مار تے زمین پر لوٹتے ہیں۔ بچاروتے روتے چپ ہو گیا ہے سیاہ جسم ان دونوں کے ترپنے کا ناشاد بکھتا ہے۔ اور یہاں سے فریب اسی قبرستان کے وسیع رقبہ کے اندر ہی ایک طرف چند درختوں کے کنبہ میں دو تین آدمی کچے کرتے ہیں۔ ایک تھکن۔ پسند بھی ہے۔

دوسرا - جلدی یہ معاملہ طے کرو۔ اور یہاں سے چلو۔

تیسرا - پسند ہے اور بہت پسند

چوتھا - پسند کیوں نہ ہوتا وہ ماں ہی ایسا ہے

وہی پہلا - بیشک۔ اب ہماری چیز ہم کو دو۔

تیسرا - دیکھو ہیں۔

دوسرا - کیوں اب کیا نال ہے۔

چوتھا - کچھ نہیں۔ یلو۔

پہلا - اس میں کوئی دھوکا تو نہیں ہے۔

دوسرا - اس میں کوئی ایسا دیا تو نہیں ہے۔

تیسرا - نہیں صاحب خوب جانو لو۔ چوتھا - گن لو پر کب لو۔

پہلا - اتنی فرصت کہاں۔

دوسرا - ہم تمہارے ایمان پر ہیں۔

پہلا - اس جی۔ اس میں کچھ ہی دھوکا تو ہم اتنے سمجھتے



تیسرا۔ بیشک

چوتھا۔ تم چلو جاتے ہو ہم تمہیں پہچانتے ہیں۔ دعا فریب کر کے جائینگے کہاں رہنا تو نہیں ہے۔ چہرہ کبھی نہ کبھی اسکی منزل پہنچنے کا موقع بھی آہی جائیگا۔ مگر میں تمہارے اس دردِ سرے کی طرف اشارہ (درفیق کو نہیں پہچانتا۔

پہلا۔ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ کلکتہ میں نوکر نہال ہی آیا ہے اب ہمیں ہنگام جان بھڑاسی کا نام ہے۔ تم نے سنا ہوگا۔

چوتھا۔ ہاں ہاں۔ بس اب پہچان لیا۔ لویہ سنبھالو۔

اُس نے کوئی چیز پہلے آدمی کو دی تار کی سیس کسی نے یہ نہیں دیکھا وہ کیا چیز تھی۔ اُسی پہلے آدمی نے اُسے اپنی چادر میں باندھ لیا۔ چوتھا۔ اب ہم چلتے ہیں۔

پہلا۔ جاؤ۔

چوتھا۔ تم بھی یہاں سے ابھی چلے جاؤ۔ یہ جگہ ہم لوگوں کا رہنا مشہور ہے پولیس والے روز اور ہر فردِ گشت کرتے ہیں۔

دوسرا۔ مگر ابھی گشت کا وقت نہیں ہے۔ بڑی دیر ہے۔

وہ چلے گئے اپنے جانے سے پہلے ڈائن دیو وغیرہ بھی سب یہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ ہم بھی بیگم صاحب اور خاں صاحب کے یہاں پہونچے۔ اس واقعہ کے بہت دیر بعد بلیک ۱۲ اچھے خاں صاحب اس کمرہ میں اپنی بلیک پر سو رہے ہیں۔ اس دوسرے کمرہ میں بیگم ایک چار بایاں پر بیٹھی ہے۔ خوش ہو کیلے دو جوان حسین خاں کا سراو سے لنگری ڈانڈ پر لٹکا ہے اور دوسری بان خاں کے پہلو پر ہے۔ دونوں چپکے چپکے باتیں ہو رہی ہیں۔

حسین خاں۔ وہ اب تک ویسے ہی غافل سو رہے ہیں۔

ہاں۔

حسین خاں۔ اب ہمیں کچھ بھی خبر نہیں۔

بلیک بھی ہوئی۔

حسین خاں۔ بلیک میں نہیں رہتے ہیں۔

بیگم - اس سے فرصت ہوتی ہے تو شاعری کے دہن میں رہتے ہیں۔  
 حسین خاں - سو اکلانے اور غرائے کے کس کام کے ہیں۔  
 اور کیا۔

بیگم - حسین خاں - نہیں جانو۔  
 حسین خاں - جو پہر کو تمہارے جانے کے بعد بہت بگڑتے تھے۔  
 بیگم - حسین خاں - کیوں کیا کچھ دیکھ سن لیا تھا۔  
 نہیں۔

بیگم - حسین خاں - پھر۔  
 بیگم - ان کی عادت ہے میں نے کسی سے کوئی بھی بات کی اور انہوں نے  
 کیا تم کو باتیں کرنے کا مرض ہے۔ یہی بکتے رہے نہ جانے ان سے باتیں  
 کیا کرتی ہو گھنٹوں فرصت نہیں ہوتی۔

بیگم - حسین خاں - بس یہی۔  
 اور نہ جلتے کیا کیا کہا۔  
 حسین خاں - وہ ہمارے آنے سے کھٹکتے ہیں۔ دل میں کچھ سمجھ گئے ہیں مگر  
 صاف صاف کہہ نہیں سکتے۔  
 بیگم - کہیں گے کیا۔ جو کچھ کہتے ہیں بھی کیا کم ہے۔ میں ان کی بہت برداشت  
 کرتی ہوں۔

بیگم - حسین خاں - ناخ۔  
 بیگم - ہماری بی بی اور میں سے میاؤں ہر وقت نیوریدے رہتے ہیں۔  
 کبھی سیدھی طرح بات نہیں کہتے۔  
 حسین خاں - آخر کیوں۔ ہماری کہاں ہی ہر غرائیں اتنی ایسی ہو کہ برداشت  
 کرتی ہو۔

بیگم - برداشت کیا خاک کرتی ہوں۔  
 حسین خاں - کیوں نہیں۔ اور کیوں نہ برداشت کرو۔ وہ تمہارے  
 مالک ہیں۔

بیگم - واہ - وہ کیوں ہوتے۔ میرا مالک۔ میرا یہ پیارا بے (گلے میں) باہیں ڈالیں  
میرا حق میں۔ میں سب دسی پر قربان ہے۔

حسین خاں - یہ سب زبانی بیخروج ہیں تمہارا دل انہیں کا ہے۔  
بیگم - تم اور یہ کہو۔

حسین خاں - اور کیا کہوں۔ جو کچھ دیکھوں گا وہی کہوں گا۔

بیگم - نہیں اپنے جان سے بھی پیارا جانتی ہوں۔

حسین خاں - میں میں یہ نہیں کہتا۔ مگر انہیں مجھے زیادہ جانتی ہو۔

بیگم - ذرا بھی نہیں صرف بناو ہے۔ تم یہ دیکھتے ہو وہ میرے کس کام کے

میں کہائے اور حکومت کے سوا اونٹے اور کیا ہوتا ہے۔ میرے مزاج کے بالکل خلاف

ہیں۔ میں جو بات جانتی ہوں وہ اس کے مخالف کرتے ہیں۔

حسین خاں - کیسے کچھ۔

بیگم - اس ڈھنگ کے بہت خلاف

حسین خاں - بہت

بیگم - ان سے کوئی کام نہیں ہوتا ہر ایک کام ان کی شان کے خلاف ہے

حسین خاں - مخالف ہیں نہ۔

بیگم - عمر میں تم سے بہت زیادہ ہیں۔ صورت بھی تم سے اچھی نہیں ہے۔ تم

ہر موقع پر میرے کام آتے ہو۔ میری کسی بات یا مرضی کے مخالف نہیں کرتے۔ میری

آزادی کے دشمن نہیں ہو۔ وہ ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں۔ ہیں! یہ کون تھا۔ کیوں

آتا تھا۔ اسیا کیوں اور نہیں ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں۔

حسین خاں - میں تمہاری محبت کا طالب ہوں۔ ان فضول باتوں سے مجھے مطلب

نہیں۔ وہی ہوں میں اسی میں جس میں تری رضا ہو۔

بیگم - تم ہی میرے دل کے مالک ہو۔

حسین خاں - وہ اس ڈھنگ کے بہت مخالف ہیں۔ اور تم نے اب یہ ارادہ کیا ہے

اب کیسی بد ہوئی۔

بیگم - وہ کیا کرتے گے۔

حسین خاں - کچھ نہیں روز جھگڑا ہوگا یہ بات دوڑ تک پہنچنے کی پہر نہیں سوچو  
کیا انجام ہوگا۔

بیگم - کچھ نہیں ہو۔ انجام اچھا ہی ہوگا۔

حسین خاں - میں نے تم کو دو پہر کو بھی سمجھایا تھا اس وقت بھی تم نے یہی کہنا  
تھیں۔

بیگم - اور کیا کہوں۔

حسین خاں - تم نے انکی اس مخالفت کو آسان سمجھ لیا ہے اس سے بڑی خرابیاں پڑیں گی  
ذرا سوچو تو کیا انجام ہوگا۔

بیگم - خوب سمجھ لیا ہے۔

حسین خاں - کیا خاک سمجھ لیا ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش تو کرتی ہی  
نہیں ہو۔

بیگم - یہ بھی ہو جائیگا۔

حسین خاں - اسکا وہاں رکھنا بہت مناسب ہوا۔  
بیشک

حسین خاں - نہیں اسوقت ایسے رخ ہوتی۔

بیگم - ہاں۔ اور پہر انکے سر فساد کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔

حسین خاں - جب تک یہ یہاں سے۔۔۔۔۔

بیگم - جلدی سے ہاں وہ وہیں۔۔۔۔۔

حسین خاں - اب اسوقت جائینگے۔

بیگم - کیا معلوم۔

حسین خاں - انیو نوں کو نیند بہت کم آتی ہے یہ تو خوب خرابی لیتے ہیں۔

بیگم - کہاں۔ کیا آواز آتی ہے۔

حسین خاں - نہیں۔ خوب غافل سو رہے ہیں۔

بیگم - روز نو ذیل بجے تک جاگتے تھے آج شام سے سو رہے ہیں اور شاید

صبح تک سوئیں گے۔ نین کیوں آئے بیگم یہ ہے۔ خوب ترال کھاتے ہیں۔ بیچارے

غریب افیونیوں کو غنیمت نہیں آتی غذائے ملنے کے سبب افیون کی خشکی ....  
**حسین خاں** سوئے ہی دو۔ جاگینگے تو تم کو جانا پڑے گا۔  
**بیکم** جگا ناگوں ہے۔ بوہ جب تک لمبی چاہے۔ بچہ سوئیں۔ ہماری عین خوشی ہے  
**حسین خاں** ہاں ہم دو نوں یہاں عیش کریں۔  
**بیکم** جاگ اٹھیں گے تو میں دزدادیر کے لئے چلی جاؤں گی۔  
**حسین خاں** سادو میں تنہا یہاں پڑا رہوں گا۔  
**بیکم** اکیلے کیسے ہو گے۔

**حسین خاں** تم چلی جاؤ گی تو تنہا نہیں رہوں گا۔  
**بیکم** (زور سے جھٹ کے) میرا دل تو یہیں ہو گا۔  
 خاں صاحب تمام رات وہاں بیچہ پڑے رہے۔ بیکم اُس کمرہ میں سوئی۔ صبح کے ۱۲ بجے سے پہلے حسین خاں یہاں سے چلا گیا تو بیکم خاں صاحب کے پاس پہنچی اُنکے پہلو میں لیٹ گئی اور دن چڑھتا تک سوئی رہی۔ پھر جاگی تو خاں صاحب کے جگسنے کی کوشش کی میاں تک کہ ماما سے ایک گلاس پانی منگا کے اُنکے منہ پر چھینٹے ہی دے دے مگر بیوہ وہ ایسے نہیں سوئے تھے کہ پھر جاگ اُٹھتے۔ بیکم کو اُن کے مزیکا لہیں ہو گیا تو دے روٹ بیٹھنے لگی ماما نے بھی اسکا ساتھ دیا یہ شور و غل سن کر محلہ والے بھی جمع ہو گئے۔ خاں صاحب کی ناگہانی موت کے سبب پر قیاس و دوڑانے لگے مگر کیسی سنجیدگی نہ آیا۔ بعض نے یہ بھی کہا انہیں کیسی کسی بات سے کوئی حد نہ ہو اچھ کھا کے سو رہے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ مر گئے۔ بیچارے اچھے تھے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

## ساتواں باب

تاج شہی ہے دست خوش انقلاب دہر  
 ناداں نہ ہو تو بھان مٹی کی کلاہ پر  
 ہمارے اس فلچپ فسانہ کے شروع ہونے کی تاریخ سے ایک برس پہلے ہمارے  
 بیدار مغز۔ ہر دل عزیز۔ ادلو العزم کے عہد کے تیسرے ہی سال بس اور کیا۔ کونسل کا دور ہے

نابالغی کے سبب حضور معلیٰ بظاہر با اختیار نہیں ہیں۔ اہل علم کے پشت پناہ۔ ہنرمندوں کے قدردان۔ فلاح رعایا کے خواہاں۔ فیضی سرکار کے رضا خواہ اپنے عالی دماغی کے سبب تمام امراء و دربار میں ممتاز عالیجناب سرکشن راؤ بابو صاحب جادون فیروز جنگ بہادر کے سی ایس آئی خود حضور معلیٰ کے نانا صاحب کونسل کے (مجلس) پریسیڈنٹ ہیں۔ انہیں کے زیر نظر حضور معلیٰ کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ زمانہ کے منتخب۔ مختلف علوم فنون کے کامل استاد ہر وقت اس غرض سے حضور میں حاضر رہتے ہیں ان سب استادوں کے سرگروہ فرزانہ عالم۔ یگانہ فاضل۔ جانشین صاحب بہادر حضور کے خاص استاد و تالیق ہیں۔ انہیں کی نگرانی میں حضور معلیٰ کو اور علوم و فنون کے علاوہ ایٹین ملکہ داری۔ سیاست۔ عدوت۔ فنون تہہ بندی و سپہداری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اتالیقوں کی ولی کوشش بھی ہے کہ اس نونہال میں سب اخلاق حمیدہ اور صفات شایانہ ضرور ہوں۔

جناب مہارانی صاحبہ اور ان کے والد ماجد سر فیروز جنگ بہادر پریسیڈنٹ کونسل اور شاہی خاندان کے تمام بزرگوں کو دیتا اپنے اس اکلوتے چیمبر فرزند کے فوز سے روشن نظر آتی ہے تو کیلاسن باش مہاراجہ صاحب کے شایانہ صفات نیک کی بدولت بہت گرویدہ رعایا کے غیر طلب دل اس سوہنار با اقبال نوجو فرماں روا کے دم قدم سے اپنی تمام بیہود کو واپستہ جان کر حضور والا کی عمر کے ایک ایک دن کو بہت لپیٹا اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے اور اپنی نوجو شیریار کے رنگ و ہنگ و شکل بہت خوش ہوتے ہیں جیسے جیسے حضور اپنی شایانہ نیک صفات سے ہر نعرہ پڑھنے کا ثبوت اس بچپن ہی میں دیتے جاتے ہیں ویسے ہی رعایا کے دل موجودہ فوٹشی اور آئندہ فرحت کے اثر سے بڑھ کر سینہ سے نکلتے اور حضور کے قدموں میں جا پڑنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جناب مہارانی صاحبہ اور دیگر بزرگان خاندان اس شیریار کو شفقت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتے اور حضور کے لئے دل سے دعا فرماتے ہیں۔ خدا انہیں مست آفتوں سے بچائے۔ اور رعایا کے دل میں ماحبی جگہ دے۔ یہ زمانہ ہے گری کا موسم۔ اور جناب سر فیروز جنگ بہادر کا باغ حضور والا اپنے نانا صاحب کے

یہاں مہمان ہیں جسب دستور آج بھی صبح کے چھ بجے سے عام دربار ہے۔ اور شاہ کے حضور میں ملکی۔ مالی۔ اور فوجی افسر مختلف صیغوں کے کچھ اہل کار اپنی ضروری گزارش عرض کرنے کو حاضر ہوئے ہیں ہر ایک گزارش کے متعلق بحث ہوئی ہے۔ پریسیڈنٹ صاحب اپنی نو عمر شہریار کا تجربہ بڑھانے کے لئے دستور طلب امور میں ان سے بھی رائے لیتے ہیں۔ عرض کرینوالے کے موافق دلیل کی تائید یا تردید اور اسکے مخالفین کے عذرات کے منظور یا منظور ہونے کے وجہ دریافت کرتے ہیں جس قدر سے کسی عمر اس وقت ہارڈ تیر سال کی ہے مگر اپنے رسا ذہن اور کامل فن اتالیقی کی نفسانیت کے سبب ہر ایک بات کا ایسا جواب دیتے ہیں سب انگامہ تکتے رہ جاتے ہیں اور دل ہی دل میں ان کے لئے وعارضہ کرتے ہیں۔ سب کو یہ بخوبی یقین ہے کہ چاہا یہ فرماں روا سہارے محل سے مہاراج کیلاش باسٹ کا رنج و غم بہت جلد دور کر دینگا۔ یہ اپنے وقت میں ان سے زیادہ رحمت اور ہرکت ہم سب کے لئے ثابت ہوگا۔

سب گزارش کرنے والے کے بعد دیگرے اپنا کام ختم کر کے چلے گئے۔ عام دربار ختم ہو گیا اب خاص دربار ہے۔ دو تین عالم نگاہ مشہور شاستری چند قدیم جاں نثار ٹھکڑا اہل کار صیغہ مال کے دو ایک افسر چند جنگ آزمودہ سواما فوجی عہدہ دار چم پرانے تجربہ کار حضور رس معزز حضرات حاضر ہیں۔ انہیں میں ایک بڑے نامور بہت معزز۔ سندھیہ سرکار کے قدیم جاں نثار ملک خوار باب کے دو ہونہار۔ قابل بیٹے۔ حکیم سید اصغر علی۔ حکیم سید محبت علی اور ایک ذی ہوش فاضل۔ پرانے جاں نثاروں کے کارناموں سے خوب آگاہ حافظ اکرم احمد خاں بھی حاضر ہیں۔ عالیجاہ سرکار کی شاہی حاذق طبیب اور خوش تدبیر وکیل دربار حکیم سید اکبر علی اپنی رسا عقل۔ علمی قابلیت۔ دیانت نیک نفسی اور اپنی قدروں آقا کی سچی وفادار جاں نثار رہنے کی بدولت خود سرکار کی نظر اور تمام رعایا کی نگاہوں میں بڑے معتمد اور ذی عزت ہے۔ ان کے یہ دو نوبٹے بھی اپنی موروثی عزت اور ذاتی قابلیت اور نیک صفات کی وجہ سے ویسے ہی معتمد اور مہاب پریسیڈنٹ صاحب کی خاص نظر کردہ ہیں اسی سے ایسے تحلیلہ کے درباروں میں اکثر حاضر رہتے ہیں۔

بہ کوئی باطنیاد دربار نہیں ہے اسی سے ہر شخص شایانہ آداب کے لحاظ کے ساتھ ایک مناسب جگہ پر شاہ و وزیر کی کرسیوں کے سامنے بیٹھا ہے۔ اتالیق صاحب بھی حاضر ہیں انکی تجویز سے باتوں ہی باتوں میں سیاست مدن کے ضروری اصول سمجھانے کے لئے حضور کے سامنے سزا پاشاہی گذشتہ ناموروں کے کارنامہ اگلے اولوالعزم سلطان اور ناموروں کی آرمیوں کے تذکرے۔ جاں نثار مخوار ان ریاست کے حالات ان کی جاں نثاریوں، مہاراجگان عہد کی قدر دانیوں کے مذکورہ بعض بدخواہوں کی بڑی بڑی خطاؤں کی معافی کے وجہ بعض تنک حراموں پر مناسب سخت گیری پونے کی ارشد ضروری اسباب بیان ہوتے ہیں۔ اسی حالت میں چوہدر عاقرہ کو حکیم سید صفیر علی سے جنہیں اس وقت خاص کے لئے عرض کی گئی تھی خدمت ہے۔ چیکے سے کچھ کہتا ہے۔ حکیم صاحب اس کے جواب میں اچھا کہہ دیتے ہیں۔ اور حضور میں یوں گذارین کرتے ہیں۔

وزارت بنہاہ کے حضور میں حضور کو معلوم ہوگا۔ کیلاش باسن مہاراجہ دولت ناؤ کے عہد دولت میں ایک شخص گوالیار کے شیخ زادوں میں سے فوج ظفر موج میں نوکرتھا۔

وزارت بنہاہ۔ نام۔

حکیم صاحب۔ علی کریم رسالدار بہادر۔

وزارت بنہاہ۔ ۱۰۔

حکیم صاحب۔ اس کے ساتھ اسکا ایک رشتہ دار حقداد خاں اوس کی مانتی میں جمعہ دار تھا۔

وزارت بنہاہ۔ تھا۔

حضور محلے۔ اس نمبر سے مطلب۔

حکیم صاحب۔ (دست بستہ) عرض کرنا ہوں۔ رسالدار و جمہدار دونوں نے۔ اکثر سرکوں میں اپنی تلوار کے جوہر خوب دکھائے۔ دونوں جاں نثار بڑے بہادر اور وفادار ثابت ہوئے۔

ایک مولوی صاحب۔ (دست بستہ) اس وقت فوج میں سلمان ایسے عہدوں پر تھے



اور انہوں نے ایسی ایسی کارگزاریاں بھی کی تھیں۔  
حضور معلّمؐ۔ تھے کیوں نہیں۔

مولو صاحب۔ تو ہمارا یہ دعوئے غلط نہیں ہے کہ ہمارے بزرگ بھی ریاست  
کے نامور بانیوں کے علوم کے سایہ میں ہمیشہ رہے اور انہوں نے بڑے بڑے  
معروف رہن بہت بھی خدمتیں کیں۔ خوب کارگزاریاں دکھائیں۔  
وزارت پناہ۔ اسکا مخالف کون ہے۔

مولوی صاحب۔ حضور۔ دو تین ہی دن ہوئے۔ انہیں مارا کین ریاست سے  
ایک سردار صاحب کے حضور میں ایسا ہی کچھ تذکرہ ہوا تھا۔  
حضور معلّمؐ۔ کیا مفضل کہو۔

کرم احمد خاں۔ میں بھی دیاں حاضر تھا۔ حکم پوچھتے مفضل عرض کر دیں۔  
حضور معلّمؐ۔ اچھا۔

خان۔ بڑے سرکار کی خوبیوں کا تذکرہ تھا۔  
وزارت پناہ۔ کیا۔

خان۔ سب ہی کہہ رہے تھے اُن میں جہاں بانگی سب صفیں تھیں وہ  
اپنی سب راہنما کو خواہ وہ کسی تہذیب اور قوم کی ہو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے  
تھے۔

وزارت پناہ۔ بیشک۔

حضور معلّمؐ۔ اور ہر ایک فرما کر اگوا ایسا ہی ہونا چاہیے۔

خان۔ انہیں باتوں میں حضور کی پیدائش اور تعلیم و تربیت کے حالات  
بھی بیان ہوئے تھے۔

حضور معلّمؐ۔ کیا۔

خان۔ یہی کہ گیتا میں باشی مہاراجہ صاحب کے سامنے حضور کی تعلیم اور تربیت  
جی طرح سے شروع ہوئی اور بانگ کس طریق سے ہوئی ہے۔ انہیں باتوں میں  
میں نے یہی کہا دادا صاحب کھرے شیر خاں صاحب کے عہد وزارت و برسریدہائی  
میں حضور کی خدمت میں حاضر رہنے کے لئے تعلیم مرزا علی گڑھ میں ریاست کی اطلاع سے

چند لوگ منتخب کئے گئے ان کا انتخاب اس طور سے ہوا۔

حضور۔ کیونکر۔

حالت۔ خود پریسٹنٹ صاحب کی لاس باس نے سرور صاحبان کے تانے بچانے  
سب سے نام لکھے اور ان لوگوں کو ٹھاکر ملاحظہ کیا ان کے عقل شعور۔ شائستگی۔ اور  
تندرستی کو جانچا۔

وزارت پناہ و شفقت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے حضور قصہ سننے ہیں۔

حضور۔ یہ مولوی صاحب قصہ خواں اچھے ہو سکتے ہیں۔

وزارت پناہ۔ درست۔ مگر حضور والا حکیم صغر علی و حکیم حسبت علی حضور کو تاریخی حالات  
خوب سنا سکتے ہیں گوشتہ ناموروں کے حالات سے اچھا سابقہ رکھتے ہیں۔ حضور  
مہوئے فتوں سے اکثر بڑے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پرانے قصہ گو لکیر کے  
فیر ہیں۔ دمانہ بدل گیا۔ لڑائی کا ڈھنگ نہیں بدلا۔ وہی رائج وہی جنگ۔ وہی  
رزم وہی بزم وہی سوز و گداز وہی لاش و فشاں جادو گرؤں کی لڑائیاں۔ دیو و دی  
زور آزمائیاں۔ سحر کی نیرنگیاں۔ رد سحر کے اثر کے حیرت فرمایاں سب سامان وہی  
قدیم ہے۔ اکثر نو عمر نا تجربہ کار سننے والے کو ایسے قصوں سے بُرے اخلاق کی  
تعلیم ہوتی ہے۔

حضور معلیٰ۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ قصہ کہا کریں۔

وزیر صاحب۔ نہیں۔ اور عذر نہ کرے۔ میں نے یونہی تذکرہ یہ کہہ دیا حضور کے لئے  
تاریخی حالات بہت بہتر قصے ہیں۔ اور کسی قصہ کو جی چاہے تو نئے ڈھنگ کے  
قصے جنہیں ناول کہتے ہیں دیکھنے کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان میں بیہودہ مضامین نہ ہوں  
یہ قصہ اکثر طرز معاشرت اور اخلاق کی درستی کے غرض سے مفید مضامین پر مشتمل  
پیرایہ میں لکھے جاتے ہیں۔ فصاحت قصہ کے ضمن میں ہوتی ہے اس سے زیادہ  
موثر و مستحسن ہے۔ بعض تاریخی حالات پر بھی لکھے جاتے ہیں۔ ان کے واقعات  
اور مضامین سب تاریخی ہوں تاہم ایسے ہوتے ہیں جو روز مرہ انسان کی زندگی میں  
پیش آتے ہیں۔ ان میں کسی چیز کی تعریف اور برائی ہی اسی حد تک اسی طرح یہ لکھائی  
ہے جو واقفیت سے دور نہ ہو۔ ان میں زبان کی روشنی کا خیال ہی کیا جاتا ہے۔

ایسی زبان میں اس طرز پر لکھی جاتی ہیں جو تندی سے دور ہو بناوٹ سے الگ ہو  
مولوی صاحب (دست بستہ) درست۔ مگر بادشاہوں کے حضور میں قصہ خوانی  
غزور ہوتی تھی۔

وڈیر صاحب۔ بیشک

مولوی صاحب۔ ایسے لغو کام کو ایسے منہیں۔ ذی علم۔ عقلمند حضرات نے کیوں  
گوارا فرمایا۔

وڈیر صاحب۔ سلاطین اور ہمارا جگان کے حضور میں انکی طرح دنیا کے قصیدہ  
اور گیت پڑھی جاتی تھیں۔ سواری کے ساتھ نقیب اور بھارتی لڑائی اور دشت  
کرتے تھے۔ میدان جنگ میں کیا لٹوٹا باندھتے تھے۔

مولوی صاحب۔ درست۔

وڈیر صاحب۔ سب باتیں ان لوگوں کو عمدہ سبق دینے کے لئے اختیار کی گئی  
نہیں۔ قصیدہ و نثر اور گیتوں کا پڑھنا شروع میں صرف اس لئے پھرنے ہوا تھا  
ان میں موجودہ بادشاہ یا مہاراجہ کے اگلے بزرگوں کی سچی تعریف ہوگی۔ ان کی  
چراغوں کے دلوں میں تھا۔ ان کے خیالات علم و ادب کے نسبت جیسے تھے  
ان کے مزاج میں بھی استقلال تھا۔ انکی کمیتیں جیسی بلند تھیں عزم جیسے محکم تھے۔ ان  
خوبیوں سے ان کے زندگی میں انہیں جو فائدہ پہونچے۔ ان کے بعد ان کا نام رنگ  
جیسا کہ مشہور ہوا اور ایسے ہی باتیں بیان ہو گئی۔ یہ نظم تاریخی حالات سننے والے  
نسل کے دایرہ دیدہ اثر کر رہے تھے۔ کہانیت کی کہانیں بھی ایسی ہی مضامین کی تھیں  
نہیں جتنے بنیادوں کی رنگ عینت جویش میں آتی تھی۔ اس زمانہ میں فرح کے  
سردار اکثر عورتوں کی ملک و قار قدیم میں آثار۔ معبر اور کھیتی شہر قادیان و ماوراء  
سینہ ہوتے تھے جس دولت کے وہ دارم ہوئے تھے اسی کی جاں تقادی میں  
انکی کشتیاں گر چکی ہوئی تھیں اور آئندہ نسل ہی اسی دور بار کے رنگ قرار  
ہونے پر غم کر رہی تھی۔ ایسے سرداروں کو بتایا دلائے انکی  
جنت کو رہنے والی فرعون سے میدان خراب برہمنوں کے اشرار یا کہ  
جاتے تھے جن میں ہوتے بزرگوں کے دل سے کاموں کا بچاؤ کرنا ہوتا تھا۔ قصہ

عوان کی اہلیت بھی یہی ہے۔ ابتدا پر صرف تاریخی حالات اس غرض سے سنائے جاتے تھے کہ اسے عہدہ سبق حاصل ہو۔ مگر رفتہ رفتہ خود پسند خود میں طبیعتوں نے اس اہل غرض کو کہو دیا۔ قصہ غرض جھوٹے بیان ہونے لگے وہ بھی صرف اس غرض سے کہ کھٹے والے کو نیند جلدی سے آجائے۔ لڑکوں میں خود اپنی تعریف ہونے لگی سوار یوں کے ساتھ تعقیب اور کیشروں نے جو ہٹی تعریفیں بیہودہ خوشامیاد سے پل باندھ دے لڑ باری شاعروں اور کیشروں نے مدوح فرمانروا کو بڑھاتے بڑھاتے خدا سے بھی دو زینہ ادب چاکر دیا۔ اس عمل نے برا اثر کیا ملک اور قوم کی یہ حالت ہو گئی ہے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں۔ قوم میں خود بینی بیہودہ شغی۔ بزرگوں کے حالات پر بیہودہ فکر کے اسی کو انہی عظمت کے لئے کافی سمجھنا ایسے ہی بہت سے عیب پیدا ہو گئے ان علیوں نے اسے کمال بتا دیا۔ اور کالی کا نتیجہ یہ ہوا۔

**حضور معلیٰ۔ بیشک**

مولو صاحب۔ درست (سرکار سے درست نسبت) حضور وہ گواہی رہ گئی۔ حضور معلیٰ ہاں۔

مولو صاحب۔ ان صاحبزادوں کی انتخاب کا تذکرہ ہوا تو میں نے کہا۔ گاریاری صاحب سے (دیوان) صرف ہندو مغزین کے لڑکوں کا انتخاب کیا یہ اچھا نہ کیا۔ حضور معلیٰ۔ کیوں۔

مولو صاحب۔ حضور عالی غور فرمائیں ہندو مسلمان۔ دونوں حضور کی رعایا ہیں حضور کی شانہ و شوہر اور شفقت کے سب مستحق ہیں حضور کے بزرگوں نے کبھی ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی۔ کسی کو ترجیح نہیں دی۔ سب کے حقوق برابر رکھے۔ خود کیا سب باسن مبارک اور صاحب کے عہد دولت میں بہت سے مسلمان مغربین میں داخل تھے۔ وہ علم ہنر کے قدر کرتے تھے آدمی کے جوہر شناس تھے کسی مذہب سے انہیں سروکار نہ تھا حضور دہلا کے عہد دولت میں اب تک یہی بات ہر گز آئندہ ہی انشاء اللہ یہی عمل درآمد رہے گا۔ پھر دیوان صاحب مروجہ نے کیوں ایک فرقہ کو ترجیح دی۔ دوسرے کی حق تلفی کی کیا حضور کا تعجب حال کرنے کی عورت کے

معتق باجی اولاد نہ تھی۔ میری سیاست پر سردار صاحب خاموش ہو گئے مگر ان کے دیوان صاحب نے بہت ترش ہو کر کہا اس سیاست میں مسلمانوں کا کیا حق ہے۔ میں نے بھی کہا بہت کچھ ہے۔ بائیاں دیار سیاست کے زیرِ علم ہمارے بزرگ ہی تھے انہوں نے ہی فتوحات میں بہت جالکاہی کی ہے۔ بڑے بڑے مورخوں میں کام دل ہے۔

شاستری صاحب آپ کے بزرگوں سے تھے۔

مولوی صاحب۔ خاص میرے دادا پر داد ملے نا سہی۔ اور مسلمانوں کے بزرگوں نے تو فرور انہی خدمتیں کی ہیں۔ وہ برابر شروع سے قلعہ ہمارا جنگوں کے زیرِ علم ہے ہیں۔ پھر ہر ایک مسلمان کو بھی کہنے کا حق ہے جو میں نے کہا۔

شاستری صاحب۔ مگر اس دعوے کا ثبوت۔

وزیر صاحب۔ اور حضور معلّم نے مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور مولوی صاحب نے ان کو رحمہ احمداں کی طرف۔

خالصا صاحب۔ اجاب شاستری صاحب۔ جن عاں پہیلیا۔ بابو خالصا صاحب۔ مولوی خالصا صاحب کے مورث کون تھے۔

شاستری۔ مسلمان تھے۔

خالصا صاحب۔ وہ سب اس ریاست میں کب آئے۔

شاستری۔ میں ان کے حالات سے واقف نہیں ہوں۔

مولوی۔ آپ یہ فرور جانتے ہیں۔ یہ سب صاحب جاگیر داد میں۔

شاستری۔ جی ہاں۔

خالصا صاحب۔ یہ جاگیریں انکو کب اور کیوں ملیں۔

شاستری۔ کیا معلوم۔

خالصا صاحب۔ تو یہی بتا دیجئے خود انکی ملحقہ ہیں۔

شاستری۔ ان کے مورث کون۔

خالصا صاحب۔ کس وقت کے صدارت میں۔

شاستری۔ مجھے نہیں معلوم۔

خالص صاحب۔ انوس۔

شاستری۔ میں! کیوں۔

خالص صاحب۔ آپ کی معلومات کا یہ حال ہے۔

مولوی۔ اور مسلمانوں پر بھلا اعتراضوں کے بوجھار کی یہ کیفیت ہے۔

شاستری۔ میں نے تو ایک مدت تک یہی سمجھا۔

حضور معلے۔ ایسی بات کہیں کہے ہو کہ نہ سمجھ سکتے۔

وزارت بنیاد۔ شاستری کیا اپنے فرمانروا کے حضور میں کوئی بات غلط واقعہ کہتا

بجائے نہیں ہے۔

شاستری۔ ہے۔

وزارت بنیاد۔ یہاں ایسی بات کیوں کہی گئی۔

حضور معلے۔ اور جب اسکا ثبوت مانگا گیا تو ہر سوالی کے جواب میں صرف یہی

ہیں معلوم کہہ کے اپنا بوجھ بھارتا چلا آتا ہے۔ احتیاط کہو ایسی بات کہیں عرض نہ کرو۔

خالص صاحب۔ ان مسلمانوں کی تاریخی حالات حضور خود بدولت و اقبال پر اور عقاب عالی

پر بخوبی ظاہر ہیں۔ اندکین یہ بات بھی سب انصاف آگاہ ہیں انہیں جہاں نشانہ ان

بارگاہ شاہی پر نشانہ رحمت کی خاص نظر ہونے کے سبب اب تک یہ دستور اس دربار

میں ہے ہولی دوسرہ ایسے ایسے بڑے بڑے ہندو دیوتاؤں کی طرح عید تقریب

کا دربار بھی ہمارا ہنگام عالی شان منعقد فرماتے ہیں اس میں اسٹیشن ٹکڑا رکھ کر حاضر ہوتے

ہیں ان کی نذر بچھا اور قبول کیا جاتی ہے۔ اس دربار نے ہمیشہ دونوں قوموں کو ایک

ایک ہی نظر سے دیکھا اس لیے دونوں پر ایک کام میں متفق رہے اور اس۔ انشاء اللہ

آئندہ بھی یہی حالت رہے گی۔ عادل۔ بیدار مغز۔ رعایا کی فلاح جو ملک کی ہی خواہ اپنے

فرائض حکمرانی سے آگاہ شہر میں ضروری صفت ہوتا چاہئے۔ تو اس عالیجاہی دربار

میں تو ہم سے اب تک ہے۔ ہمارے شہر یا رحمت ملک ان دونوں قوموں کو ایک ہی

نظر سے دیکھیں گے ان میں باہمی رشک رقابت پیدا ہونے کا جو نہ متفق رہیں گے

جب تک یہ اتفاق رہے گا سرکاری تمام کام بہت خوبی سے انجام پائیں گے۔ اور تمام

رعایا بہت امن آرام سے رہے گی خوب ترقی کرے گی۔

ہر سلطنت اور ہر ملک کی ترقی اور بہتری کی بڑھ چھٹہ اراکین اور رعایا کا باہمی اتفاق ہی قطع کرتا ہے اور یہ اتفاق باہمی خود شہر یار عہدی بجا رعایت سے پیدا ہوتا ہے جو کسی ایک خاص شخص یا خاص قوم کو بغیر مزاح حق حاصل ہونے کی بڑھ چھٹہ سے جدا کر کے یہاں اب تک دو لوگوں کے برابر اور متفق ہیں مسلمانوں پر اس دربار کی نوادر میں اس حد تک ہیں کہ اس موقع پر جو ابھی گزار سن کیا گیا۔ ان کی جو حق تلفی کی گئی۔ انہیں اس کی طرف اپنے خیال کو رجوع کرنا بھی کفران نعمت معلوم ہوا اسی سے انہوں نے اب تک اپنی اس حق کی بابت کبھی کوئی گزارش نہیں کی۔ خدا انہیں ہمیشہ ایسا ہی وفادار و ناسخ العقیدہ رہے۔ اور ہمارے شہر یار کو ہمیشہ اپنا خدیمانہ و محنت فرماتے کی توفیق فرم دے۔

وزیر صاحب۔ اس انتخاب کے بعد کوئی موقع نہ رہا تھا تاہم کسی وقت ہم سے کہا جاتا تو ہم ضرور سرکار سے انہیں ان کا حق دلانے کی کوشش کرتے۔ بیشک ایک نامناسب بات تھی۔ جو نہیں معلوم کیوں اٹھنے ہوئی۔ رہا است کے خدیم مغز ٹکھوار مسلمانوں کی اولاد سے ضرور اس خدمت کے لئے اچھے معقب۔ لڑکے مل سکتے تھے مگر۔۔۔ غیر گذشتہ روضۃ آئینہ یاد۔

مولو صاحب۔ دوست بہتہ ہم قدر ٹکھواروں کو اس کی کچھ شکایت نہیں ہے۔ وہاں تذکرۃ بیات میری زبان سے نکل گئی تھی۔

وزیر صاحب۔ دھیمہ صفر علی سے، تم علی کریم رسالدار کے نسبت کچھ کہتے تھے۔

حکیم صاحب۔ جناب عالی۔ اب جو ادسن کرنا ہوں۔ علی کریم رسالدار بہادر کو جہاں شاربو کے صلیب جاگیر عطا ہونے کی تجویز پیش ہوئی۔ اس سادہ مزاج سپاہی نے یہ حذر کیا میں زمینداری کے جھگڑوں سے بہت بیزار ہوں۔ سرکار جاگیر رحمت فرمائی تو مجھے اسکا انتظام کرنا پڑے گا۔ اچھی خاصہ جان کا مشرب بڑھ جائیگی اس سے بھی بہتر ہے سرکار مجھے جو کچھ رعایت فرماتے ہیں کسی اور مستحق کو بخش دیں جو اس کام کو کر سکے۔ سرکار نے ان کا عذر منظور فرمایا۔ اور جاگیر کے عوض جو بیس سو روپیہ سال ملاوہ معمولی تنخواہ کے منسلک بعد نسلانے کا حکم دیا۔ اس طرح حقداروں کو بارہ سو روپیہ

سال ملنے کا حکم ہوا۔ علی کریم کے بعد اذن کا بیٹا اس خدمت پر مامور ہوا۔ اور عقدا دغا کے ترکہ میں انکے داماد کو وہی چھوٹا علی یہ دو نو وارث اپنے مورثوں کے وظیفہ بھی پاتے رہے۔ علی کریم کے بیٹے علی احمد اور عقدا دغا کے داماد شہزاد دغا نے بھی اپنی خوب چلتی ہوئی تلوار کے ذریعہ سے خوب نام پیدا کیا۔ اپنی کاخ و ملک فوج کے ملازم رہے۔ علی احمد کے بعد آؤنگٹا بیٹا علی سجاد اور سجاد کے بیٹا انکے سانچے ہی فوج میں کوئی عہدہ یا چکا تھا۔ شہزاد دغا کی اس سانچہ کسی اور کو ملی انکا بیٹا انگریزوں سرکار میں اہل قلم کے زمرہ میں خود شہزاد دغا کی زندگی میں ملازم ہو گیا تھا۔ مگر علی سجاد کی طرح اپنا موروثی وظیفہ وہ بھی باتا رہا۔ علی کریم اور عقدا دغا بہت معزز خاندان سے تھے انکے بزرگ سرکار شاہی کے قدیم مکتوٰر اور جاگیر دار تھے کسی سبب سے ولی سے چلے۔

اس دربار کی قدر دانی کا شہرہ نیک بیاں پہونچے۔ اور گوالیاری ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہیں مکان بنالیا یہیں شادیاں کیں۔ یہیں کے ہو گئے۔ جب سے اس خاندان کی بود و باش یہیں ہے۔

وزیر صاحب۔ اور علی سجاد اب تک زندہ ہے وظیفہ پاتا ہے۔ شہزاد دغا کا بیٹا مظفر خاں مر گیا۔ اس کے ایک بڑی بیوی ہوئی اور ایک بڑی بیوی کی پرورش لئی اور وظیفہ پاتی ہے۔

حکیم صاحب۔ درست۔ مظفر خاں کے تمام ترکہ کے مالک وہی بڑی ہے۔ مظفر خاں نے مرنے وقت اپنی بڑی کا ولی سرپرست علی سجاد کو قرار دیا تھا۔ وزارت بیتاہ۔ ہاں اس کے بعض مقدمات کو نسل تک آئے تھے ان میں بھی علی سجاد ہی بیروکار تھا۔

حکیم صاحب۔ حضور۔ اب تک علی سجاد ہی مظفر خاں کی بیویہ اور بڑی کی قبر گیری اپنے کنبہ کی طرح کرتا ہے۔ وزارت بیتاہ۔ علی سجاد کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ حکیم صاحب۔ شاید ایک بچہ ہے۔

وزارت بیتاہ۔ مظفر خاں علی سجاد کا۔۔۔۔۔ حکیم صاحب۔ جی ہاں دور کے رشتہ سے یہاں ہوتا تھا اب علی سجاد چاہتا



اور حضور والا سے یہ عرض کرنا چاہتا ہے۔

وزارت پناہ کیا۔

حضور معلّم نے کیا پیشن اب نہیں ملتی۔ یاد دیر سے ملتی ہے۔

وزارت پناہ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ضرور ملتی ہوگی۔ وہ پیشن نہیں معافی نقدی ہے۔

حضور معلّم نے۔ اور قدیمی ہے۔ کوئی مقصور ہی نہیں ہوا۔ ہم بند ہو جانے کی وجہ۔

حکیم صاحب۔ معافی باجواری ملتی ہے۔

وزارت پناہ۔ بھر۔

حکیم صاحب۔ کسی اور معاملہ میں کچھ گزار سن کر نا ہو گا مجھے تذکرہ ایک بار خود کہا گیا تھا میں حاضر ہوں گا مجھے کچھ عرض کرنا ہے اس وقت چوہدار نے اپنے آئے کی اطلاع کی تو یہ کہا کہ وہ جناب عالی اور حضور والا سے کچھ گزارش کرنا چاہتے ہیں۔

وزارت پناہ نے اپنے دو عمر شیر یاری کی طرف دیکھا۔

حضور والا۔ (دو وزیر صاحب کی نگاہ سے انکا مشاغل سمجھ کر حکم دیا) بلا لیجئے۔

وزارت پناہ۔ (حکیم صاحب سے) اچھا۔ بلاؤ۔

حکیم صاحب۔ (چوہدار کی طرف دیکھ کر اشارہ سے)

چوہدار۔ حضور انکے ساتھ ایک شاہ صاحب بھی ہیں۔

حضور والا۔ وہ بھی اجازت چاہتے ہیں۔

چوہدار۔ (دست بستہ غریب پرور۔

حضور والا۔ اچھا۔

چوہدار انہیں بلا لایا معمولی آداب دنیا کے بعد جو عالی جاہی دربار میں حاضر

ہوتے والے پر فرض ہے) دو نو حضور کے سامنے مودب کھڑے ہوئے حضور

نے اس خیال سے کہ ایک قدیم نمک خوار فوجی فسر ہے دوسرا تارک الدنیا فقرت

جملی سب دنیا دار عظمت کرتے ہیں دو نو کو پیشینہ کی اجازت دی۔ (اس شاہانہ عطا

کاشکریہ معمولی درباری طور سے دونوں نے ادا کیا اور بیٹھ گئے۔ علی سجاد نے دعا فرمائی کہ بعد دست بستہ یہ گزارین شروع کی۔

علی سجاد۔ (دست بستہ حضور والا اور جناب علی پر بخوبی روشنی ہے میں اس سرکار عظمیٰ کو ابد قرار کا موردی نیک خواہ اور قدیمی جاں نثار ہوں۔  
حضور والا نے حکیم اصغر علی کو علی سجاد کی معمولی باتوں کا جواب دیتے کا حکم ارشاد فرمایا۔

حکیم صاحب۔ حضور خود بدولت و اقبال آپ کے سب حالات سے بخوبی واقف ہیں۔

علی سجاد۔ میرے بزرگوں نے حق نیک سے ادا ہونے کے لئے جو خدمات کیں ان کے صلہ میں بعض منظر قدروانی و فیصلہ سالی گذشتہ فرمانروایان عہد کے خسروانہ تراجم افرسے انہیں جاگیر عطا ہوئی خطابات ملے۔

حکیم صاحب۔ بیشک یہ انعامات صرف قدر افزائی ہی تھے۔ ورنہ وہ لوگ نیکوکار تھے اور متعلقہ خدمات انہیں نیکوکار کا فرض ہے آپ کے بزرگوں نے ان خسروانہ عنایات کی بہت قدر کی اور ان کا شکر یہ اچھی طرح ادا کیا تا وہ ہم گدائی جان سے سرکاری خدمات پر قادر ہونے کو مستعد رہے۔

علی سجاد۔ یہی سہارا فرض تھا۔

حکیم صاحب۔ بیشک۔

علی سجاد۔ میں نے ہی بذات خود ایک خدمت کی۔

حکیم صاحب۔ حضور والا پر اچھی طرح روشنی ہے۔

علی سجاد۔ چار پانچ برس ہوئے ایک باغی سرخشاہ کے مقابلہ میں میرا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا میں نے خدمت سے سبکدوش ہونے کی درخواست کی۔

حکیم صاحب۔ آپ کے بچہ اہلار سے عیود ہو کر سرکار نے درخواست منظور کی۔ یہ نظر قدر دانی پوری تنخواہ کی پیشینہ عطا فرمائی۔

علی سجاد۔ درست میں اس سرکار کا قدیمی خاندانہ زاد ہوں۔ میری جان مال عزت و شرف سب اس سرکار کی دی ہوئی ہے۔ میرا فرض ہے۔ میری زندگی کی حالات

میں جو تغیر ہو اُسے اپنے شہر یاہ کے حضور میں گوارش کروں۔

حکیم صاحب۔ بیشک۔

علیٰ سجاد۔ میں اب تک دنیا میں بہت عزت و ابرو سے رہا۔ یہ ابرو سرکار ہی کی بخشی ہوئی تھی۔ میں نے اب تک بہت عیش کیا یہ عیش انہیں قدموں کی ہر وقت تباہ ہوا آخری وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں جس طرح دنیا میں عیش آ۔ ام سے انیک گزری اسی طرح عاقبت بخر ہو۔ اب نیچے ابن سیاہ کاریوں کی تلافی کرنا چاہیے۔ جن میں ایک میں دنیا دار ہونے کے سبب مبتلا رہا حضور والا۔ اگلے بزرگوں سے انسان کی عمر کے تین حصے تین کاموں کے واسطے الگ الگ کر دئے۔ پہلا حصہ علوم فنون کی تحصیل کے لئے دوسرا دنیا داری کے جھگڑوں میں بسر کرنے کو تیسرا تمام زمانہ عمر کے اعمال کی تلافی کرنے کی غرض سے اس اعلیٰ ترین ہستی کی یاد کے واسطے مخصوص کیا تھا جو تمام دنیا کا مالک ہے۔

حکیم صاحب۔ درست۔ مگر اس تہذیب سے طلب۔

علیٰ سجاد۔ عرض کرنا ہوں۔ میں نے انہیں بزرگوں کی تقلید سے اپنی زندگی بوجہ عمر ہی میں انہیں تین حصوں پر تقسیم کیا۔ اور یہ تقلید میں نے ایک وجہ خاص سے کی ہے حضور کو معلوم ہو جائیگی۔

حضور والا۔ کیونکر۔

علیٰ سجاد۔ میرے اس وصیت نامہ سے جو میں اس وقت پیش کرنے کے لئے حضور میں لایا ہوں اب تک میری زندگی کے دو حصے اس تقسیم کے موافق گزر گئے اور باقیال زندگان عالمی اچھی طرح گزرے۔ پہلے حصہ عمر میں اسے کچھ علوم دینی و دنیاوی اور فنون سپہگرمی سیکھے دوسرے حصہ میں دنیا داری کا طوطا اٹھایا اپنے آقا ولی نعمت کی خدمت کی تابعدار حصہ باقی ہے۔

حکیم صاحب۔ رہا اگلے حضور، اب کی عمر ابھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہوئی۔ آپ بالکل بڑھے نہیں ہوئے ہیں۔

علیٰ سجاد۔ درست۔ مگر میں دو کام اپنی عمر کے دونوں حصوں کے متعلق کر چکا ہوں۔

حکیم صاحب۔ یہ کیسی دنیا داری کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی بالکل ضعیف ہو جائے۔ اسی آپ ہر ایک کا رہ بار کے لائق ہیں۔

علی اسحاق۔ جی ہاں۔ مگر میرے نزدیک دنیا داری اس وقت ختم ہوتی ہے جب نوجوان پن میں ہی اس وقت سے میری عمر کا تیسرا حصہ شروع ہو گیا تھا میں نے اس کا بہت غفلت کی اس حصہ عمر کو بھی دنیا داری ہی میں ضائع کیا۔ اب جو کاموں کو بہرہ دہی طرح سوچنا۔ قرین عقل نہیں ہے۔ شاید میری باقی عمر اسی غفلت میں گزر جائے۔ میں اسی حالت میں جاؤں اور بد عہدی کا مواخذہ کیسے کیا جائے۔ حکیم صاحب آپ کے کوئی رہ کار لایا ہے۔

علی اسحاق۔ ایک رہ کار ہے۔

حکیم صاحب۔ اس کی عمر۔

علی اسحاق۔ سمت ۳۴ م ۱۹ اور ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوا ہے۔ اب سمت ۱۹۴۷

اور ۱۹۶۷ء میں سات برس کی عمر ہے۔

حکیم صاحب۔ تو کم از کم آپ کو اس کی شادی تک دنیا داری رہتا چاہیے۔

علی اسحاق۔ جو اس زمانہ میں موت آگئی۔

حکیم صاحب۔ خدا نہ کرے۔

علی اسحاق۔ زندگی بے اعتبار ہے موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں پھر میں کس اعتبار پر اس وقت کو فنا کر دوں۔

حکیم صاحب۔ ترک دنیا کر کے آپ میں کسی وجہ نیچھے کا۔۔۔۔۔

علی اسحاق۔ یہاں رہا تو دنیا کو چھوڑا ہی کیا۔

حکیم صاحب۔ کیوں۔

علی اسحاق۔ یہ میرا وطن ہے۔ یہاں میرا سب کچھ ہے سیکڑوں دوست ہیں انہیں

رہ کر اس لئے بالکل بے واسطہ بے تعلق رہنا بہت مشکل ہے۔

حکیم صاحب۔ کہاں کا ارادہ ہے۔

علی اسحاق۔ جہاں خدا لہجائے۔

حکیم صاحب۔ آپ کس کے مرید ہیں۔

علی سجاد - شاہ صاحب کی طرف اشارہ) ان کا غلام ہیں۔  
 حکیم صاحب - آپ شاید میان بہیت شاہ صاحب کے خاندان سے ہیں  
 وہ بڑے اچھے فقیہ تھے۔ شاید آپ کا اسم مبارک رفعت شاہ ہے۔  
 شاہ صاحب - ہاں بابا۔ میں اسی خاندان کا غلام ہوں۔  
 علی سجاد - میں نے ترک دنیا کا ارادہ مصمم کر لیا تو جناب شاہ صاحب کو  
 اطلاع دی کل آپ شریف لائے میں اس وقت حضور میں حاضر ہوا۔ میں اس  
 بارگاہ کا مولوی خانہ زاد ہوں۔ مجھے اس کا رخصتی باہت حضور والا سے گزارش  
 کرنا اور اجازت لینا بہت ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اس حاضری سے ایک  
 ایک اور خاص غرض بھی ہے۔  
 حکیم صاحب - آپ کا لڑکا بہت کم سن ہے۔ آپ اس کو اس عمر میں کیوں چھوڑتے  
 ہیں۔ اس کی پرورش اور تعلیم کیسے ہوگی۔  
 علی سجاد - اسی کے متعلق کچھ عرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔  
 حکیم صاحب - کیا۔  
 علی سجاد - اب مجھے کچھ عرض کرنا ہے تخلیہ میں عرض کر دوں گا  
 حکیم صاحب - ہم سب اٹھ جائیں۔  
 علی سجاد - جی نہیں آپ مولوی صاحب شاستری صاحب ہمیں رہیں  
 ابی حضرات۔  
 حضور والا کے علم سے اور سب حاضرین و دربار اٹھ گئے۔  
 علی سجاد - حضور والا۔ انگریزی سرکار میں وصیت نامہ امانت رکھانے کا قاعدہ  
 ہے مگر یہاں نہیں ہے۔ اسی سے میں نے خود حضور والا بدولت اقبال اور  
 جناب عالی کو اپنی گزارش سننے کی تکلیف دی حضور بہت قہر سے میری  
 عرضداشت سنیں۔  
 حکیم صاحب - عرض کیجئے حضور بدل متوجہ ہیں۔  
 علی سجاد - میں نے ترک دنیا کا قصد مصمم کر لیا تو آپ کے کی پرورش اور تعلیم کے  
 انتظام کرنے کی فکر ہوئی بہت سسی تدبیر میں سوچیں تاکہ کوئی اس سے زیادہ

سو و مندرجہ ذیل ہوئی جبکہ دوسرے اس وقت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرے ایک ہی  
لوگ کا ہے اور ایک ہی ہے۔

حکیم صاحب۔ مظفر خاں کی لڑکی۔

علی سجاد۔ بی بی۔

حکیم صاحب۔ آپ نے ان دونوں کی پرورش اور تربیت کا کیا انتظام کیا ہے  
اور اس میں سرکار سے کیا امداد مطلوب ہے۔

علی سجاد۔ میں نے ان کی پرورش اور تعلیم کو خدا پر چھوڑ دیا ہے

حکیم صاحب۔ پھر حضور سے کیا عرض کرنا ہے۔

علی سجاد۔ عرض کرتا ہوں میرے کوئی جائیداد بجز مکان اور چند دوکانوں کے

نہیں ہے۔ نقد روپیہ اور سوئے چاندی کامر صاع اور سادہ ذخیرہ ہواہرات برتن

شال سب سامان ۲۲ لاکھ روپیہ کا ہے۔ ایک ہی نہرست سے (ایک چھوٹی سی

کتاب حضور میں پیش کر کے) یہ میرے اس وصیت نامہ کے ساتھ (ایک کاغذ پیش کر کے)

امانت بریلی۔

حکیم صاحب۔ کس کے پاس

علی سجاد۔ خود حضور والا کے خزانہ میں۔ میں نے سرکاری کو اتنا ہی قرار دیا ہے

حضور والا کل ہی میری تمام جائیداد اپنے اہتمام میں لے لیں۔

حکیم صاحب۔ اور مظفر خاں کی لڑکی کے بابت کیا انتظام کیا ہے۔

علی سجاد۔ اوسکی بھی تمام جائیداد سرکار کے اہتمام میں رہے گی۔ نیچے سور و پیہ

ماہوار۔ اور مظفر خاں کی بیوہ کو سور و پیہ جو وظیفہ انکسار ہے آئندہ سے میری

بیوی کو مرمت ساٹھ روپیہ ماہوار دی اور اتنا ہی مظفر خاں کی بیوہ کو خاں سے۔ باقی

برا امانت جمع ہوتا رہے۔ اور میری منشن اس قطعے بند کر دیا ہے۔

حکیم صاحب۔ کب تک۔

علی سجاد۔ ان دونوں کی شادی کے وقت تک باقی وظیفہ اور سب جائیداد

امانت رہے۔

حکیم صاحب۔ مظفر خاں کی لڑکی کی نسبت کس سے ہوئی ہے۔

علیٰ اسجد۔ جی ہاں میرے ہی لڑکے سے اسکی شادی ہوگی۔

حکیم صاحب۔ شادی کے وقت انکو نام امانت دیدی جائے۔

علیٰ اسجد۔ جی ہاں اور شادی سے پہلے جو مر جائے اُسکے جائداد کی مالک سرکار ہے دونو مفقود الخیر ہو جائیں یا مالک گننام ہو جائے تو یہی شخص گم گشتہ کے تمام ترکہ کی مالک وہی ہیں مفقود الخیر کہی حاضر ہو کر دعویدار ہو تو اس سے کافی ثبوت وراثت حسب تحریر وصیت نامہ لیا جائے تب جائداد بجا آئے۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ یہ مرقع بھی ہے اس میں تمام بزرگوں کی اور ابن و دونو بچوں کی تصویر کیا ہیں۔ ابن تصویروں سے بھی مدعی جائداد کی تصدیقات ملانی جائے۔

حکیم صاحب۔ مگر آپ کو مظفر خاں کی جائداد کی بابت کوئی وصیت کرے گا حق کیونکر حاصل ہوا۔

علیٰ اسجد۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ مظفر خاں کا وصیت نامہ بھی شامل ہے۔ اسکا بھی مضمون ہے جو میں نے گذارش کیا۔ خود اس نے میرے مشورہ سے اپنے مرنے سے چند روز پہلے یہ وصیت نامہ لکھا تھا۔ مجھے دیکر وصیت کی تہی حسبوقت ترکہ دینا کر یہ وصیت نامہ بھی اپنی وصیت نامہ کے ساتھ حضور میں پیش کر دینا۔

حکیم صاحب۔ درست۔

علیٰ اسجد۔ میری بیوی کو اس جائداد کی خبر نہیں ہے نہ مظفر خاں کی بیوہ اپنی جائداد کی موجودگی کا حال جانتی ہے۔

حکیم صاحب۔ یہ کیا۔

علیٰ اسجد۔ ہم دونوں نے باہم صلاح کر کے بہت مدت سے تمام جائداد گھر سے علیحدہ کئی اور جگہ رکھنے کا بندوبست کر لیا تھا۔ رفتہ رفتہ تمام مال الگ رکھ دیا گیا۔

حکیم صاحب۔ اس نقل و حرکت کی اطلاع عورتوں کو ضرور ہوئی ہوگی۔

علیٰ اسجد۔ کیوں نہیں۔ مگر اسنے یہی کہا گیا۔ قرمن کے ادا کرنے کی غرض سے یہ چیزیں بھیجی جاتی ہیں۔ انہیں بھی معلوم ہے۔ تمام جائداد قرمن میں گئی اب صرف نشین پر گذر ہے۔

حکیم صاحب۔ اس میں کیا مصلحت تھی۔  
 علی گجاؤ۔ جاؤ اور خوروں کے اختیار میں پہنچ دی جاتی تو تلف ہو جاتی۔  
 حکیم صاحب۔ بیشک وہ پردہ نشین ہیں اسکے محفوظ رکھنے کا انتظام ان سے  
 نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ یہ ممکن تھا وہ خود بہکانے والوں کی دم حملائے میں  
 آجاتیں اور کسی طرح جاؤ اور برباد کر دیتیں آپ نے یہ انتظام بہت مناسب کیا۔ مگر انہی  
 جھبانے کی ضرورت کیا تھی۔

علی گجاؤ۔ یہ انتظام صرف اس خیال سے کیا گیا ہے انہیں خبر ہوگی تو وہ فرد  
 کسی وقت کسی کے بہکانے سے سرکار سے اپنی جاؤ اور پالنے کی بابت عرض  
 کریں گی۔ اس صورت میں کسی سبب سے سرکار کو اجر و ثمر آگیا۔ جاؤ اور عنایت فرمادی  
 تو انہیں اسکے تباہ کرنے کا موقع مل ہی جائیگا۔

حکیم صاحب۔ درست۔  
 علی گجاؤ۔ جو علامتیں میرے وارث میں ہونی چاہئے وہ اس وصیت نامہ  
 میں تحریر ہیں۔ جو وقت جاؤ اور میرے وارث کو دیجائے وہ علامتیں اس میں لکھ  
 لیجائیں۔ اسی طرح مظفر خاں کے وارث کی علامتیں ان کے وصیت نامہ میں درج ہیں۔  
 میرے لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد یہ ہدایت ضرور کیجائے کہ وہ میری یہ آرزو پوری  
 کرے۔ اپنی شادی مظفر خاں کی لڑکی ہی سے کرے وہی طرح مظفر خاں کی  
 بیٹی کو ان کی یہ وصیت ایاد دلائی جائے۔ کہ وہ اپنی شادی میرے لڑکے ہی  
 سے کرے۔ مگر ان دونوں کی شادی جہی ہوگی جب لڑکی کی ملاکیم گم شدہ  
 پیر شوہر کے ذریعہ سے طبعی بغیر اس صورت کی میری وصیت پوری ہونگی اور ان  
 دونوں کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہی ہے۔

حکیم صاحب۔ اپنی جاؤ اور کے محفوظ رکھنے کا بہت انتظام کیا۔ میرے نزدیک صرف  
 سرکار کے سپرد کر دینا کافی تھا۔

علی گجاؤ۔ درست۔ میں نے یہ احتیاط صرف اس خیال سے کیا ہے کہ کسی کو  
 اس جاؤ اور کا حال معلوم ہی نہ ہوگا۔ تو کوئی دعوت کیے نہ کرے گا۔ اور کسی طرح سے  
 کسی کو معلوم ہو جائیگا۔ تو ان امتحانات میں کامل تسلیم ہونے کے بغیر جاؤ اور نہ دیا جائیگا۔



اسکے علاوہ اس انتظام کے اور وجود وصیت نامہ میں درج ہیں۔  
حکیم صاحب۔ ٹھیک

علی اسجاد۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ یہ ایک نغوذہ ہی ہے۔ یہ علم ترنجات کی بہت باخراور شکل عمل سے تزیین دیا گیا ہے۔ تمام امتحانات کے بعد یہ نغوذہ شخص مدعی وراثت کو دیا جائے وہ اپنے برہنہ باز و پر اسے باندھے۔ پندرہ منٹ کے بعد اگر بیہوش نہ ہو جائے تو ضرور وہی میرا وراثت ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کے لڑکے اور اس لڑکی کا کیا نام ہے۔  
علی اسجاد۔ لڑکے کا نام اپنے صاحب۔ اور لڑکی کا چھوٹے۔

حکیم صاحب۔ یہ عرف ہیں یا اصلی نام  
علی اسجاد۔ پیار کے نام ہیں اصلی نام وصیت نامہ میں اور زائچہ میں درج ہیں اس جائداد کے وارثوں سے ان کا عرف اور اصلی نام بھی ضرور دریافت کیا جائے اور وصیت نامہ سے مطابق کیا جائے۔

حکیم صاحب۔ آپ نے ان شاہ صاحب کو کیوں تکلیف دی۔

علی اسجاد۔ ان دونوں وصیت ناموں پر جناب شاہ صاحب کی گواہی ہے۔ اور شاہ صاحب سے جناب عالی بخوبی واقف ہیں۔ حضور والا دریافت فرمائیں کہ مظفر خاں کا وصیت نامہ خود اسی کا لکھا ہوا ہے یا نہیں۔

شاہ صاحب۔ میں کلفت بیان کرتا ہوں۔ یہ وصیت نامہ مظفر خاں نے میرے ہی سامنے لکھ کر علی اسجاد کو دیا تھا۔ اس کا حرف میں نے سنا ہے۔

وزارت پناہ۔ ہم شاہ صاحب کو پہچانتے ہیں۔ یہ بڑے زاہد عابد اہل صدور و شہ ہیں۔ انکی نسبت جوش بیان کو نیکان مان نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ میں مظفر خاں کا سواد خط بھی پہچانتا ہوں۔ یہ وصیت نامہ ضرور اسی کا لکھا ہے۔

حضور والا۔ آپ مظفر خاں کا خط پہچانتی ہیں۔

وزارت پناہ۔ ہاں۔ اسکی اکثر خوشنویسیں میرے پاس بخ کے طور پر آتی ہیں۔ ان میں میں ہی بڑھتا تھا۔ وہ کسی زمانہ میں میرا بہت معتبر خیر خواہ رفیق تھا۔ میرے بخ کے بعض کام اسے سہرتے۔

علی سجاد۔ میری اولاد زندہ نہ رہتی تھی کئی بچے مر گئے تھے یہ لڑکا پیدا ہوا تو شاہ صاحب کے حکم سے اسکا عرف ایسا بخونہ کیا گیا جس سے تذکیر و تائید کا پتہ نہ چلے لڑکے کو زمانہ لباس اور زیور پہنایا گیا۔ اب تک وہ ایسا ہی لباس پہنتا ہے۔ اسکی زبان ہی عورتوں کی سی ہے۔ اسے تعلیم خود اسکی ماں کرنی تھی اور ایک اُستانی بھی پڑمائی تھی وہ بہت کم نکلتا ہے بارہا ہوس سال اسکے منت کے بل پڑمائی جائیگی تب وہ مردانہ لباس پہنے گا اور مردانہ گفتگو کرے گا۔

ہسوت اسکی تعلیم بھی لڑکوں کی طرح ہوگی۔ بارہ برس کی قید اس وجہ سے لگائی ہے یہ خیال ہے اس وقت تمام آنے والی آفات سے وہ محفوظ ہو جائیگا۔

حکیم صاحب۔ اس بھیس بدلنی کی وجہ۔

علی سجاد۔ صرف شاہ صاحب کا ارشاد۔ اور وہ ارشاد ایک خاص وجہ سے تھا۔

شاہ صاحب۔ میرے خیال میں اسکی زندگی کے لئے یہی تدبیر مناسب معلوم ہوئی اسکے پیدا ہونے کے وقت ایسی ہی منت مانی گئی۔ اب اسی کا نیاہ ہے۔

علی سجاد۔ میں صاف صاف عرض کر دوں (شاہ صاحب سے) اجازت ہے۔

شاہ صاحب۔ ہاں کہہ دو۔

علی سجاد۔ جناب شاہ صاحب کے ایک مرید نے اس کا ذرا بچہ کہینچا۔ ان کا بیان ہے کہ یہ لڑکا اپنی صورت کے سبب بہت سخت تکلیف اُٹھائے گا ان تکلیفوں سے اسوقت نجات ملے گی جب اس کا بھیس بدل جائیگا۔ جناب شاہ صاحب نے انہیں کے ہمارے لڑکے کو ابھی سے زمانہ بھیس میں رہنے کی ہدایت کی۔

حکیم صاحب۔ اس بھیس بدلنے سے وہ مصیبت نہ آئے گی۔

شاہ صاحب۔ کیوں نہیں۔

حکیم صاحب۔ بہر۔

شاہ صاحب۔ بلکہ مجھے انکے حکم پر بالکل یقین نہیں ہے۔ تاہم میں نے انکی مراد سے یہی بخونہ کیا۔ اس پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو یہ بھیس اسے ہرگز بچا نہیں سکتا۔ میرا یہی عقیدہ ہے۔ اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہو سکتا ہے۔

حکیم صاحب - بیشک۔

علی استجاد - کیا عجب ہونے والی بات کی ضرور ہی ہونے کا یہی ہمیں ہو جائے اور ہوگا اس شدائی کے سبب اُنٹے یہ سجھائی گئی ہو۔

حکیم صاحب - شاید۔

علی استجاد - منظور غاں کی لڑکی کا زائچہ بھی میرے نہیں پر یہائی نے کھینچا تھا۔ اسکی آئندہ زندگی کی بابت بھی اُنہوں نے ایسی احکام سنائے تھے۔

حکیم صاحب - واہ کیا۔

علی استجاد - اُنہوں نے کہا تھا۔ اس لڑکی کی شادی علی استجاد کے لڑکے سے ہوگی دو نو باہم محب و محبوب ہونگے۔ دونوں پر اسوقت بہت سخت مصیبت پڑے گی جب وہ شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ شادی اُس وقت ہوگی جب بیوی کی وہ گم شدہ کوئی چیز میاں گے دریدہ سے ملیں جیسا کہ ہونا ان تمام مصیبتوں کا باعث ہے۔ شادی کے ساتھ ہی سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حکیم صاحب - شادی سے پہلے بچپن میں ہی وہ باہم نہیں۔ یہی مطلب ہے نہ۔ علی استجاد - جی ہاں۔

حکیم صاحب - اسیر علد آمد۔

علی استجاد - کیا گیا۔

حکیم صاحب - جیسے وہ رکھا گیا ہوا ہے۔ منظور غاں کی بیوی علی استجاد کے یہاں نہیں آئی نہ ان کی بیوی اُنکے یہاں جاتی ہے۔ وہ لڑکی بھی اب تک باہر نہیں نکالی گئی ہے۔

حکیم صاحب - اپنے گھر سے کہیں نہیں گئی۔

شاہ صاحب - گئی کیوں نہیں مگر بے پردہ نہیں گئی۔ صرف اس خیال سے کہ اپنے صاحب کو وہ نہ دیکھے اور وہ اسے نہ دیکھ سکے۔

حکیم صاحب - شاہ صاحب کیا یہ ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب - آپ کے اعراض کا جواب میں پہلے ہی دیکھا ہوں۔ میرا یہی عقیدہ ہے۔ تقدیر کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن کسی طرح نہیں منتہی۔ ضرور ہوتی ہے۔

۲۴

ہوتی ہے وہی جو کچھ بدی ہے حضور والا کسی کو حکم دیں۔ اس فہرست کے مطابق سب چیزیں سمجھالائے۔ حضور والا۔ ابھی۔

علی سجاد۔ کل دن میں۔ ہاں یہ عرض کرتا ہوں گیا۔ وصیت ناموں میں تمام جائداد کا ایک ٹنٹ کسی کار خیر میں لگانے کے لئے بھی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں وصیت ناموں کی نقل۔ ہر گوں کی تصویروں کا موقع یہ سب چیزیں ایک اور جگہ بھی امانت رکھی گئی ہیں ان لوگوں کو انہیں سے یہ حال معلوم ہوگا۔ جو وقت امانت اٹکو ریجائے وہ وصیت نامہ وغیرہ دیکھ لیا جائے۔

حضور والا۔ (وزیر صاحب سے) آیا۔

وزارت پناہ۔ ہاں حکیم احمد علی حکیم غبت علی اور شاستری کو تعینات کر دیجئے۔ یہ سب چیزیں فہرست سے ملا کے لے لیئے۔

حضور والا۔ (علی سجاد سے) یہ دونوں رہائی اور شاستری۔

علی سجاد۔ بہت خوب۔ میں نے حضور والا کو بہت تکلیف دی۔ لیکن حضور خیال فرمائیں۔ تو یہ تکلیف ہی بجا نہیں ہے۔ حضور۔ ہماری جان و مال عزت آبرو کے مالک اور محافظ ہیں۔ حضور سے بڑھ کے اور کون ہیں جو مل سکتا ہے۔ حضور کو جیسا کہ خیال ہم تک خواروں کی ہمدردی کا ہو سکتا ہے اور ہے اور کون کر سکتا ہے۔

حکیم صاحب دست

حکیم صاحب دست

۱۹۸۷ R

جلد اول تمام شد



نہایت شہرہ آفاق کشتی ساز  
بھارت کا بنایا ہوا



قیمت فی ٹن ۱۲ روپے  
محصولہ ملک

# نیک سیلانی

قیمت فی ٹن ۱۲ روپے  
محصولہ ملک

نہایت شہرہ آفاق کشتی ساز

اس نیک سیلانی کے سوہنے اپنے سوہنے کے تجربہ کے بعد ایجاد کیا ہے۔ اور  
اپنے فائدہ میں تیرہ ہفت ہونٹوں کے علاوہ بھی بڑے بڑے  
ملکوں میں لے کر گیا۔ اور ہندوستان کے علاوہ بھی بڑے بڑے  
کے تو چھوٹے سے چھوٹے قصبہ سے لے کر بڑے بڑے شہروں میں استعمال کیا  
جاتا ہے اس کی روز افزوں رفتی دیکھ کر ہندوستان سے ایسے لوگوں نے بھی اس نام  
سے فائدہ اٹھانا چاہا جو کہ بڑے بڑے نہ تھے مگر فاضل عورت ہمارے ہندوستان  
کی نقل کر کے ملک کو دھوکہ میں ڈالتے رہے لیکن کراچی کی میٹریا بار ہائرس  
چیز تھی اس لئے وہ لوگ اسے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہم کو یہ بھی  
معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اس بات کو مشہور کرتے ہیں کہ وہ ہمارے  
کارخانہ نیک سیلانی میں ملازم تھے اور ان کو وہ نسخہ معلوم ہو گیا ہے لیکن ایسے  
لوگوں کا بیان ہی باطل غلط ہے۔ کیونکہ وہ نسخہ اور خاص اتر لکھیں ہیں اس  
کارخانہ میں نیک سیلانی بنا دیا جاتا ہے وہ وہ آؤ اگر اس کے اوکسی کو ان میں معلوم ہے  
اس لئے میں وہ نسخہ لکھتا ہوں کہ جو اس میں نیک سیلانی میں ہیں  
وہ کسی اور میں نہیں ہو سکتے جو کہ نیک سیلانی پر ایک حکم و استعمال کیا جاتا ہے  
اور ہندوستان میں ہر قصبہ اور ہر شہر میں اس کے خریدار موجود  
ہیں۔ اس لئے

ملنے کا پتہ۔ وہاں ملک عباد گوپال کارخانہ نیک سیلانی۔ محلہ گولہاٹ ستر بارہ

## ڈاکٹر کنیش پرشاد بھارگو

کا بنیاد پر انکسٹیلیٹائی بڑے بڑے معزز وافر و سون اور سوداگروں کا رخانہ  
 سے گشت و حرکت فرما کر فروخت کرتے ہیں وہ کارندوں کو معقول کمیشن کا رخانہ سے  
 دیا جاتا ہے لیکن اس پر نوٹنگس ایجنٹوں سے ہر کوئی معلوم ہوتا ہے کہ بعض کارندوں  
 بھارگو سے خریداریوں کو دیکھ کر دیکھ کر بنیاد و سونوں کا بنیاد پر انکسٹیلیٹائی حرف ایکڑنگ کے  
 فروخت کر لیتے ہیں اس لئے انکسٹیلیٹائی ہے کہ بھارگو نے انکسٹیلیٹائی کے خریداریوں کو  
 بھارگو سے کہہ کر کارندوں سے خرید کر کے قیمت کنیش یا بونل کے لیسل پر خریدی شدہ  
 طریقہ کارنگ جو کہ اوپر بتایا ہے اور ڈاکٹر کنیش پرشاد بھارگو کی دستخطی ہر  
 جگہ انگریزی میں مندرجہ ذیل ہے یہی ہے ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ دیکھ کر ہوا اور اسے  
 فراغت شریفوں کے نام سے کارخانہ کو اطلاع دیں جو کہ بھارگو کے نام سے دوسروں کا انکسٹیلیٹائی  
 بھارگو سے خریداریوں کو دیکھ کر دیتے ہیں تاکہ دیکھ لیا جاسکے۔

بھارگو نے انکسٹیلیٹائی کے فراغت میں کی نقدی ہزاروں معزز اصحاب سے فرمائی ہے  
 ان کے لئے دیکھ لیں۔ اس انکسٹیلیٹائی کا استعمال تندرستی اور بیماری دونوں حالتوں  
 میں فائدہ سے قائل نہیں تندرستی میں اس کے استعمال سے جگر اور معدہ کی قدرتی  
 قوت اور قوت اصلی حالت پر قائم رہتی ہے اور جو کچھ ٹھانے وہ پورے طور سے  
 ہضم ہو کر انشلاط صالح پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ سے تندرستی قائم رہتی ہے۔  
 اور ہضم کی قوت انسان کی بدن میں بڑھتی ہے۔ اور بیماری کی حالت میں چونکہ  
 معدہ اور جگر کی قوت کم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے مریض دن بدن کمزور  
 ہوتا جاتا ہے لیکن بھارگو نے انکسٹیلیٹائی کے استعمال سے معدہ اور جگر کی قوت بڑھ  
 جاتی ہے یہ شیشی و جگر سے طبیعت میں قوت پیدا ہوتی ہے اور مرض کا دفعیہ جلد  
 ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ انکسٹیلیٹائی میں جو کہ معدہ کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں  
 مثلاً کئی اہستہ ہستہ پیٹ کا درد۔ قویج۔ کھشی۔ ڈکاروں کا آنا۔ سہال  
 بھوٹھی۔ پیٹش۔ قہقہہ۔ نفخ۔ بواہیر۔ ریاح کا درد۔ باؤ گولہ۔ اور سوزات

طبع کا بہتہ۔ لوزنہاں سنگ بھارگو میجر کا رخانہ انکسٹیلیٹائی۔ محلہ گانگھاٹ شہر بنارس

کے ایام کی بخاریوں کو بہت جلد رفع کر دیتا ہے۔ اس لیے اس ہندوستانی دوا کا ہر ایک  
گھر میں موجود رہنا بہت ضروری ہے یہ ننگ سلیمانی جیسن کو رخ اور خوش بکھات کرتا  
ہے اور گردے و شانے کی بڑی کامیابی کا محافظ ہے اور معدے کے فضلات فاسد کو تحلیل کرتا ہے  
اس وجہ سے زیادتی پیشاب گھٹیا اور خون کی بیماریاں مثلاً داء سیسواں وغیرہ  
میں بھی مفید ہے جیسے اور طاعون کے دنوں میں اس ننگ سلیمانی کا روزانہ استعمال  
ترقی کا کام دیتا ہے سمندر کے سفر میں نقل و حرکت کی سہولت دے اور دورانِ بصر  
وغیرہ کے بوشکائیں ہوجاتی ہیں۔ وہ سب اس ننگ سلیمانی کے استعمال سے فوراً  
تجارت جاتی ہیں کچھو یا بچھڑ کے کالے ہوئے مقام پر اس ننگ سلیمانی کو دینے سے فوراً  
تکلیف رفع ہوجاتی ہے بچوں کے دانت لٹکنے کی جگہ پر جہاں آماں ہو ملدیا جاوے  
تو انگو تکلیف بالکل نہیں ہوتی اگر کسی جھیم برتن یا گھوڑے کے درم یا بچھوٹا یا درو  
شروع ہو تو چند روز اس ننگ سلیمانی کو اس جگہ پر ملکا باندھ دینے سے ذہ تحلیل  
ہو جاتا ہے اور تکلیف رفع ہوجاتی ہے و استوں میں اگر درم یا درو ہو تو اس  
ننگ سلیمانی کو صحن کی طرح ملکر گرم پانی سے کٹی کر ڈالنا چاہئے۔ فوراً خالہ ہوتا  
ہے۔ ایسے فوجیوں سے جو کہ اپنی کمزوریوں کا علاج کشتوں یا مرکب دواؤں  
سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری گتہ ارشاد ہے کہ وہ پہلے معدہ کی درستی کریں۔ اور اگر  
ان کو کسی قسم کی کمزوری معلوم ہوئی ہے۔ تو وہ ایک شیشی ہمارے ننگ سلیمانی کی  
منگ کر حسب ہدایت استعمال کریں اس سے ہر طرح کی کمزوری چند روز کے استعمال سے رفع  
ہو سکتی ہے اور اس طرح سے جو قوت بدن میں پیدا ہوگی وہ مستقل ہوگی۔  
اسکے علاوہ اس ننگ سلیمانی کے استعمال سے معدہ کی قوت بڑھتی اور فضلات فاسد تحلیل  
ہونے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے انسان کی تندرستی اس ننگ سلیمانی کے استعمال سے قائم رہتی  
ہے اور بہت سی بیماریوں سے اسکا استعمال کرنا انا محفوظ رہتا ہے۔  
قیمت فی شیشی ایک روپیہ محمول ۴۰ قیمت فی بوتل کلاں پانچ روپیہ محمول ۴۰  
بڑا دس روپیہ سے چند معززین کی رائے سے آگے درج ہیں

نو نہال سنگھ بھارگوں میجر گارخانہ ننگ سلیمانی محلہ گانگھاٹ شہر بنارس

بنائیں کے مشہور ڈاکٹر کنیش چندا جیو کے بنائے ہوئے نمک سیلانی  
کے نسبت ہزاروں اسی طرح بننے پھرنے والے ہیں

جواب : راستہ یہ ہے کہ جو شخص اس کی شہرت و بیجا اور سے تقریر کرتا ہے تو اس کے لیے کہ میں نے اس کا  
 رنگ کیا ہے جو معرفت کے لئے اور جس میں اس کا عجب اثر ہے اس کو یاد دلایا تھا اس کے لئے کیا کہ جو شخص اس کے لئے  
 غرضی ہے اس میں اس کے رنگ کی یاد دلائی کی ترغیب کرنا ہے۔

[illegible]

چنانچہ ان مشق پر مبنی اور صاحب دستار کو یہ سہولت حاصل ہو کہ وہ اس کو توفیق فرمائے کہ اس سے  
چند بیشمار ملک بھائی لے کر آج کے کارخانہ ہے۔ مگر ان کی اس خیر خواہی و سخاوت پر نہ ہر سید و شہنشاہت ہو جس کو  
اور صاحب آج ہے۔ یہ بیشمار ملک بھائی ان کی اس سہولت کو فرمائے ہیں اور اس کا توفیق بھی لے کر آج ہے۔  
میرا بی فرما کہ ایک شاہی شخص نے کہ اس کا بی بی اور بی بی اور بی بی کے رعاۃ فرمائے۔

جناب عالی کا صاحب مقام مرتضیٰ خان انگریز کمر و خوشنیتی سے ۱۲۰۱ھ میں اپنے لشکر کو قلعہ فرخ پور میں  
گرفتار کیا۔ اگلے سال سبکی سواروں کی یہ دعا ہے ان سواروں میں متحدہ بادشاہ  
یہ ملک سبکی سواروں کا حدود ہے حضور خدا اس کو ہم کو اس ملک پر ۱۱۰۰ درود و شکر کی تسکین دیتی ہے  
لہذا دشمنی ملک سبکی سواروں پر نہ ہو بلکہ ہم کو اس ملک پر ۱۱۰۰ درود و شکر کی تسکین دیتی ہے

چند سالہ باور و پیشور پر شاہ سلجوقی صاحب سب اس کے بھائی و کاکا کے گھر مقیم ہو گئے تھے۔ فروری ۱۹۱۷ء کو ترکہ فرستے ہیں کہ ان کے والد سے لکھی ہوئی خط لکھ کر استقبال کی جو کہ میر خدیجہ نامہ ہے اس میں اور میر عبدالحق کی کئی شکایتیں لکھی گئی ہیں۔ استقبال کیا گیا جو فرمیدہ قریب ہر محل میں مقیم نامتہ امرا و اہل سب سے مراد ہے کہ ان کے خدشہ فرستگاری میں ہندوہ شیشی کے پھیلان کی جگہ دیکھ کر خوفناک

ملتان کا سیرتہ - نہ ہمال شاہ میرا گو شیر کا رخا نہ ملک سلیمان - عجمی کا گھاٹ شہر بنارس